

تاریخ دعوتِ عزیمت

مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ

www.attablig.com

مجلس تحقیقات و نشریات اسلامیہ لکھنؤ

اُنْجِ السَّبِيلَ بِكَ بِالْحَمْدِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

آئینہ دعوتِ عمر

حصہ دوم

یعنی آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے
سوانح حیات، ان کے صفات و کمالات، ان کی علمی و تصنیفی خصوصیات، ان کا
تجدیدی و اصلاحی کام اور ان کی اہم تصنیفات کا مفصل تعارف اور ان کے
ممتاز تلامذہ اور منتسبین کے حالات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

گیارہواں ایڈیشن

ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ دسمبر ۲۰۰۵ء

نام کتاب تاریخ دعوت و عزیمت (دوم)
 نام مصنف مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
 کتابت ظہیر احمد کاکوری مرحوم
 صفحات ۴۱۲
 طباعت کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ
 تعداد اشاعت دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت - 100/- روپے

طالع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، فون: 0522-2741539
 فیکس نمبر: 0522-2740806، ای۔ میل: info@airpindia.com

فہرست مضامین

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم

۴۳	پہلی مخالفت	۱۱	دیباچہ
۴۴	تاتاریوں کا رخ دمشق کی طرف	۱۴	شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ
۴۸	سلطان مصر کی شکست اور دمشق کی حالت	۱۴	شریعت کے ترجمان اور ایک ہمہ گیر مصلح کی ضرورت
۴۹	ابن تیمیہ کی قازان سے ملاقات	۲۱	ابن تیمیہ کا زمانہ
۵۱	دمشق میں تاتاریوں کی بے عنوانیاں	۲۲	مصر کے ملوک سلاطین
۵۴	شراب کے خلاف جہاد	۲۵	نظام سلطنت
۵۴	بدعتیہ کو ہتھانیوں کی تادیب و تبلیغ	۲۶	ملک کی اجتماعی و اخلاقی حالت
۵۵	تاتاریوں کی دوبارہ آمد اور ابن تیمیہ کا اعلان جہاد	۲۹	علمی حالت
۵۶	مصر کا سفر	۳۲	ابن تیمیہ کا آبائی وطن
	تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ و ابن تیمیہ کا	۳۳	ابن تیمیہ کا خاندان
۵۸	کارنامہ	۳۴	ولادت اور نقل سکونت
۶۱	انکار بدعات اور ازالہ منکرات	۳۵	دمشق میں
۶۳	لمحدین و مفسدین کے خلاف جہاد	۳۶	غیر معمولی حافظہ
۶۶	رفاعیوں سے مناظرہ	۳۷	تعلیم و تکمیل
۶۷	ابن تیمیہ کی مخالفت اور مصر طلبی	۴۱	ابن تیمیہ کا پہلا درس
۶۸	عقیدہ وحدۃ الوجود کی تردید	۴۲	حج
۷۸	ابن تیمیہ مصر میں	۴۲	شاہم رسول کی تعزیر

۱۲۳	زندگی کے آخری دن اور وفات	۷۸	ایسری و رہائی
۱۲۴	جنازہ کی کیفیت اور تدفین		بنائے اختلاف اور مسلک کی توضیح خود شیخ الاسلام
۱۲۶	ناز جنازہ غائبانہ	۷۹	کی زبان سے
۱۲۷	نمایاں صفات اور کمالات	۸۸	جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور ان کے اثرات
۱۲۸	خدا داد حافظہ اور ذہانت	۸۹	ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی
۱۲۹	تبحر علمی اور جامعیت	۹۱	درس و افادہ
۱۳۳	شجاعت اور فکری استقلال	۹۱	ابن تیمیہ کا خط والدہ کے نام
۱۳۸	اخلاص و انہماک	۹۶	دوبارہ ایسری
۱۴۱	ان کی تصنیفی خصوصیات	۹۸	سیاسی تغیر اور ابن تیمیہ پر سختی
۱۴۲	پہلی خصوصیت	۱۰۰	رکن الدین جاشگیر کا زوال
۱۴۲	دوسری خصوصیت	۱۰۲	ابن تیمیہ کی رہائی اور شاہ عزت افزائی
۱۴۳	تیسری خصوصیت	۱۰۴	مصر میں سنت یوسفی
۱۴۴	چوتھی خصوصیت	۱۰۷	دشمن واپسی
۱۴۷	مخالفت کے اسباب اور ان کے ناقدین و مدافعين	۱۰۷	مسائل فقہیہ کی طرف توجہ خصوصی
۱۴۷		۱۱۰	تین طلاقیں کا مسئلہ
۱۴۷	۱۔ تنقیص میں غلو	۱۱۲	حلف بالطلاق کا مسئلہ اور نظر بندی
۱۴۸	۲۔ وقت کی ذہنی سطح سے اونچا ہونا	۱۱۴	آخری ایسری
۱۴۹	۳۔ غیر معمولی مقبولیت	۱۱۸	اہل علم و دین کا تاسف اور احتجاج
۱۵۰	۴۔ طبیعت کی تیزی اور ذکاوت	۱۱۹	قلعہ میں شیخ کے مشاغل
۱۵۲	۵۔ تقریقات		نئی پابندیاں اور سامان مطالعہ و تحریر سے محرومی
۱۵۳	۶۔ اشعری طریقیہ تاویل کی مخالفت	۱۲۰	کوئلہ سے تحریر و تصنیف
۱۵۴	۷۔ ابن عربی کی مخالفت	۱۲۱	تسلیم و رضاء اور حمد و شکر
۱۵۷	۸۔ ان کی طرف سے غلط فہمیاں اور مغالطے	۱۲۱	

۱۹۶	مشاہد کا فتنہ	۱۶۵	شیخ الاسلام ایک عارف باللہ اور محقق
۱۹۷	مشاہد و مزارات کا حج	۱۶۷	ذوق عبودیت و انابت
۱۹۷	حج بیت الشریہ پر ترجیح	۱۶۹	ذوق عبادت و انہماک
۱۹۸	مساجد کی ویرانی و کس پرسی اور شاہد کی رونق و اہتمام	۱۷۱	زہد و تجرید و تحقیر دنیا
۲۰۰	عقائد کی تردید و مخالفت	۱۷۲	سخاوت و ایثار
۲۰۰	غیر الشریہ سے دعا و استغاثہ کی مانعت	۱۷۴	فروتنی و بے نفسی
۲۰۲	غیر الشریہ سے دعا کی حرمت کی حکمت	۱۷۶	سکینت و سرور
۲۰۳	اہل قبور سے دعا کرنے والوں کی قسمیں اور صورتیں	۱۷۷	کمال اتباع سنت
۲۰۶	زندہ ہستی سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو اسباب دنیاوی سے ماورا ہو جائز نہیں	۱۷۸	صاحبین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت
۲۰۷	واسطہ کی حقیقت	۱۷۹	فراسٹ و کرامت
۲۱۰	مشاہد بدعت قبیحہ ہیں	۱۸۹	شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تجدیدی و اصلاحی کام
۲۱۲	مشاہد کے موجب باطنی و روانی ہیں		۱۔ عقیدہ توحید کی تجدید اور شرک کا عقائد و رسوم کا ابطال
۲۱۳	اکثر مشاہد و مزارات جعلی ہیں	۱۸۹	امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں شرک کا عقائد و رسوم
۲۱۴	مشاہد و مزارات پر حصول مقصد کے افسانے	۱۹۱	کھلی قبر پرستی
۲۱۵	مشرکین کے لئے شیاطین کا تمثیل	۱۹۲	خدا سے بے خوفی اور صاحب مزار سے خوف و خشیت
۲۱۷	امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کارنامہ اور اس کے اثرات	۱۹۳	الشر اور شعائر الشریہ سے استہزاء و استخفاف
۲۱۷		۱۹۴	مشرکین کی بے باکی و شوخ چٹھی
۲۱۷		۱۹۴	بزرگوں کی الوہیت کا اعتقاد

۲۔ فلسفہ منطق و علم کلام کی تنقید	۲۱۹	قرآن کا اسلوب استدلال زیادہ دلنشین اور یقین آفریں ہے	۲۲۱
کتاب سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح	۲۱۹	ذات و صفات کے بارے میں قرآن اور فلسفہ	۲۲۱
فلسفہ یونان کا عالم اسلام پر اثر و اقتدار	۲۱۹	کا بنیادی و اصولی فرق	۲۲۲
فلسفہ کا دور تقلید	۲۲۱	نفی صفات کا اثر پوری زندگی پر	۲۲۲
فلسفہ منطق کا علمی محاسبہ اور ابن تیمیہ کا کا زام	۲۲۳	صحابہ کرام کا امتیاز	۲۲۳
طبیعیات و ریاضیات کا اعتراض	۲۲۴	منطق یونانی کا سحر اور رعب عالم اسلام پر	۲۲۴
اختلاف کا اصل میدان فلسفہ الہیات	۲۲۶	منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں	۲۲۶
یونانی الہیات اور پیغمبروں کے علوم و تعلیمات کا تقابل	۲۲۷	بہت سی منطقی حدود و تعریفات مخدوش اور کمزور ہیں	۲۲۷
فلاسفہ یونان کا جہل و انکار	۲۲۹	کوہ کندن و کاہ بر آوردن	۲۲۸
بُت پرست و ستارہ پرست یونان	۲۳۰	منطق کا اثر ذہن اور قوت بیان پر	۲۲۹
متقدمین و متاخرین فلاسفہ یونان کا فرق	۲۳۱	بعض مستنات	۲۵۰
ارسطو حقائق دینیہ سے بعید تر ہے	۲۳۲	منطق کے متعلق اجمالی رائے	۲۵۱
یونانی فلسفہ میں خدا کی حیثیت	۲۳۳	منطق کا صحیح مقام اور فائدہ	۲۵۲
فلاسفہ اسلام یونان کے مقلد محض ہیں	۲۳۴	دینی و الہی حقائق کے بارے میں منطق کی بے بسی	۲۵۳
ابن سینا حقیقت و منصب نبوت سے نا آشنا ہے	۲۳۵	منطق پر تفصیلی و فنی تنقید اور ابن تیمیہ کے اجتہاد	۲۵۳
علم کلام کا نقص متکلمین کا تذبذب	۲۳۷	واضافات	۲۵۵
متکلمین و فلاسفہ کی مشترک غلطی و کمزوری	۲۳۹	علوم عقلیہ میں تقلید درست نہیں ہے	۲۵۶
تطویل و تکلفات	۲۳۹	عالم اسلام کے پچھلے دور میں علوم عقلیہ کا جمود و انحطاط اور ابن تیمیہ کے کام کی اہمیت	۲۵۷
متکلمین کے دلائل پر انحصار نہیں	۲۴۰		۲۵۷
ایک طبقہ کو فائدہ	۲۴۰		۲۵۷

۳۔ غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید	۲۵۹	شریعت محمدی کا اعجاز	۲۷۹
ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ	۲۵۹	نبوت محمدی کا اقرار ہر مقرر نبوت کے لئے ضروری ہے	۲۸۱
۱۔ رد عیسائیت	۲۶۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ	۲۸۲
عالم اسلام میں عیسائیت کی نئی تحریک	۲۶۰	۲۔ رد شیعیت	۲۸۳
۲۔ الجواب الصمیم کی تصنیف	۲۶۱	(منہاج السنہ)	۲۸۳
مسیحیت حضرت مسیح کی تعلیم اور رومی بت پرستی کا مجموعہ ہے	۲۶۲	کتاب کا محرک اور اندرونی باعث	۲۸۶
موجودہ مسیحیت قسطنطین کی تصنیف ہے	۲۶۴	شیعوں کے نزدیک خیرالام سے یہود و نصاریٰ بہتر ہیں	۲۸۷
اناجیل کی صحیح حیثیت	۲۶۵	شیعوں نے خیار امت کو شرار امت بنا دیا	۲۸۸
اناجیل میں تحریف	۲۶۷	ایک مثال	۲۸۹
نصاریٰ الفاظ انبیاء کو سمجھے نہیں	۲۶۹	امام شعبی کا قول	۲۸۹
الفاظ کے صحیح معنی	۲۷۰	سابقین اولین سے عداوت کفار سے محبت	۲۹۰
الفاظ "ابن" اور "روح القدس" مشترک اور عام ہیں	۲۷۱	تقصیب و بے انصافی	۲۹۰
منافی عقل باتیں	۲۷۳	شیعوں کی بوجعیاں	۲۹۱
توحید اور حضرت مسیح کی عبدیت کے قائل	۲۷۳	صحابہ کرام سے دل میں کھوٹ دل کی ناپاک	۲۹۲
مسیحی علماء	۲۷۵	شیخین پر طعن کرنے والا دو حال سے خالی نہیں ہے	۲۹۳
تورات و صحف سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں	۲۷۶	رسالت پر الزام	۲۹۳
معجزات و دلائل نبوت	۲۷۷	فضائل صحابہ قطعی اور متواتر ہیں	۲۹۵
اسلامی انقلاب اور امت محمدی مستقل معجزہ	۲۷۷	صحابہ کرام معصوم نہیں تھے	۲۹۵
	۲۷۸	صحابہ کرام کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی	۲۹۶
	۲۷۸	مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابہ کرام کی برکت ہے	۲۹۸

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت دلیل نبوت و صداقت ہے۔		۲۹۹	فکر اسلامی کا احیاء	۳۱۹
جاہلیت کی نسب پرستی	۳۰۱	عقائد کا ماخذ کتاب و سنت	۳۱۹	عقائد و دینی حقائق کا صحیح ماخذ
شیعوں کا انتساب اور مدح اولاد حسین کے لئے	۳۰۲	فلسفہ کی سعی لاحاصل	۳۲۰	فلسفہ کی سعی لاحاصل
ایک آزمائش ہے	۳۰۲	متکلمین کا تفلسف	۳۲۰	متکلمین کا تفلسف
تعصب کی کرشمہ سازیاں	۳۰۲	قرون متاخرہ میں اسلامی فکر کا انحطاط	۳۲۱	قرون متاخرہ میں اسلامی فکر کا انحطاط
حضرت علیؓ کے بارے میں تناقض	۳۰۸	عقل کی تعظیم و تقدیس میں مبالغہ	۳۲۳	عقل کی تعظیم و تقدیس میں مبالغہ
بحث امامت	۳۰۹	عقل کا منصب و مقام	۳۲۴	عقل کا منصب و مقام
شیعوں کی قرآن و حدیث سے دھسپی نہیں	۳۱۰	رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے	۳۲۶	رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے
مساجد و جمعہ و جماعت سے بیگانگی	۳۱۰	عقل کے ہوائی قلعے	۳۲۷	عقل کے ہوائی قلعے
متاخرین شیعہ معتزلہ کے پیرو ہیں	۳۱۰	اہل دانش کی بے دانشی	۳۲۸	اہل دانش کی بے دانشی
گذشتہ تاریخ	۳۱۱	صریح عقل اور صحیح نقل میں کبھی تعارض	۳۲۹	صریح عقل اور صحیح نقل میں کبھی تعارض
اہل سنت راہ اعتدال پر	۳۱۱	نہیں ہوتا	۳۲۹	نہیں ہوتا
۴۔ علوم شریعت کی تجدید	۳۱۳	قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں	۳۳۰	قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں
امام ابن تیمیہ کا عہد	۳۱۳	رسول کی تعلیم میں القیاس نہیں	۳۳۱	رسول کی تعلیم میں القیاس نہیں
ان کی تصنیفی و علمی خصوصیات	۳۱۴	امام ابن تیمیہ کی دعوت اور ان کا کارنامہ	۳۳۲	امام ابن تیمیہ کی دعوت اور ان کا کارنامہ
تفسیر	۳۱۵	فقہیات کا ماخذ کتاب و سنت	۳۳۳	فقہیات کا ماخذ کتاب و سنت
حدیث	۳۱۶	دور تقلید سے پہلے	۳۳۳	دور تقلید سے پہلے
اصول فقہ	۳۱۶	تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب	۳۳۴	تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب
علم کلام	۳۱۷	تقلید کی حیثیت	۳۳۵	تقلید کی حیثیت
فقہ	۳۱۷	پچھلی صدیوں کا غلو و انحراف	۳۳۷	پچھلی صدیوں کا غلو و انحراف
امام ابن تیمیہ کا اثر بعد کی صدیوں پر	۳۱۸	امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید و اجتہاد کے بارے میں	۳۳۹	امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید و اجتہاد کے بارے میں

۳۶۴	(قضایائے نبوی)	۳۴۳	امام ابن تیمیہ کا عمل اور ان کا فقہی مرتبہ
۳۶۶	ابن عبدالبہادی	۳۴۳	امام ابن تیمیہ کی دعوت اور اس کا اثر
۳۶۶	(علمی جہالت)	۳۴۴	تلامذہ و متبعین
۳۶۷	(اہل سیر کا اعتراض)	۳۴۴	حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ
۳۶۸	مختصر حالات	۳۴۵	نام و نسب
۳۶۸	(اساتذہ)	۳۴۵	علمی مرتبہ
۳۶۸	(علوم دینیہ میں مہارت)	۳۴۶	زہد و عبادت
۳۶۹	(علامت)	۳۴۶	ابتلا و آزمائش
۳۶۹	(وفات)	۳۴۷	ان کے تلامذہ و معاصرین کا اعتراض
۳۶۹	تصنیفات	۳۴۷	تدریس و تصنیف
۳۷۱	ابن کثیر	۳۴۷	ان کی تصنیفات کی خصوصیت
۳۷۱	(نام و نسب)	۳۴۸	اہم تصنیفات
۳۷۱	(تعلیم)	۳۴۸	وفات
۳۷۲	(تصانیف)	۳۴۹	زاد المعاد
۳۷۲	(تفسیر)	۳۴۹	(کتاب کی جامعیت)
۳۷۳	(البدایہ والنہایہ)	۳۵۰	(کتاب کے بعض مضامین)
۳۷۳	(وفات)	۳۵۱	(شرح صدر کا خلاصہ)
۳۷۴	حافظ ابن رجب	۳۵۶	(احکام کے اسرار)
۳۷۴	مختصر حالات	۳۵۶	(روزہ کا بیان)
۳۷۴		۳۵۸	(حج کا بیان)
۳۷۴		۳۶۰	(غزوات نبوی)
۳۷۴		۳۶۳	(غزوات پر تبصرہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

احمد لکھ ناظرین کے سامنے "تاریخ دعوت و عزیمت" کا دوسرا حصہ پیش کرنے کی سعادت و مسرت

حاصل ہو رہی ہے الحمد للہ الذی بعزّتہ و جلالہ تنقّم الصالحات؟

کتاب کی پہلی جلد میں پہلی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک کی روداد اصلاح و دعوت
تھی شخصیتوں کے لحاظ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ سے لے کر مولانا جلال الدین رومیؒ تک صحابہؓ و
عزیمت کا تعارف اور ان کے مصلحانہ و اولوالعزمانہ کارناموں کی تفصیل آگئی تھی۔

اس دوسری جلد میں حسب وعدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی سوانح حیات اور ان کے تلامذہ اور ان کے
دبستان فکر کے فضلاء کا تذکرہ ہے ابتدائی خاکہ کے مطابق یہ جلد اس دور اور اس مدرسہ فکر کے لئے
مخصوص کر دی گئی تھی، اور اسی انداز سے لکھنا شروع کیا تھا، یہاں تک کہ صرف شیخ الاسلام کے تذکرہ
نے مسودہ کے تقریباً دو صفحات گھیر لئے، ابھی ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں اور ان کے اثرات
کا تذکرہ باقی تھا کہ پہلی جلد پر تبصرہ کرنے والوں میں بعض نے مخلصانہ مشورہ دیا کہ اس زمانہ کی کم فرصتی اور
اختصار پسندی کے پیش نظر کتاب میں اختصار سے کام لیا جائے اور کتاب کے پیمانہ کو کچھ محدود کر دیا جائے
اس کا تقاضا تھا کہ شیخ الاسلام کے تذکرہ میں بھی تلخیص و انتخاب سے کام لیا جائے تاکہ اس جلد میں

۳۷۶

(علامہ ابواسحاق شاطبی)

۳۷۴

(حدیث کی سماعت)

۳۷۷

اشاریہ (اندکس)

۳۷۵

(فن حدیث میں تنجیر)

از۔ محمد غیاث الدین ندوی

۳۷۵

تصنیفات

دوسرے اصحاب دعوت و عزیمت کی جگہ نکل سکے مصنف نے (جو اس دور کے رجحانات سے ناواقف نہیں) اس کا ارادہ بھی کیا، لیکن جب تذکرہ پر نظر ڈالی تو ایسا محسوس ہوا کہ بہت کارآمد و قیمتی مواد فراہم ہو گیا ہے، جو اپنی جگہ پر مفید اور ضروری ہے جس طرح بعض گوشوں سے اختصار کا مشورہ دیا گیا ہے، اسی طرح بعض اہل خلوص و اہل طلبہ تفصیل کا مطالبہ کیا ہے، اور بہت اصرار سے کہا ہے کہ اس باب میں قطعاً اختصار سے کام نہ لیا جائے، بالآخر طبیعت نے یہ فیصلہ کیا کہ اس حصہ کو یوں ہی رہنے دیا جائے اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کو قلمزدنہ کیا جائے کہ علمی کام روز بروز نہیں ہوتے، اور طبیعت کے نشاط و انبساط، فرصت کے لمحات اور قلم کی روانی کا کچھ بھروسہ نہیں، کتاب کے مرتب ہو جانے کے بعد اپنے اپنے ذوق کے مطابق لوگ خود انتخاب و تلخیص کا کام کر سکتے ہیں۔

اس دوسری جلد کی اشاعت کے موقع پر اس کی حسرت اور دلی قلق ہے کہ فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مولانا شاہ حلیم عطا موجود نہیں جو اس سلسلہ کے سب سے بڑے قدر دان اور مؤید تھے، پہلی جلد شائع ہوئی تو سب سے زیادہ مسرت کا اظہار مولانا گیلانی نے فرمایا، کتاب کا لفظ لفظ ذوق و شوق سے پڑھا اور بڑے جوش و اثر کا خط لکھا، مرحوم اگرچہ (ہمارے علم میں) شیخ اکبر کے علوم کے ہندوستان میں بہت بڑے عارف و حامل تھے، لیکن بایں ہمہ شیخ الاسلام کی امامت و عظمت کے قائل، ان کے بڑے مرتبہ شناس اور ان کی تصنیفات کے بڑے شائق تھے، یقین ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس حصہ کی اشاعت سے ان کو بڑی مسرت ہوتی۔

مولانا شاہ حلیم عطا نے زندگی گوشتہ گمنامی میں گزاری اور اہل علم نے بھی ان کو بہت کم جانا، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس تحتی بڑا عظیم (ہندوستان و پاکستان) میں شیخ الاسلام اور ان کے تلامذہ کے علوم پر ان سے زیادہ کسی کو عبور نہ تھا، وہ ان کی تصنیفات و تحقیقات کا ایک زندہ دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تھے، اگرچہ پہلی جلد بھی ان کی رہنمائی و اعانت سے محروم نہیں رہی، لیکن اس دوسری جلد میں تو ان کی وسیع

معلومات ان کا قوی حافظہ اور ان کا قیمتی کتب خانہ مصنف کا مشیور رفیق رہا ہے، اور اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں ان کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ شکر و اعتراف بے بند بند لفظ اس کے لئے کفایت نہیں کرتے اس دور آخر میں یہ دونوں بزرگ علماء سلف کے علمی شغف و انہماک، وسعت نظر، ذوق مطالعہ اور علمی فنائیت کی یادگار تھے "غفر اللہ لہما و درجہ اتھما"

قدیم مآخذ کے علاوہ اس حصہ کی تالیف میں مصری فاضل شیخ محمد ابو زہرہ کی کتاب ابن تیمیہ سے بڑی مدد ملی، اس کا اعتراف اور شکر واجب ہے۔

الشرعائے کی ذات سے امید ہے کہ جلد اول کی طرح یہ جلد ثانی بھی ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں میں مقبول ہوگی اور ذوق و شوق سے پڑھی جائے گی۔

ابوالحسن علی

دائرہ شاہ علم الشریعہ رائے بریلی

۷۱ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ

شریعت کے ترجمان اور ایک ہمہ گیر مصلح کی ضرورت

الہیات و عقائد میں فلسفہ و یونانیت اور تکلمین کی عقلی ظاہریت کے خلاف ایک ردِ عمل وہ تھا، جس کے علمبرار مولانا جلال الدین رومی تھے، یہ ایک خام سطحی عقلیت کے مقابلہ میں ایک بلند تر عقلیت اور پختہ تر فکر و نظر کا مظاہرہ تھا، اور ایک نئے علم کلام کا افتتاح جس کی بنیاد قلب و نظر کی بلندی و پاکیزگی اور متکلم کے ذاتی تجربہ پر تھی، مولانا روم اپنے وقت کے ایک متبحر عالم اور کہنہ مشق متکلم تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے عارفِ قلب اور عاشقِ طبیعت عطا فرمائی تھی، فلاسفہ کی سخن سازیوں اور تکلمین کی موٹو گافیوں سے ان کی طبیعت سرد اور سبزرار ہو چکی تھی، ایک صاحبِ یقین اور صاحبِ عشق کی صحبت اور ریاضت و مجاہدہ نے ان کو اس مقام تک پہنچا دیا، جہاں سے ان کو علم کلام کی ان معرکہ آرائیوں میں حقیقت کم، اور ذہانت و خطابت زیادہ نظر آئی، اس مقام پر پہنچ کر انھوں نے دینی حقائق کو اپنی زبان میں بیان کیا، اور ان کے ثبوت کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو حقیقت سے زیادہ قریب اور وجدان و تجربہ پر مبنی تھا۔

لیکن فلسفہ کی اس سرکشی اور علم کلام کی اس بے اعتدالی کے خلاف ایک ردِ عمل اور بھی ضروری تھا، جو سابق الذکر ردِ عمل کے مقابلہ میں کچھ کم حق بجانب نہ تھا، فلسفہ (الہیات) اور علم کلام کا موضوع بحث اللہ کی ذات و صفات کے مسائل تھے، شریعت اسلام نے عقائد کے بارے میں انسان کو تارکی میں

نہیں چھوڑا، بلکہ چونکہ یہ شعبہ پوری زندگی، اعمال و اخلاق اور صحیح تمدن و معاشرہ کی بنیاد ہے، اس لئے اس نے تمام مذاہب سابقہ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ایسی واضح، عام فہم اور فیصلہ کن تعلیم دی، جس کے بعد اس سلسلہ میں کسی محنت در دوسری اور کسی قیاس آرائی کی ضرورت نہیں تھی، اس علم یقین کا سرچشمہ اور ماخذ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے انھوں نے جو کچھ کہہ دیا اور جتنا کہہ دیا، وہ حرفِ آخر ہے کہ وہی اس وراء الوریاء، ہستی اور اس کے ناقابلِ قیاس و بے مثال صفات کے عارف ہیں، فلسفہ کو اس موضوع پر گفتگو کرنے اور فریق بننے کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو اس علم کے مبادی اولیہ بھی حاصل نہ تھے، اور نہ وہ معلومات جن کو ترتیب سے کروہ مہول تک پہنچا کرتا ہے، نہ یہاں کسی تجربہ اور تحلیل و تجزیہ کی گنجائش تھی اور نہ اہل فلسفہ میں اس کی صلاحیت لیکن فلسفہ نے اپنے حدود سے تجاوز کیا، اور اس موضوع میں نہ صرف دخل دیا، بلکہ اس کے مسائل و جزئیات میں اس وثوق و حکم اور اس تفصیل و تدقیق سے بحث کی اور اس تحلیل و تجزیہ سے کام لینا شروع کیا جو صرف ایک کیمیاوی محل میں انجام دیا جاسکتا ہے۔

فلسفہ کے مقابلہ اور مذہب کی حمایت کے لئے علم کلام وجود میں آیا اور ایسا ہونا ضروری تھا، لیکن اس میں رفتہ رفتہ خود فلسفہ کی روح گھس گئی، اور وہ ایک مذہبی فلسفہ بن کر رہ گیا، وہی اس کا موضوع، وہی طریق بحث و استدلال اور وہی بنیادی غلطی کہ ذات و صفات الہی اور مادیات عقلی مسائل کو عقل سے ثابت کیا جاسکتا ہے، وہی انبیاء علیہم السلام کی تعبیرات و تشریحات پر عدم قناعت، وہی محدود ناقص اور غلط فہمی پیدا کرنے والے یونانی اصطلاحات کا استعمال، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسائل سلجھنے اور بات مختصر ہونے کے بجائے زیادہ پیچیدگی اور طوالت پیدا ہوتی چلی گئی، اور ذات و صفات کے نہایت سادہ ہوئے اور دل آویز بیان کے متوازی جس میں دلوں میں ایمان و اذعان پیدا کرنے اور ہر زمانہ کے دماغوں کو تسکین دینے کی پوری صلاحیت تھی، اور وہ کتاب و سنت کے نصوص پر مبنی تھا، ایک طویل پر پیچ فلسفہ الہیات اور ایک ضخیم "شرح عقائد" تیار ہو گئی، جس پر باوجود فلسفہ یونان کے حریف و مقابل ہونے کے یونانی فکر

کا اچھا خاصا اثر پڑ چکا تھا، اس صورت حال کے خلاف کتاب سنت کی روح ہمیشہ احتجاج کرتی رہی، امت کا ایک اچھا خاصا گروہ ان فلسفیانہ تفصیلات اور متکلمانہ تاویلات کا مخالف رہا لیکن کتاب سنت کی صحیح و مؤثر ترجمانی کے لئے ایک ایسے قوی الایمان و وسیع العلم اور دقیق النظر عالم کی ضرورت تھی جو علی وجہ البصیرۃ اس پر ایمان راسخ رکھتا ہو کہ کتاب سنت کے نصوص اور ذات و صفات کے بارے میں اس کے بیانات و تعبیرات بالکل کافی و شافی ہیں، جو اپنی ذہانت و مطالعہ سے فلسفہ کے رگ و ریشہ سے واقف ہو چکا ہو، حکمائے یونان کے اقوال و خیالات اور ان کے مذاہب فکریہ کی علمی تنقید کر سکتا ہو اور ان کی بنیاد کمزوریوں سے واقف ہو، جو اپنے غور و فکر سے علم کلام کی تک پہنچ چکا ہو، مذاہب فرق اسلامیہ کے دقیق اختلافات سے واقف ہو، علم کلام کی پوری تاریخ اور اس کے ارتقاء پر اس کی نظر ہو، اور اس پورے مطالعہ و تجربہ سے اس کے اندر کتاب سنت کے نصوص اور مسلک سلف پر حد درجہ کا وثوق و اعتماد اور اس کی حمایت و ترجمانی کا جوش اور غم پیدا ہو چکا ہو اور وہ عقلی حیثیت سے بھی اس کی ترویج اور اس کی برتری ثابت کرنے کے لئے بے چین ہو، پھر اس نازک و عظیم الشان کام کے لئے اس کے پاس وہ تمام وسائل و صلاحیتیں ہوں جو اتنے بڑے کام کے لئے درکار ہیں، وہ اپنی ذکاوت، قوت استدلال، قوت بیانیہ، وسعت نظر، کثرت مطالعہ میں بھی ممتاز اور اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہو، اور ہر طرح سے اس خدمت کا اہل ہو۔

دوسری طرف اسلام اندرونی اور بیرونی حملوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا، عیسائیوں میں اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے اور اسلام پر اعتراضات کرنے کی نئی تحریک پیدا ہوئی تھی، صلیبیوں کے پے درپے حملوں اور شام و فلسطین و قبرص میں مغربی النسل عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی نے ان میں اس کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے علمی مقابلہ کریں، نبوت محمدی پر اعتراضات اور اپنے مذہب کی ترویج پر کتابیں تصنیف کریں، اس کا جواب دینے کے لئے بھی ایک ایسے عالم و تکلم کی ضرورت تھی جو بحیثیت اور دوسرے مذاہب کا وسیع اور گہرا مطالعہ کر چکا ہو، صحف سماوی اور ان کی تبدیلیوں اور تحریفیات پر

پوری نظر رکھتا ہو، مذاہب کے تقابل و موازنہ کا کام بڑی خوبی سے انجام دے سکتا ہو اور اسلام کی صداقت و برتری کو طاقتور و مؤثر علمی انداز میں ثابت کر سکتا ہو، اور حکمت و قوت کے ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دے سکتا ہو۔

ان عیسائی مناظرین و مصنفین کے حملہ سے زیادہ خطرناک حملہ ایک نام نہاد اسلامی فرقہ "باطنیہ" کا تھا، جن کا مذہب و جن کی تعلیمات مجوسی عقائد و افلاطونی تصورات اور خطرناک سیاسی اغراض کا عجیب و غریب مجموعہ تھا، یہ اور اس کی مختلف شاخیں (اسماعیلی، حشاشی، دروزی، نصیری) مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم طاقتوں اور بیرونی حملہ آوروں کی ہمیشہ مدد کرتے رہے، اور اکثر اوقات ان ہی کی تحریک سازش سے اسلامی ملکوں پر بیرونی حملے ہوئے، شام و فلسطین پر صلیبی حملوں کے موقع پر انھوں نے صلیبیوں کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب صلیبیوں کا شام پر تسلط ہوا تو انھوں نے ان باطنی فرقوں کے لوگوں کو اپنا معتد و مقرب بنایا، اور ان کو ان کی مدد کا صلہ دیا، زندگی اور ایوبی دور سلطنت میں یہ ہمیشہ سازشوں اور بغاوتوں میں مشغول رہے، آٹھویں صدی میں جب تاتاریوں نے شام پر حملہ کیا تو انھوں نے کھل کر تاتاریوں کا ساتھ دیا، اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا، اس کے علاوہ وہ مسلمانوں میں ہمیشہ ذہنی انتشار دین سے بے اعتمادی اور بغاوت پھیلانے اور اتحاد بے دینی کی اشاعت میں نہمک رہتے تھے، اور مسلمانوں کے دینی قلعہ میں غنیم کے جاسوسوں کا کام کرتے تھے، اس سب کا تقاضا تھا کہ اس فرقہ پر علمی و عملی حیثیت سے کاری ضرب لگائی جائے، اس کے عقائد و اغراض کو بے نقاب کیا جائے، مسلمانوں کو ان کی طرف سے خبردار کر دیا جائے، اور ان کی دشمنی اسلام کارروائیوں پر ان کو قرار واقعی سزا دی جائے، یہ کام بھی وہی انجام دے سکتا تھا، جو اس فرقہ کی حقیقت و اسرار اور اس کے ماضی و حال اور اس کی تمام شاخوں اور اس کے تمام فرقوں کے عقائد و خیالات سے واقف ہو، ان کی علمی تنقید و تردید پر پوری قدرت رکھتا ہو، اس کے سینہ میں حمیت اسلامی کا جوش اور ان دشمنان اسلام کے خلاف جذبہ جہاد کا فرما ہو۔

اس سب کے علاوہ غیر مسلموں کے اختلاف، عجی اثرات اور علماء کے تساہل و غفلت سے عوام میں مشرکانہ عقائد و اعمال پھیلے ہوئے تھے، توحید و دینِ خالص پر پردے پڑتے چلے جا رہے تھے، اولیاء اللہ و صالحین کے بارہ میں یہود و نصاریٰ کا سا غلو پیدا ہوتا جا رہا تھا، وساطت اور تقرب بالاولیاء کا عقیدہ راسخ اور مآخذ ہُمُ الْاَلِیْقَرُّنَا اِلٰی اللّٰهِ رَفَعُوْا کا جاہلی خیال مسلمانوں میں بھر رہا تھا، غیر اللہ کی دہائی دینے اور استغاثہ بغیر اللہ تک میں بہت سے علماء تک کو کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی، انبیاء و صالحین کی قبور کے پاس وہ سب کچھ ہونے لگا تھا جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا، اور جس پوری شدت سے آپ نے منع کیا تھا، مسلمان غیر مسلموں اور ذمیوں کے شعائر و خصوصیات اختیار کرنے اور ان کے مذہبی تہواروں اور میلوں میں شرکت اور ان کے رسوم و عادات اختیار کرنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے تھے، اس مشرکانہ جاہلیت کے خلاف جہاد کرنے اور توحید خالص کی طرف پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ دعوت دینے کے لئے ایک ایسے مجاہد عالم کی ضرورت تھی جس کا ذہن توحید و شرک کے فرق کو خوب سمجھتا ہو، جو جاہلیت کو اس کے تمام لباسوں اور مظاہر میں پہچان سکتا ہو جس نے توحید کی حقیقت کو متاخرین کی کتابوں، جاہل مسلمانوں کے تعامل اور زمانہ کے رسم و رواج کے بجائے براہِ راست کتابِ سنت اور صحابہ کرام کے عمل سے سمجھا ہو، جو عقیدہ صحیح کے اعلان و اظہار میں حکومتوں کی مخالفت، اہل زمانہ کی عداوت، علماء کے اختلاف اور کسی طرح کی بومہ لائم کی پرواہ نہ کرتا ہو، جو کتابِ سنت اور دین کے مستند اور اولین مآخذ اور قرونِ اولیٰ کے حالات پر غائر نظر اور کامل عبور رکھتا ہو، جو یہود و نصاریٰ کے انحراف ان کے مسخ و تحریف کی تاریخ، اور جاہلی قوموں کے ذہن و نفسیات پورے طور پر واقف ہو، اور جو مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم اور صدر اول کے عقیدہ و عمل پر واپس لانے اور ان کو صحابہ کرام اور ان کے جانشینوں کی روش اور مسلک پر دیکھنے کے لئے بے چین ہو۔

لے ترجمہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پیش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔ (الامر ۳)

اہل تصوف کے گروہ میں (مختلف تاریخی و علمی اسباب کی بنا پر) یونانی و ہندوستانی فلسفہ، اشراقیت کے اثرات خیل ہو گئے تھے، اور اسلامی عقائد و افکار کے ساتھ اس طرح خیر و شر ہو گئے تھے کہ ان کا سرشار لگانا مشکل تھا، افلاطونیت جدیدہ کی اشراقیت یا ہندوستان کا جوگ، حلول و اتحاد کا عقیدہ، وحدۃ الوجود کا مسلک، ظاہر و باطن کی سرحد بندی، رموز و اسرار اور علوم سینہ کا فتنہ، کاملین و اصلیین سے نکالینے شرعیہ کا سقوط اور احکام شریعت سے استثناء، یہ سب وہ عقائد و خیالات تھے، جو اہل تصوف کے ایک بڑے حلقہ میں مقبول و مسلم تھے، اگرچہ ہر زمانہ کے محققین و راہنما ان عقائد فاسدہ کی تردید و انکار کرتے رہے، مگر تصوف کے ایک بڑے حلقہ کو اس پر اب بھی اصرار تھا، تصوف کی بعض شاخیں اور سلسلے شعبہ بازی اور نظربندی کی نیچی سطح تک آئے تھے، ساتویں و آٹھویں صدی میں رفاہی سلسلہ اس بارہ میں خاص طور پر پیش پیش تھا، عوام اور بہت سے خواص ان مغالطوں کا شکار تھے، اس خطرہ کے سد باب اور شریعت کی حفاظت کے لئے بھی ایک صاحبِ یقین اور جری مصلح کی ضرورت تھی، جو اس گروہ کی شوکت و دبیرہ اور اس کے معتقدین و متوسلین کی تعداد و طاقت سے بے پروا و بے خوف ہو کر ان پر آزادانہ و دلیرانہ تنقید کرے اور ان کی غلطیوں اور مغالطوں کا پردہ چاک کرے۔

علمی و دینی حلقوں میں صدیوں سے ایک ایسا جمود طاری تھا کہ اپنے گروہ کے فقہی دائرہ سے سرِ موقوم نکالنا جرم سمجھا جاتا تھا، قرآن و حدیث کو ان فقہی مسلکوں اور اپنے گروہ کے عمل کی عینک سے دیکھنے کا عام رواج تھا، فقہی اختلافات میں قرآن و حدیث کو حکم بنانے کے بجائے قرآن و حدیث کو ہر حال میں ان کے مطابق کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، ترجیح و اختیارات فقہیہ کا دروازہ بھی عملاً بند تھا، زمانہ اور حالات کے تغیر کے ساتھ بہت سے نئے مسائل درپیش تھے جن میں فتویٰ دینے کے لئے اسلام کے پورے فقہی ذخیرہ پر وسیع نظر، کتابِ سنت پر عبور، قرونِ اولیٰ کے تعامل پر اطلاع اور

اصول فقہ سے گہری واقفیت کی ضرورت تھی، لیکن عرصہ سے علم و نظر اور مطالعہ محدود ہوتا چلا جا رہا تھا، قوائے فکر یہ مضحل ہو رہے تھے، اور کوئی عالم نئے مسائل کے استنباط کی جرأت نہیں کر رہا تھا، اسلامی قانون اور فقہ اپنا نمونہ اور ارتقاء کی صلاحیت کھو چکے تھے اور قدیم فقہی ذخیرہ میں اضافہ ناممکن سمجھا جانے لگا تھا، اس صورت حال کی اصلاح کے لئے بھی ایک ایسے محدث و فقیہ اور اصولی کی ضرورت تھی جو پورے اسلامی کتب خانہ اور اس کے علمی ذخیرہ کا جائزہ لے چکا ہو، قرآن و حدیث کا اس کو ایسا استحضار ہو کہ لوگ انگشت بند رہ جاتے ہوں، حدیث کی اقسام اور اس کے مراتب اور اس کے مجموعوں پر اس کی ایسی نظر ہو کہ کہنے والے کہیں کہ جس حدیث کو یہ شخص نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں، فقہاء کے اختلافات و ان کے مآخذ و دلائل اس کو ہر وقت متحضر رہیں، اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذاہب اور ان کی جزئیات سے وہ ان مذاہب کے اہل درس و اہل فتویٰ سے زیادہ باخبر ہو، قوت استنباط اور ذاتی تحقیق کے ساتھ سلف کے دائرہ میں محدود اور ائمہ مجتہدین کا مرتبہ شناس اور ان کا خوشہ چیں ہو، لغت میں محقق اور زبان کے معاملہ میں نقاد اور متبحر ہو، نحو میں اس کو یہ درجہ حاصل ہو کہ ائمہ فن و مصنفین نحو کی بے تکلف غلطیاں نکالتا ہو، اس کا حافظہ مخزن اولین کی یاد تازہ کرتا ہو، اس کی ذکاوت قدرت خداوندی کی ایک نشانی، اس کا علم فیاض ازل کی فیاضی کی ایک دلیل، اس کی ذات امت اسلامیہ کی مردم خیزی، درخت اسلام کی شادابی اور علوم اسلامیہ کی زندگی اور تازگی کا ثبوت ہو، اور اس حدیث کی تصدیق کہ۔

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے کہ نہیں کہا جاسکتا

خیرام الخیر لہ کہ اس کا ابتدائی حصہ زیادہ بہتر و بابرکت ہے کہ آخری حصہ

اس کے ساتھ وہ زندگی کے علمی میدان کا بھی شہسوار ہو، صاحب قلم بھی ہو اور صاحب سیف بھی، سلاطین وقت کے سامنے کلمہ حق کہنے سے اس کو باک نہ ہو، اور تازی جیسے خونخوار دشمن کے مقابلہ میں

لے ترمذی عن انس بن مالک۔

شکر اسلام کی قیادت کرنے سے اس کو عذر نہ ہو، درس کے حلقوں، کتب خانہ کے گوشوں، مسجد کی خلوتوں، مناظرہ کی مجلسوں سے لے کر جیل خانہ کی کال کو ٹھہری اور میدان کارزار تک اس کی یکساں پرواز اور فاتحانہ ترک تازہ ہو، اور ہر جگہ اس کی ذات محترم اور اس کی امامت مسلم ہو۔

آٹھویں صدی کے لئے ایک ایسے ہی مردِ کامل کی ضرورت تھی، جو زندگی کے تمام میدانوں کا مجاہد ہو، اور جس کی جدوجہد اور اصلاحات کسی ایک شعبہ میں محدود نہ ہوں، یہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ذات تھی جس نے عالم اسلام میں ایک ایسی علمی و عملی حرکت اور زندگی پیدا کر دی جس کے اثرات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی قائم ہیں۔

ابن تیمیہ کا زمانہ

ابن تیمیہ کا زمانہ بڑا پُر آشوب اور پُر زواقات ہے، سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، علمی اور دینی حیثیت سے یہ دور خاص اہمیت رکھتا ہے، ابن تیمیہ کی اصلاحی جدوجہد اور ان کے علمی و اصلاحی مزاج کو سمجھنے کے لئے اس ماحول کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، جس میں ان کا نشوونما ہوا، اور جس میں انھوں نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام انجام دیا۔

ابن تیمیہ بغداد کی تنہا ہی کے پانچ برس بعد اور حلب اور دمشق میں تاتاریوں کے داخلہ کے کل تین برس بعد پیدا ہوئے، اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ انھوں نے جب ہوش سنبھالا ہو گا تو ان اسلامی شہروں کی تنہا ہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی داستانیں اور تاتاریوں کے دہشت انگیز اور وحشیانہ مظالم کے واقعات بچہ بچہ کی زبان پر ہوں گے، اور اس کے چشم دید گواہ ہر جگہ موجود ہوں گے، وہ جب سات سال کے تھے تو خود ان کے وطن حران پر تاتاریوں کے مقبوضہ علاقہ (عراق) کے شمال اور دجلہ و فرات کے دو آبے میں واقع ہے، تاتاریوں کا حملہ ہوا، اور بہت سے خاندانوں اور گھرانوں کی طرح ان خاندان بھی

تاتاریوں کے مظالم اور وحشیانہ سلوک سے بچنے کے لئے دمشق کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں ہر جگہ تاتاریوں کی دہشت پھیلی ہوئی تھی اس دہشت و پریشانی، بے امنی اور بے نظمی کی یاد ان کے غیر معمولی حافظہ سے کبھی محو نہیں ہوئی ہوگی، بڑے ہو کر انھوں نے اس تنہا ہی و بربادی کے آثار و نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں گے اور خود ان لوگوں کی زبان سے اس کی دردناک تفصیل سنی ہوگی، جنھوں نے یہ سارے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے، اس لئے قدرتی طور پر ان کی حساس اور غریب طبیعت مسلمانوں کی اس بے بسی اور رسوائی سے متاثر ہوئی ہوگی اور ان غارتگروں کے خلاف ان کے دل میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوا ہوگا۔

اسی کے ساتھ عین جاووت میں مسلمانوں کی شاندار فتح کا واقعہ ان کی ولادت سے صرف تین سال پہلے پیش آیا تھا، نیز الملک لظاہر سیرس کی فتوحات ان کے بچپن کی باتیں تھیں اور مجلسیان کے تذکرہ سے گرم تھیں، اس سبب ان کے قلب کو سکون اور تقویت حاصل ہوئی ہوگی اور ان واقعات سے ان کا حوصلہ بلند ہو گیا ہوگا۔

مصر کے مملوک سلاطین

مصر و شام پر ابن تیمیہ کی ولادت سے ۱۳ برس پہلے سے مالیک (خاندان غلامان) کی حکومت تھی، یہ سلطان صلاح الدین کے خاندان کے آخری بادشاہ الملک الصالح نجم الدین ایوب (م ۶۴۴ھ) کے ترک غلام تھے جن کو سلطان نے ان کی وفاداری اور بہادری کا تجربہ کرنے کے بعد مصر میں آباد کیا تھا، اور بحریہ کے لقب سے مشہور ہیں، ان میں ایک فرد عز الدین ایبک الترمکمانی نے ۶۴۴ھ میں الملک الصالح کے جانشین توران شاہ کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا، اور الملک المعز کا لقب اختیار کیا۔

لے ان کی قیام گاہ دریائے نیل کے کنارہ واقع تھی اس لئے بحریہ مشہور ہو گئے، مصر میں اب بھی دریائے نیل کو بے تکلف بھر کہتے ہیں۔

۶۵۵ھ میں وہ قتل ہوا، اور اس کا بیٹا نور الدین علی جانشین ہوا، ۶۵۵ھ میں عز الدین ایبک کے غلام سیف الدین قطز نے جو حکومت کا ناظم اعلیٰ تھا، تخت پر قبضہ کیا، یہ وہی سلطان ہے جس نے تاتاریوں کو پہلی مرتبہ شکست فاش دی، اگلے ہی سال (۶۵۵ھ میں) الملک الصالح نجم الدین ایوب کے دوسرے غلام رکن الدین سیرس نے سیف الدین قطز کو قتل کر کے عنان مملکت اپنے ہاتھ میں لی اور الملک لظاہر لقب اختیار کیا، اور ۸ سال تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی، اور تاتاریوں اور صلیبیوں پر پے در پے فتوحات حاصل کیں۔

امام ابن تیمیہ کی ولادت ہوئی تو مصر و شام پر ظاہر سیرس ہی کی حکومت تھی، ان کا بچپن اسی کی حکومت میں گذرا، اس کا انتقال ہوا تو ان کی عمر سیدہ سال کی تھی اور وہ جوان تھے، الملک لظاہر سیرس سلطان صلاح الدین کے بعد پہلا طاقتور مسلمان بادشاہ تھا جس نے جہاد کی طرف پوری توجہ کی اور دشمنان اسلام کو پے در پے شکستیں دیں، ابن کثیر سلطان کے متعلق لکھتے ہیں:-

”سیرس بیدار مغز، بلند حوصلہ، بہادر بادشاہ تھا، دشمنوں سے کسی وقت غافل نہیں ہوتا تھا، برابری کے مقابلہ میں صفت آرا اور کمر بستہ رہتا تھا، اس نے اسلام کی پراگندگی دور کی اور مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کو جمع کیا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس اخیر زمانہ میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد اور تقویت کے لئے مقرر کیا تھا، فرنگی، تاتاری اور مشرکین کی نظر میں وہ کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، اس نے شراب کی بندش کی، فاسقوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو ملک بدر کیا، وہ جس خرابی اور فساد کو دیکھتا، اس کو دور کئے بغیر چین نہ لیتا۔“

ظاہر سیرس کی سلطنت بہت وسیع اور منظم تھی، مشرق میں دریائے فرات تک اور جنوب میں سوڈان کے آخری حصہ تک اس کے حدود پہنچ گئے تھے، مصر اس سلطنت کا مرکز اور قاہرہ اس کا

صدر مقام تھا، جو سلطان اور خلیفہ عباسی کے قیام کی وجہ سے اس وقت کی دنیا سے اسلام کا بانی علمی اور تمدنی مرکز بن گیا تھا، بیسیرس نے بکثرت مدارس قائم کئے، دور دور سے علماء و اہل کمال قاہرہ میں جمع ہو گئے۔ بیسیرس اپنی ذاتی صلاحیت اسلامی جذبات اور جوش جہاد کے ساتھ بہر حال ایک مطلق العنان فرمانروا تھا، اس لئے اس میں مطلق العنان بادشاہوں کی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں، اس کی تاریخ جہاد مجاہدانہ کارناموں اور اسلامی خدمات سے روشن ہے، وہاں شخصی سلطنت کی خصوصیت استبداد، ضد اور اصرار کے واقعات سے بھی داغدار ہے، اس سلسلہ کا ایک فسوسناک واقعہ وہ ہے جو امام نووی کے ساتھ پیش آیا۔

بیسیرس کی ۱۸ سالہ منظم و مستحکم حکومت کے بعد بہت جلد مصر و شام کے تخت حکومت پر سلاطین آئے اور گئے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۶۷۷ھ سے لے کر (جس سال بیسیرس نے انتقال کیا ہے) ۶۹۷ھ تک کل ۳۳ سال کی مدت میں ۹ بادشاہ مصر کے تخت پر بیٹھے، اس ۳۳ سال کی مدت میں مصر و شام و حجاز کی اسلامی حکومت کو صرف ایک طاقت ور نظم اور مجاہد سلطان نصیب ہوا جس کا نام الملک المنصور سیف الدین قلاوون ہے جس نے ۶۷۷ھ میں تاتاریوں پر حملہ کیا، اور سخت شکست دی، اور طرابلس کو جو ۱۸۵ سال سے صلیبیوں کے قبضہ میں تھا، فتح کیا، اس نے ۶۷۷ھ سے ۶۸۹ھ تک ۱۲ سال بڑی شان سے حکومت کی منصور قلاوون کے بعد مصر کا تخت بادشاہوں اور بادشاہ گروں کا پھر کھیل بن گیا، بالآخر ۶۸۹ھ میں منصور قلاوون کے بیٹے الملک الناصر محمد بن قلاوون نے تیسری مرتبہ عنان مملکت ہاتھ میں لی، اے خلیفہ مستعصم کی شہادت کے بعد مسلمان تین سال تک بغیر کسی خلیفہ کے رہے مگر تین نئے سال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دخلت سنة والمسلمون بالخليفة“ بالآخر سلطان ظاہر بیسیرس نے ۶۷۷ھ میں خاندان عباسی کے ایک فرد منصور بالترک الواقام احمد بن امیر المومنین الظاہر کے ہاتھ پر بیعت کی، اور مصر خلافت کا مرکز قرار پایا، لیکن یہ خلافت برائے نام اور تبرکاً تھی، اصل حکمران اور فرمان روا خود سلطان تھا۔ اے ملاحظہ ہو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ترجمہ امام نووی۔

اور ۳۲ سال تک سلطنت کو استقرار حاصل رہا، الملک الناصر بنی امیہ کا اصل معاصر ہے جس سے ان کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا تعلق ہے، وہ بڑی حد تک ظاہر بیسیرس کا جانشین اور بہت سی صفات میں اس کا نمونہ اور اپنے والد نامدار منصور قلاوون کی یادگار تھا، اس کے زمانہ میں پھر اسلامی سلطنت میں وحدت اور طاقت پیدا ہوئی، اس نے اپنے نامور پیشرو کی طرح تاتاریوں پر شاندار فتح حاصل کی اور اسلامی حکومت کی دھاک بٹھادی۔

اس پورے عرصہ میں عراق، ایران و خراسان بدستور تاتاریوں کے قبضہ میں رہے اور بغداد اس وقت تک مسلمانوں کو واپس نہیں ملا، جب تک کہ اس کے حکمران (تاتاری) خود مسلمان نہیں ہو گئے، مصر کے عباسی خلیفہ نے خود فوج کشی کی، اور سلطان ظاہر بیسیرس نے بار بار ارادہ کیا، مگر کامیابی نہیں ہوئی سلاطین مالیک کے قبضہ و انتظام میں صرف مصر، سوڈان، شام اور حجاز تھے۔

نظام سلطنت

ملوک سلاطین کی سلطنت کا سرکاری مذہب گرجہ اسلام تھا، اور سلطان اور اعیان سلطنت اسلام سے محبت کرتے تھے، اور دین کی حمیت رکھتے تھے، قضاۃ و ائمہ، شیخ الاسلام اور دینی عہدیداروں کا باقاعدہ تقرر ہوتا تھا، احتساب کا محکمہ قائم تھا، قاضی کے فیصلے واجب التعمیل تھے، مدارس میں آزاد دینی تعلیم ہوتی تھی، لیکن سارے نظام سلطنت میں اصل کار فرما ذات سلطان اور اس کے معتد وزراء اور ارکان سلطنت کی تھی، اور انہی کا فیصلہ اور دلی منشاء سلطنت کا اصل قانون تھا، اسلامی قوانین کے نفاذ کا رقبہ ان کی وسیع سلطنت میں بہر حال محدود تھا، نظام حکومت تقریباً فوجی و عسکری طرز کا تھا، جس کا نہ تو کوئی تدوین و مرتب دستور تھا، نہ کوئی مقررہ معین نظام، نہ کوئی مجلس شوریٰ تھی۔

ظاہر بیسیرس اور اس کے جانشین سلاطین اس کی کوشش ضرور کرتے تھے کہ ان کی سلطنت کے

قوانین و احکام اور ان کی کارروائیوں کو علمائے وقت کی تصدیق و تائید حاصل ہوا اور وہ حتی الامکان ان کی رضامندی اور مشورہ سے کام کریں، ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر علماء نے کسی نئے اقدام یا قانون کی سختی سے مخالفت کی ہے تو اس کو ملتوی کر دیا گیا ہے، خود ظاہر سیرس نے مصر و شام میں زمینداروں کی زمینیں اور جاگیریں بحق حکومت ضبط کرنی چاہیں، امام نوویؒ نے اس کی سختی سے مخالفت کی، سیرس نے اگرچہ اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، اور امام نوویؒ کو اس کی وجہ سے دمشق چھوڑ کر چلا جانا پڑا، لیکن اس کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ زمینوں کی وہ صورت حال باقی رہی، اور سیرس نے اس میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

یہ نظام سلطنت موروثی بنیادوں پر قائم تھا، لیکن عملاً اس کے خلاف ہو رہا تھا، مگر یہ بھی کسی اسلامی بنیاد پر نہیں تھا، اور نہ اس لئے کہ اسلام کی روح اور اس کی مستند روایات کا تقاضا ہے کہ امیر ذاتی صلاحیت سے متصف ہو، اور اس کو امت کا اعتماد حاصل ہو، بلکہ اس لئے کہ خاندان غلامان (مالک) کی بنیاد ہی ذاتی جدوجہد شخصی حوصلہ مندی اور کارکردگی پر مبنی تھی، اور اس سلطنت کا یہ مزاج بن گیا تھا کہ جو زیادہ طاقتور اور دلیر ہو وہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے، سلطنت الیوبیہ کے غلاموں نے اپنی ذاتی کوشش اور ہمت سے اپنے آقاؤں کی سلطنت پر قبضہ کیا تھا، یہ سلسلہ اخیر تک جاری رہا، ان میں سے ہر ایک اپنے بیٹے کو جانشین بنانے کی کوشش کرتا رہا، مگر اس کے غلاموں میں جو زیادہ جری اور حوصلہ مند ہوتا، وہ اس کو ہٹا کر خود تخت سلطنت پر بیٹھ جاتا، تخت و تاج کے ان امکانات نے حوصلہ مندوں میں قسمت آزمائی کا شوق پیدا کر دیا تھا، اور اس کے حصول کے لئے اکثر ترش کشی اور زور آزمائی ہوتی رہتی، اسی عرصہ میں اگر تاتاریوں یا فرنگیوں کا حملہ ہوتا تو وہ اکثر متحد ہو جاتے۔

ملک کی اجتماعی و اخلاقی حالت

یہ ترکی النسل حکمران طبقہ اپنی برتری کا احساس رکھتا تھا، اور ہر چیز میں عام شہری آبادی سے

ممتاز رہتا تھا، اس کی زبان ترکی تھی، صرف عبادات کے موقع پر علماء سے خطاب کے مواقع پر یا عوام سے گفتگو کرنے میں (جس کی نوبت براہ راست کم آتی تھی) وہ عربی زبان استعمال کرتا تھا، ان میں سے بعض عربی سے اتنی واقفیت رکھتے تھے کہ وہ فرض ادا کر لیں اس کے ساتھ ساتھ وہ علماء کے قدردان، شاگرد و مصلحاء کے معتقد مدارس کے قیام اور مساجد کی تعمیر کے شائق تھے، عہدوں کی تقسیم میں کسی خاص نسل یا طبقہ کی تخصیص نہ تھی، پھر بھی بڑے بڑے انتظامی اور فوجی عہدے قدرتی طور پر ترکی النسل سرداروں کو ملتے تھے، احکام اور بڑے بڑے جاگیردارانہ تاتاری ہوتے تھے، جو کاشتکاروں اور مزدوروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتے، ۱۹۶۷ء میں حسام الدین لاجین نے اپنے عہد حکومت میں اس کی کوشش کی کہ زمینوں کی تقسیم اس طرح ہو کہ مزارعین کو فائدہ ہو اور ان کی حالت درست ہو، اور زراعت و پیداوار کو بھی ترقی ہو، لیکن حکام کو اس کا یہ رویہ پسند نہ آیا، اور انھوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، شہری آبادی کا ایک اہم عنصر تاتاری تھے، سیف الدین قطر ظاہر سیرس اور ناصر الدین قلاوون کی جنگیں تاتاریوں سے ہوئی تھیں، ان میں ہیشمار تاتاری قید ہوئے اور گرفتار ہو کر مصر و شام میں آئے اور وہاں انھوں نے سکونت اختیار کر لی، مقررہ کی کے بیان کے مطابق ظاہر سیرس کے زمانہ میں مصر و شام ان سے بھر گئے، اور ان کے عادات اور رسم و رواج ملک میں پھیل گئے، اور انھوں نے اگرچہ اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن وہ اپنی بہت سی رسوم و عادات پر قائم تھے، اور انھوں نے اپنی قومی خصوصیات کو برقرار رکھا تھا، نو مسلموں کے اسلام کی نظر کلیہً منتقل ہو جانے اور اپنے سابق عقائد و خیالات تہذیبی خصوصیات اور ذہنی اثرات سے بالکل مجرد و کیسو ہو جانے کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ہیں، یہ توصیف کرام کی خصوصیت اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ تھا کہ ان کی زندگی میں اسلام و جاہلیت کی کشمکش بالکل ختم ہو گئی تھی، اور گویا دوبارہ وہ اسلام میں پیدا ہوئے تھے، ایک ایسے زمانہ اور سوسائٹی میں جب اسلامی تعلیم و تربیت کا مکمل نظام قائم نہ ہوا، اور اسلامی معاشرہ میں نو واردوں کو جذب کر لینے اور از سر نو ڈھال لینے کی صلاحیت نہ رہی تھی۔

تاتاریوں اور ترکی النسل عجمیوں کے اسلامی عقائد و عبادات کے سانچے میں ڈھل جانے اور اپنے قدیم عادات و اخلاق سے یکسر آزاد و دستبردار ہو جانے کی توقع صحیح نہیں ہے، چنانچہ ان تاتاری النسل نو مسلموں کی زندگی اسلامی و جاہلی اثرات کا معجون مرکب تھی، مصر کا نامور مورخ مفریزی لکھتا ہے:-

”ان تاتاریوں کی تربیت دارالاسلام میں ہوئی تھی انھوں نے قرآن کی اچھی طرح تعلیم حاصل کی اور اسلام کے احکام و قوانین سیکھے، لیکن ان کی زندگی حق و باطل کا مجموعہ تھی، اس میں اچھی چیزیں بھی تھیں اور بُری بھی، انھوں نے اپنے دینی معاملات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اوقاف، اور یتیمی کے مسائل، زوجین کے اختلافات، قرض خواہوں کے تنازعات وغیرہ، قاضی القضاۃ کے سپرد کر رکھے تھے، اور خود اپنے ذاتی معاملات میں چنگیزی عادات و روایات کے پابند اور ایسا (تاتاری قانون) پر کاربند تھے، انھوں نے اپنے لئے ایک حاکم حاجب کے نام سے مقرر کر رکھا تھا، جو ان کے روزمرہ کے واقعات میں فیصلہ کرے، طاقتور کو نظم و ضبط میں رکھے اور ایسا کے مطابق کمزور کو اس کا حق دلائے، اسی طرح بڑے بڑے تاتاری سوداگروں کے معاملات کا فیصلہ بھی ایسا کے مطابق ہوتا تھا، اور جاگیروں اور جائیدادوں کے معاملات میں اگر اختلاف واقع ہوتا تو اس کا تصفیہ اس قومی قانون کے مطابق ہوتا۔“

ان ترکی النسل عجمیوں اور ان تاتاری نو مسلموں کے عادات و اخلاق، رسم و رواج اور تہذیب و معاشرت حتیٰ کہ عقائد و خیالات کا اثر قدیم عرب اور مسلمان آبادی پر پڑنا لازمی تھا جس طرح صلیبی جنگوں میں یورپ و ایشیا کا اختلاط ہوا تھا اسی طرح تاتاری یورش اور تاتاریوں کے فاتح اور مفتوح بننے کی حالت میں مشرق و مغرب کا اختلاط ہو رہا تھا، یہ اختلاط و اجتماع میدان جنگ کی آویزش سے شروع ہوا تھا، لیکن تہذیبی و فکری و اخلاقی آمیزش پر ختم ہوا، ہر ایک نے دوسرے کو

متاثر کیا اور ہر ایک نے دوسرے کا اثر قبول کیا۔

اس اختلاط و اجتماع نے بہت سے نئے مسائل پیدا کر دیئے، اور ایک نئی تہذیب اور نئی معاشرت وجود میں آئی جس کے متعلق یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ اسلامی تہذیب یا عربی معاشرت ہے، اس صورت حال سے ایک ایسے مصلح اور علم کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو مسلمانوں کی زندگی میں غیر اسلامی اثرات اور جاہلی عادات کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا، اور جو اس کو سترتا سر کتاب سنت کے تابع صدر اول اور خیر القرون کے نقش قدم پر اور۔

أَحْسِنُوا فِي السِّلْمِ كَأَفْئَةٍ
اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔
کی تفسیر دیکھنا چاہتا ہے۔

علمی حالات

اس صدی کے وسط میں علامہ تقی الدین ابو عمرو بن الصلاح (۵۴۴-۶۴۳ھ) شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام (۵۴۸-۶۶۰ھ) اور امام محی الدین النووی (۶۳۱-۶۸۶ھ) جیسے امام فن و وجود تھے، اس صدی کے آخر میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن قیم العید (۶۲۵-۷۰۲ھ) جیسے محدث اور علامہ علماء الدین الباجی (۶۳۱-۷۱۲ھ) جیسے اصولی و متکلم نظر آتے ہیں ابن تیمیہ کے معاصرین میں علامہ جمال الدین ابوالحجاج المزی (۶۵۴-۷۴۲ھ) حافظ علم الدین البرزالی (۶۶۵-۷۳۹ھ) اور علامہ شمس الدین الذہبی (۶۷۳-۷۴۸ھ) جیسے محدث و مؤرخ موجود تھے، جو اپنے زمانہ میں فن حدیث و روایت کے ارکان اربعہ میں شمار ہوتے تھے، اور جن کی کتابوں پر متاخرین کا دار و مدار ہے۔

ان کے علاوہ قاضی القضاۃ کمال الدین ابن الرملکانی (۶۶۴-۷۲۷ھ) قاضی القضاۃ جلال الدین القزوينی (م ۷۳۹ھ) قاضی القضاۃ تقی الدین السبکی (۶۸۳-۷۵۶ھ) اور علامہ ابو الجناح

(۶۵۴-۶۵۵ھ) جیسے کامل الفن اساتذہ اور قوی الاستعداد عالم موجود تھے، جن کا درس مرجع خلافت اور جن کا تبحر شہرہ آفاق تھا۔

علم کی اشاعت ترقی پختی، مصر و شام میں ایویسوں اور مالیک کے قائم کئے ہوئے بڑے بڑے مدرسے اور دارالحدیث تھے جن میں اطراف عالم کے طلبہ علوم دینیہ اور علوم عقلیہ کی تعلیم پاتے تھے، مدارس کے ساتھ اور مستقل طور پر بھی بڑے بڑے کتاب خانے تھے جن میں ہر علم و فن کی نادر کتابیں اور علمی ذخیرہ محفوظ تھا جس سے ہر طالب علم فائدہ اٹھا سکتا تھا، صرف مدرسہ کالمیہ میں (جس کو الکامل محمد الایوبی نے ۱۲۷۰ھ میں قائم کیا تھا) جو کتب خانہ تھا، اس میں ایک لاکھ کتابیں تھیں اسی صدی میں بعض جلیل القدر کتابیں تصنیف ہوئیں جو متاخرین کا مرجع ہیں مثلاً علامہ تقی الدین ابن الصلاح کا "مقدمہ" شیخ عز الدین بن عبد السلام کی "القواعد الکبریٰ" امام نووی کی مجموع (شرح المہذب) اور شرح مسلم، ابن دقیق العید کی کتاب الامام اور احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام، ابوالحجاج المزنی کی تہذیب الکمال اور علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال اور تاریخ الاسلام۔

لیکن چند شخصیتوں اور علمی کارناموں کو مستثنیٰ کر کے اس صدی کے علم اور تصنیف و تالیف میں وسعت زیادہ تھی، عمیق کم تھا غور و فکر و تعمق کے بجائے نقل و اقتباس کا ذوق غالب تھا، مذاہب فقہیہ کے آہنی سانچے بن گئے تھے جن میں یوچ نہیں تھا، یوں کہنے کو تو حق کو مذاہب رابعہ میں دائر مانا جاتا تھا، لیکن علماء ہر مذہب کے پیرو حق کو اپنے مذہب مسلک کے اندر محدود مانتے تھے، بہت رعایت سے کام لیتے تو کہتے کہ۔

رأی امامنا صواب یحتمل الخطاء
ورأی غیرنا خطاء یحتمل الصواب۔

ہمارے امام کے اجتہادات تمام تر درست ہیں ان میں

غلطی کا احتمال ہے اور دوسرے امام کے اجتہادات

نادرست ہیں ان میں صحت کا احتمال ہے۔

ہر مذہب کے پیرو اپنے فقہی مسلک کو تمام مذاہب فقہیہ سے افضل و اعلیٰ مقبول و مؤیدین اللہ سمجھتے تھے ان کی تمام ذہانت، قوت تصنیف، قوت بیانہ اس کی ترجیح اور اس کی فضیلت ثابت کرنے میں صرف ہوتی تھی، تبعین اپنے مذہب کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور جو ذہنیت اہل مذاہب میں کارفرما تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب سلطان الملک لظاہر سیرس نے پچھلے دستور کے برخلاف شافعی قاضی القضاۃ کے علاوہ باقی تینوں مذاہب کے بھی علیحدہ علیحدہ قاضی القضاۃ مقرر کئے تو فقہاء شافعیہ نے اس کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، اس لئے کہ وہ مصر کو شافعی قاضی القضاۃ کے ماتحت ہی دیکھنا چاہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ قدیم روایات اور امام شافعی کا مدفن ہونے کی وجہ سے مصر پر مذہب شافعی ہی کا حق ہے، جب سیرس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، اور اس کے خاندان سے حکومت منتقل ہوئی تو بعض شافعیہ نے اس کو اسی فعل کی سزا اور قدرتی انتقام سمجھا۔

اس فقہی تحریک (گروہ بندی) کے ساتھ کلامی تعصب بھی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، مذاہب اربعہ کے پیرو ایک دوسرے کے معترف اور شاگرد و استاد بھی تھے آپس میں ملتے جلتے بھی تھے، محبت و احترام بھی کرتے تھے، لیکن اشاعرہ و حنابلہ کا اتحاد تقریباً ناممکن تھا، مذاہب میں بحث صرف ارجحیت اولیت کی تھی، یہاں بحث کفر و اسلام کی تھی، ایک کو دوسرے کی گمراہی پر اصرار تھا، عقائد کی بحثوں نے اور کلمات و موضوعات کیوں نے تمام مباحث کو دبایا تھا، اور یہ ذوق ہر ذوق پر غالب تھا، سلطنتوں کو اس سے دھچپی تھی اور عوام و خواص سب اس نشہ میں مبتلا تھے۔

دوسری طرف تصوف بھی عروج پر تھا، اس میں بہت سے غیر اسلامی افکار اور عناصر شامل ہو گئے تھے، اور بہت سے پیشہ ورجاہل، غیر محقق اور مبتدع اس گروہ میں شامل ہو کر عوام و خواص کی گمراہی اور شرک و بدعات کی گرم بازاری کا سبب بن رہے تھے۔

۱۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ۔

فلسفہ کا ایک حلقہ مذہب اور انبیاء کی تعلیمات سے آزاد ہو کر اپنی تعلیمات کی اشاعت میں بعض اوقات علانیہ اور بعض اوقات خفیہ طور پر مصروف تھا، دوسرا حلقہ فلسفہ کو اصل اور معیار قرار دے کر مذاہب کا اس سے پیوند لگانا چاہتا تھا، اور عقل و نقل کی تطبیق کی کوشش کرتا تھا، دونوں حلقے ارسطو و افلاطون کے جامد مقلد اور ان کے افکار و خیالات کی تقدیس، ان کے علوم کی صحت اور ان کی برتری اور مافوق البشری حیثیت کے پورے پورے قائل تھے اور کسی چیز میں ان کے نتائج فکر اور تحقیقات سے ہٹنے اور ان کی غلطی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

یہ تھا وہ سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، ذہنی و علمی ماحول جس میں ابن تیمیہ نے ہوش سنبھالا، اور جس میں انھوں نے اصلاح و تجدید کا علم بلند کیا۔

ابن تیمیہ کا آبائی وطن

جلہ و فرات کا دو آبہ دو حصوں میں تقسیم ہے (۱) جنوبی جو عراق عربی کہلاتا ہے اور جس میں بغداد و بصرہ وغیرہ واقع ہیں (۲) شمالی جس کو قدیم عربی لٹریچر میں دیار بکر، دیار ربیعہ اور دیار مصر کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور عرب جغرافیہ نویس عام طور پر بحریرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کے شمال میں آرمینیا، جنوب میں عربی عراق، مشرق میں کردستان اور مغرب میں ایشیائے کوچک اور بادشاہ (صحرائے شام) واقع ہے اسی علاقہ میں موصل، الرقة (البیضاء) نصیبین اور الرکاب (ایڈیسا) واقع ہیں الرکاب کے جنوب میں تقریباً گھنٹے کی مسافت پر مشہور تاریخی شہر حران ہے ابن حوقل کے بیان کے مطابق یہ قدیم زمانہ سے صابئین کا مذہبی و علمی مرکز رہا ہے فلسفہ اور قدیم یونانی علوم میں اس کو خاص امتیاز اور شہرت حاصل رہی ہے یہی حران ابن تیمیہ کا آبائی وطن ہے، جہاں ان کا خاندان صدیوں سے آباد تھا۔

۱۔ آج کل اس کو اور فاکتے ہیں، اور وہ سلطنت ترکی میں شامل ہے۔

ابن تیمیہ کا خاندان

ابن تیمیہ کا خاندان جو پہلے سے اسرۃ ابن تیمیہ (خاندان ابن تیمیہ) کے نام سے مشہور تھا، حران کا مشہور علمی اور دینی خاندان تھا، یہ خاندان (جب سے اس کی تاریخ معلوم ہے) حنبلی العقیدہ اور حنبلی المذہب تھا، اپنے دیار میں اس کو مذہب حنبلی میں پیشوائی کا منصب حاصل تھا، اور اس کے صاحب علم افراد ہمیشہ درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے دادا ابو البرکات محمد الدین ابن تیمیہ کا شمار مذہب حنبلی کے ائمہ و اکابر میں ہے، بعض اہل علم نے ان کو مجتہد مطلق کے لقب سے یاد کیا ہے، امام فن رجال حافظ ذہبی کتاب النبلاء میں لکھتے ہیں کہ محمد الدین ابن تیمیہ ۵۹۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، پہلے اپنے چچا مشہور خطیب و واعظ فخر الدین ابن تیمیہ سے علم حاصل کیا، پھر حران اور بغداد کے علماء و محدثین سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی، اور فقہ میں کمال حاصل کیا، ذہبی کے الفاظ ہیں۔

وانتهت الیہ الامامة فی الفقہ فقہ میں ان کو درجہ امامت حاصل تھا۔

۶۵۱ھ کے سفر حج میں جب وہ بغداد پہنچے تو علماء ان کی ذکاوت اور کمالات دیکھ کر حیران رہ گئے، ذہبی کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے خود مجھ سے نقل کیا کہ شیخ ابن مالک کہتے تھے کہ اللہ نے علم فقہ کو محمد الدین ابن تیمیہ کے لئے ایسا ہی نرم کر دیا ہے، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا گیا تھا، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے دادا (محمد الدین) کی طبیعت میں کچھ تیزی اور جوش تھا، ایک مرتبہ ایک عالم نے ۱۔ ابن تیمیہ سے چار پشت اوپر ان کے جد امجد محمد بن انحضرت کے وقت سے نسبت شروع ہوئی تھی، اس وجہ سے میں یوحنا کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ محمد بن انحضرت کی والدہ کا نام (جو واعظ تھیں) تیمیہ تھا، اس لئے یہ خاندان تیمیہ کی طرف منسوب ہو گیا۔

۲۔ ترجمہ صاحب مفتی الاخبار بقلم علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار۔

ان سے ایک علمی سوال کیا، انھوں نے فرمایا کہ اس کا جواب ساٹھ طریقہ پر ہے، پھر ایک ایک کر کے پورے جوابات گنا دیئے اور آخر میں کہا کہ تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم ان جوابات کو درہرادو، وہ یہ ذہانت دیکھ کر متخیر رہ گیا، اور خاموش ہو گیا، شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ متون کے نقل اور مذاہب کے حفظ میں وہ ایک عجوبہ روزگار تھے، ان کو اس میں کچھ تکلف اور اہتمام نہیں کرنا پڑتا تھا، ۶۸۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی سب سے مشہور تصنیف اور علمی یادگار مفتی الاخبار ہے، علماء نے ہر زمانہ میں اس کتاب سے استفادہ اور اس سے اعتناء کیا ہے، مصنف نے اس کتاب میں فقہی ابواب پر وہ احادیث جمع کر دی ہیں جو اہل مذاہب کی دہل اور ان کا مذہب آخر میں یمن کے مجتہد عالم اور سرآمد روزگار محدث علامہ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) نے نیل الاوطار کے نام سے آٹھ جلدوں میں اس کی شرح لکھی جو اپنی حسن تلخیص و حسن ترتیب فیصلہ کن بحثوں اور مصنف کی وسعت نظر اور وسعت قلب کی وجہ سے علمی و درسی حلقوں میں خاص وقعت رکھتی ہے۔

شیخ الاسلام کے والد شہاب الدین عبدالحکیم ابن تیمیہ عالم و محدث، حنبلی فقیہ اور صاحب درس و افتاء تھے، حران سے دمشق منتقل ہونے کے بعد انھوں نے دمشق کی جامع اموی میں جو اکابر علماء و مدین کامرکز تھے اور جہاں ہر عالم اور مدرس کا کام نہیں تھا کہ درس دے، باقاعدہ درس کا سلسلہ شروع کیا، ان کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بالکل زبانی اور برہتہ ہوتا تھا، اور وہ اثنائے درس میں کسی کتاب سے مدد نہیں لیتے تھے، تمام تر اپنے حافظہ اور یادداشت پر اعتماد تھا، جامع اموی کے درس و وعظ کے ساتھ وہ دمشق کی دارالحدیث السکریہ کے شیخ الحدیث بھی تھے، وہیں ان کی سکونت بھی تھی ۶۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور مقابر الصوفیہ میں مدفون ہوئے۔

ولادت اور نقل سکونت

اس نامور اور مخلص علمی و دینی خاندان میں دو شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں تقی الدین ابن تیمیہ

لے یہ سب خصوصیات ان کے پوتے کی طرف منتقل ہوئیں۔ لے البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ج ۱۳ ص ۳۰۳

کی ولادت ہوئی، باپ نے احمد تقی الدین نام رکھا، بڑے ہو کر انھوں نے ابو العباس کنیت اختیار کی، لیکن خاندانی لقب ابن تیمیہ سب پر غالب آیا، اور وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔

یہ زمانہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، تاتار گردی کا زمانہ تھا، سارا عالم اسلام ان کی ہیبت سے لرزہ بر اندام تھا، لیکن عراق و جزیرہ کی سرزمین خاص طور پر ان کی جولانگاہ تھی، ابن تیمیہ سات برس کے تھے کہ ان کا وطن حران تاتاری حملہ کی زد میں آگیا، تاتاریوں کے حملہ کے بعد علم و فضل و عزت و آبرو اور جان و مال کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی، آخر مجبور ہو کر ان کا خاندان بھی شرفاء و علماء کے صدر خاندانوں کی طرح کسی اسلامی ملک میں پناہ ڈھونڈھنے کے لئے نکل کھڑا ہوا، عراق کی طرف جانے کا کوئی سوال نہ تھا، قریب تر ملک جو اس وقت تک تاتاری غارتگروں سے بچا ہوا تھا، شام تھا، جہاں مصر کے طاقتور ملوک سلاطین حکومت کر رہے تھے، آخر اس خاندان نے مغرب ہی کا رخ کیا اور دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس پریشانی اور بے سرو سامانی کی حالت میں بھی اس علمی خاندان نے اپنے قیمتی کتب خانہ کو جو کئی پشتوں کا اندوختہ اور ایک بڑا علمی سرمایہ تھا، جدا کرنا گوارا نہیں کیا، چنانچہ سب مال و متاع چھوڑ کر کتابیں ایک گاڑی پر بار کیں، اور روانہ ہو گئے، تاتاریوں کا کھٹکا لگا ہوا تھا، ہر جگہ دہشت پھیلی ہوئی تھی، عورتوں اور بچوں کا ساتھ تھا، بڑی مشکل یہ تھی کہ جانوروں کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کتابوں کی گاڑی خود کھینچنی پڑتی تھی، قافلہ افتاں و خیراں چلا جا رہا تھا، ایک جگہ قریب تھا کہ تاتاری سر پر پہنچ جائیں، قباحت یہ ہوئی کہ کتابوں کی گاڑی چلتے چلتے رک گئی، خاندان کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور گریہ و زاری کی، اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور گاڑی کے پیسے کام کرنے لگے اور قافلہ آگے بڑھا۔

دمشق میں

دمشق پہنچتے ہی اس علمی گھرانہ کی آمد کی خبر ہو گئی، اہل علم ابو البرکات مجد الدین ابن تیمیہ کے نام

لے الکواکب الدریہ۔

اور کام سے واقف تھے، عبد اللہ بن تیمیہ کا علم و فضل بھی معروف تھا، چند دن کے اندر ہی جامع اموی اور دار الحدیث اسکریہ میں ان کا درس شروع ہو گیا، اور وہ طلبہ اور جنسلی علماء کا مرجع بن گئے، اور اس خاندان کو اس نئے شہر میں کوئی غریب و اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

کس احمد ابن تیمیہ نے جلد قرآن مجید کے حفظ سے فراغت کر لی، اور حدیث و فقہ و عربیت کی تحصیل میں مشغول ہو گئے، اس عرصہ میں اپنی نو عمری کے باوجود اپنے والد کی مجالس درس و وعظ اور علماء کے حلقوں میں شرکت کرتے تھے، اور علمی مذاکرات میں شریک رہتے تھے جس سے ان کا اخاذ ذہن و وسعت و زرق حاصل کرتا تھا۔

غیر معمولی حافظہ

ابن تیمیہ کا خاندان قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں مشہور تھا، ان کے دادا اور والد دونوں بڑے قوی الحفظ تھے، لیکن تقی الدین ابن تیمیہ اس نعمت میں اپنے پورے خاندان سے سبقت لے گئے، اور بچپن ہی میں ان کے عجیب و غریب حافظہ اور سرعتِ حفظ نے علماء و اساتذہ کو متحیر کر دیا، اور دمشق میں اس کی شہرت پھیل گئی، صاحب العقود الدریہ لکھتے ہیں کہ:-

”ایک مرتبہ حلب کے ایک بڑے عالم دمشق آئے، انھوں نے سنا کہ ایک بچہ ہے جس کا نام احمد بن تیمیہ ہے، اور وہ بہت جلد یاد کرتا ہے، ان کو اس کے دیکھنے اور امتحان لینے کا شوق ہوا جس راستہ سے ابن تیمیہ گذر کرتے تھے، وہاں وہ ایک درزی کی دکان پر بیٹھ گئے، درزی نے کہا کہ وہ بچہ آتا ہوگا، یہی اس کے مکتب کا راستہ ہے، آپ شریف رکھئے، تھوڑی دیر میں کچھ بچے مکتب جاتے ہوئے گزرے، درزی نے کہا دیکھئے وہ بچہ جس کے پاس بڑی سی تختی ہے، وہی ابن تیمیہ ہے، شیخ نے اس بچہ کو آواز دی، وہ آیا تو اس کی تختی لے لی، اور کہا کہ بیٹا اس تختی پر جو کچھ لکھا ہوا ہے

اس کو پونچھ ڈالو، جب وہ صاف ہو گیا تو انھوں نے اس پر کوئی ۱۱ یا ۱۳ حدیثیں لکھوا دیں، اور کہا ان کو پڑھو، بچہ نے اس کو ایک مرتبہ غور سے پڑھا، شیخ نے تختی اٹھائی، اور کہا کہ سناؤ، بچہ نے پوری حدیثیں سنا دیں، شیخ نے کہا کہ اچھا اب ان کو بھی پونچھ ڈالو، پھر چند سندیں لکھ دیں، اور کہا کہ پڑھو، بچہ نے ایک بار غور سے دیکھا، اور پھر سنا دیا، شیخ نے یہ تماشا دیکھ کر فرمایا کہ اگر یہ بچہ جتنا رہا تو کوئی چیز بنے گا، اس لئے کہ اس زمانہ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے!

محدثین متقدمین کے حافظہ کے جو واقعات معتبر تاریخوں میں منقول ہیں، اور راویان حدیث، اور ائمہ ادب کے نداداد حافظہ کی جو مثالیں تجربہ اور مشاہدہ میں آئی ہیں، ان کے پیش نظریہ واقعہ بالکل بعید از قیاس اور ناممکن نہیں، خود ابن تیمیہ کی بعد کی زندگی اور ان کے حفظ و نقل کے واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کو غیر معمولی حافظہ عطا ہوا تھا۔

تعلیم تکمیل

ابن تیمیہ نے بڑی محنت اور توجہ اور انہماک کے ساتھ علوم کی تحصیل شروع کی، ان کے مورخ اور معاصر بیان کرتے ہیں کہ ان کو کسی کے باوجود کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اور وہ وقت ضائع نہیں کرتے تھے، بایں ہمہ وہ زندگی اور اپنے زمانہ کی سوسائٹی، شہر کے حالات اور لوگوں کے اخلاق و عادات سے بے خبر اور بے تعلق نہیں تھے، ان کی تصنیفات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زندگی کا مطالعہ وسیع اور عمیق تھا، اور انھوں نے عوام سے الگ تھلگ کسی علمی گوشہ میں زندگی نہیں گزاری تھی۔

ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی، انھوں نے عربیت کی طرف خاص توجہ کی اور لغت و نحو میں اعلیٰ بصیرت حاصل کی، امام نحو سیبویہ کی کتاب ”الکتاب“ (جو نحو کی سب سے مقبول اور مستند

کتاب ہے یہاں تک کہ جب محض الکتاب کہا جائے تو اس سے کتاب سیویہ ہی مراد ہوتی ہے) کا انھوں نے خاص طور پر بڑے غور و فکر سے مطالعہ کیا، اور اس کے کمزور مقامات اور غلطیوں کی گرفت کی، عربیت اور لغت و نحو پر محققانہ اور ناقدانہ نظر رکھنے اور اپنے اس ادبی و نحوی ملکہ اور رسوخ سے انھوں نے اپنی علمی زندگی اور اپنی تصنیفات و مباحث میں بڑا کام لیا، اثر و نظم ہا ایک بڑا حصہ انھوں نے محفوظ کیا، عرب جاہلیت اور عرب ولین کے حالات و واقعات تفصیل سے دیکھے اور اسلامی و اسلامی حکومتوں کی تاریخ کا وسیع مطالعہ کیا، یہ وسیع اور متنوع مطالعہ ان کو اپنے بعد کی گونا گوں علمی زندگی میں بہت کام آیا، ان کے معاصرین و مناظرین میں کوئی وسعت نظر اور وسعت مطالعہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ان کے علمی تفوق کا یہی ایک بڑا سبب تھا۔

نظری علوم کے علاوہ انھوں نے کتابت و خوشنویسی اور حساب و ریاضی کی طرف بھی توجہ کی اور ان کو ان کے اساتذہ سے حاصل کیا۔

علوم دینیہ میں فقہ و اصول فقہ، فرائض اور حدیث و تفسیر کی طرف پوری توجہ کی، فقہ حنبلی ان کے گھر کی چیز تھی اور خود ان کے والد اس سلسلہ میں شفیق استاد، تجربہ کار عالم اور بہترین مشیر و رہنما تھے، اس زمانہ میں حدیث کی کتابت و حفظ اور سماع کا عام رواج تھا، ابن تیمیہ نے سب سے پہلے امام حمیدی کی کتاب "الجامع بین الصحیحین" حفظ کی، پھر اساتذہ وقت اور علمائے وقت اور علمائے شام سے حدیث کی سماعت اور کتابت کی، ابن عبد الہادی کا بیان ہے کہ حدیث میں ابن تیمیہ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے، ان کے خاص شیوخ حدیث میں ابن عبد الدائم المقدسی اور ان کے طبقہ کے لوگ ہیں، مسند امام احمد کی کئی بار سماعت کی، اسی طرح صحاح ستہ کی سماعت کی کئی بار نو بت آئی۔

تفسیر ابن تیمیہ کا محبوب موضوع تھا، اور ان کو اس سے خاص دلچسپی تھی، ان کا خود بیان ہے کہ

انھوں نے تفسیر قرآن میں چھوٹی بڑی... اسے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا، اس فن سے ان کو فطری مناسبت تھی قرآن مجید کی تلاوت نذر اور مطالعہ کی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر علوم قرآن کا خاص انعام فرمایا تھا کتابوں کے علاوہ خود صاحب کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے، اور اس سے فہم قرآن اور شرح صدر کی دولت مانگتے تھے، اپنی طالب علمی اور اپنے تدبیر فی القرآن کے طریقہ کے متعلق وہ خود بیان کرتے ہیں:-

ربما طالع علی الایۃ الواحدۃ فعمدۃ
بعض اوقات ایک آیت کے لئے میں نے سو تفسیروں
تفسیر ثم اسأل اللہ الفہم و اقول یتعلّم
کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے
ادم و ابراہیم علمنی و کنت اذہب الی
دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم غایت ہو میں عرض
المساجد المہجورۃ و نحوہا و امتنع و جہی
کرتا کہ آیت آدم و ابراہیم کے معلم میری تعلیم فرما میں سنان
فی القرب و اسأل اللہ تعالیٰ و اقول یتعلّم
اور تیرا بوسجوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا اپنی
ابراہیم فقہی
پیشانی خاک پرلتا اور کہتا کہ آیت ابراہیم کو تعلیم دینے

والے مجھے سمجھ عطا فرما۔

اس زمانہ میں (بالخصوص مصر و شام میں) اشاعرہ کے علم کلام کا زور تھا، سلطان صلاح الدین خود اشعری العقیدہ تھا، مورخ مصر قریزی کا بیان ہے کہ سلطان نے یحییٰ بن قطب الدین ابو المعالی اشعری کا متن (جو انھوں نے عقائد کے بارے میں تصنیف کیا تھا) حفظ کیا تھا، اور بعد میں اپنے خاندان کے بچوں کو حفظ کراتا تھا، اس نے اور اس کے جانشینوں (بنی ایوب) نے لوگوں کو اشعری عقیدہ کا پابند کر دیا تھا، ان کے زمانہ اور ان کے جانشینوں (ممالک مصر) کے زمانہ تک اشعری عقیدہ کو حکومت کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی۔ حنابلہ صحیح یا غلط طریقہ پر اشاعرہ کے حرلیت اور مد مقابل سمجھے جاتے تھے، دونوں فریق بحث و گفتگو میں مشغول رہتے، اشاعرہ کا علم کلام اور طریق اثبات عقلی استدلال اور منطقی برہان پر مبنی تھا، حنابلہ انصوص

اور آیات و احادیث کے ظاہری مفہوم سے بحث کرتے تھے، علم کلام میں عدم تعمق اور منطق و فلسفہ سے عدم اشتغال کی وجہ سے بعض اوقات بحث و مناظرہ میں حنابلہ کا پلراہمکا معلوم ہوتا تھا، اور ان کے متعلق یہ خیال قائم ہوتا جاتا تھا کہ وہ عقلیات سے بے خبر اور ظاہری سطحی علم کے لوگ ہیں غالباً اسی احساس نے ابن تیمیہ جیسے غیور و ذکی احس نوجوان عالم کو علم کلام کے وسیع اور گہرے مطالعہ اور عقلیات اور فلسفہ و منطق سے براہ راست واقفیت کی طرف متوجہ کیا، انھوں نے ان علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور ان پر ایسا عبور حاصل کیا کہ وہ خود ان علوم کی کمزوریوں اور ان کے مصنفین و ائمہ حتیٰ کہ حکماء یونان کی غلطیوں سے واقف ہو گئے اور انھوں نے ان علوم کی تنقید میں ایسی مدلل اور عالمانہ کتابیں لکھیں جن کا جواب فلسفہ کا پورا حلقہ نہیں دے سکا۔

غرض ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ میں کتاب سنت کی ترجمانی، دین کی صداقت و برتری ثابت کرنے اور علمی و عملی گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے ایسی وسیع اور مکمل علمی تیاری کی جس کی اس ترقی یافتہ علمی دور اور فکری و دینی انتشار کے زمانہ میں ضرورت تھی، انھوں نے ان تمام اسلحہ کا استعمال سیکھا جن سے ان کے حریف اور مخالفین اسلام (یہود و نصاریٰ، فلاسفہ اور باطنیہ) مسلح تھے، انھوں نے وہ علمی تحریک کیا کہ ان کے معاصرین دیکھ کر دنگ رہ گئے، ان کے مشہور حریف علامہ کمال الدین الزمکانی ان کی علمی جامعیت اور ہمہ دانی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قد الان الله له العلم كما الان لا داؤد
الحديث كان اذا سئل عن فن من العلم
ظن الراعي والسماع انه لا يعرف غير
ذلك الفن وحكم ان احدا لا يعرفه
مثله وكان الفقهاء من سائر الطوائف
اذا جلسوا معه استفادوا في مذاهبهم

ابن تیمیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے علوم اس طرح نرم کر دیئے تھے جیسے داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا جس علم کے بارہ میں ان سے سوال کیا جاتا، اس طرح جواب دیتے کہ دیکھئے والا یہ نہایت سمجھتا کہ وہ اس فن کے سوا کچھ نہیں جانتے اور فیصلہ کرتا کہ ان کی طرح کوئی اس

منه ما لم يكنوا يعرفوه قبل ذلك
ولا يعرف انه ناظر احدًا فانقطع منه
ولا تكلم في علم من العلوم سواء كان
من علوم الشرع او غيرها الا فاق فيه
اهله والمنسوبين اليه وكانت له
اليدين الطويلتين في حسن التصنيف

فن کا عالم نہیں، ہر مذہب و فقہ کے علماء جب ان کی مجلس میں شریک ہوتے تو ان کو کوئی نہ کوئی ایسی چیز معلوم ہوتی جو ان کو پہلے سے معلوم نہیں تھی، کبھی نہیں ہوا کہ انھوں نے کسی سے مناظرہ کیا اور ہر مذہب کو گئے ہوں، جب کبھی انھوں نے کسی شرعی یا عقلی علم میں کلام کیا تو باہرین فن سے اور اس کے مخصوص عالموں سے بڑھ گئے، تصنیف میں بھی ان کو یہ طویل حاصل تھا۔

ابن تیمیہ کا پہلا درس

ابھی ابن تیمیہ کی عمر ۲۲ ہی سال کی تھی کہ (۶۸۲ھ میں) ان کے حلیل القدر والد عبد الحلیم ابن تیمیہ کا انتقال ہوا، اور دارالحدیث السکریہ میں ان کی مسند درس خالی ہو گئی۔

لیکن یہ مسند درس زیادہ دن خالی نہیں رہنے پائی، ۲ محرم ۶۸۳ھ کو ان کے قابل فخر فرزند احمد تقی الدین ابن تیمیہ نے اس کو زینت دی اور پہلا درس دیا، اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی، درس میں دمشق کے مشہور فضلاء و عمائد شریک تھے، قاضی القضاۃ بہاء الدین ابن الزکی الشافعی بنفس نفیس موجود تھے، علماء شافعیہ میں سے ان کے علاوہ شیخ الشافعیہ شیخ تاج الدین الفراری، علماء حنابلہ میں سے زین الدین بن المنجا السنبلی اور دوسرے سربراہان و علماء حاضر تھے، اس درس تمام حاضرین بے حد متاثر اور نوجوان عالم کے تبحر علمی، حاضر دماغی اور جرأت و فصاحت کے معترف تھے، حافظ ابن کثیر جو شیخ الاسلام کے تلامذہ میں ہیں ۶۸۳ھ کے واقعات کے ضمن میں اس درس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وطن درساھا نلا، وقد کتبہ الشیخ
تاج الدین الفزاری بخطہ للکثرۃ فوائدا
و کثرۃ ما استعنتہ الحاضرون وقد اظہر
الحاضرون فی شریعہ علی حدیثہ سنہ و
صغیرۃ فانہ کان عمرہ اذ ذلک عشرين
سنة و ستین۔
یخیر العقول درس تھا شیخ تاج الدین الفزاری
نے اس کے کثیر فوائد اور لوگوں کی عام پسندیدگی کی
وجہ سے اس کو اپنے قلم سے ضبط کیا، حاضرین نے
ابن تیمیہ کی کم عمری اور جوانی کی بنا پر اس درس کی
بڑی تعریف کی اور ان کو بہت داد دی اس لئے
کہ ان کی عمر اس وقت ۲۲ سال کی تھی۔

اگلے مہینہ (صفر) کی دسویں تاریخ کو جمعہ کے دن ابن تیمیہ نے اپنے والد کی جگہ پر جامع اموی میں
تفسیر کا درس دیا، ان کے لئے خاص طور پر منبر رکھا گیا تھا، انھوں نے سلسلہ وار تفسیر بیان کرنی شروع کی،
روز بروز مجمع میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ اپنے درس تفسیر میں کثرت سے علوم اور جدیدین
بیان کرتے تھے کہ سامعین کی تعداد بڑھتی چلی گئی، اسی کے ساتھ ان کی دینداری زہد و عبادت کی وجہ سے لوگ
اور گرویدہ ہوتے تھے اور ان کی شہرت دور دور کے شہروں اور ملکوں میں پھیلتی جاتی تھی، کئی برس تک
ان کا یہی معمول رہا۔

حج

۶۹۲ھ میں ابن تیمیہ نے شامی قافلہ کے ساتھ جس کے امیر الباسطی تھے، حج کیا، معان میں
جب یہ قافلہ پہنچا تو ایک بڑی تند و تیز ہوا چلی جس میں بہت سے آدمی کام آئے، اونٹ بھی اپنی جگہ پر
قائم نہ رہ سکے کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔

شاتم رسول کی تعزیر

۶۹۳ھ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ابن تیمیہ کی دینی حمیت اور ایمانی جذبہ کا

عملی اظہار ہوا، دمشق میں عساف نامی ایک عیسائی کے تعلق ایک جماعت نے گواہی دی کہ اس نے
حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے اس جرم کے بعد اس نے ایک عرب سردار کے
پاس پناہ لی، یسن کر ابن تیمیہ اور دارالحدیث کے شیخ زین الدین الفارقی التھابو کر نائب السلطنت
عز الدین ایکل محمودی کے پاس گئے، اور اس واقعہ کی طرٹ توجہ دلائی، امیر نے اس کو منظور کیا اور بحر کو
بلا بھیجا، شیخین حاکم کے پاس سے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ ایک مجمع کثیر تھا کہ عساف کو لوگوں نے
آتا ہوا دیکھا، اس کے ساتھ ایک عرب بھی تھا، مجمع یہ دیکھ کر عرب کو گالیاں دینے لگا، عرب نے کہا کہ یہ عیسائی
تم سے بہتر ہے، مجمع یہ سن کر مشتعل ہو گیا، اور دونوں پر سنگ باری کرنے لگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا
حاکم نے دونوں عالموں (ابن تیمیہ اور فارقی) کو بلایا، اور اپنے سامنے ان کو زور و کوب کیا، عیسائی مسلمان
ہو گیا، اور اس کی حفاظت کی ضمانت کی گئی، بعد میں دونوں عالموں کو چھوڑ دیا گیا، اور حاکم نے
ان سے معافی مانگی، اسی زمانہ میں ابن تیمیہ نے اپنی مشہور کتاب الصائم المسلمون علی شاتم الرسول لکھی۔
۴ شعبان ۶۹۵ھ میں شیخ ابن خالبہ علامہ زین الدین بن منجی شیخ المدرستہ الحنبلیہ نے وفات پائی،
توان کی قائم مقامی اور مدرسہ حنبلیہ کی صدارت تدریس بھی ابن تیمیہ کے سپرد ہوئی۔

پہلی مخالفت

ابن تیمیہ درس و تدریس میں مشغول تھے اور عوام و خواص میں ان کی مقبولیت و شہرت روز افزوں
تھی کہ ۶۹۵ھ میں ان کے خلاف پہلی شورش برپا ہوئی، اور ان کی ذات اور ان کے عقائد موضوع بحث بنے۔
اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۶۹۵ھ میں شہر حماہ (شام) کے چند باشندوں نے ایک استفتاء
مرتب کر کے بھیجا جس میں دریافت کیا گیا تھا کہ "الْخَلْقُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ

جیسی آیات اور ان قلوب میں ادا ۴۰ میں اربعین، عن اصابع الدنیا اور فیض الجبار فی ما فی النار وغیرہ احادیث کے بارہ میں علماء کی کیا تحقیق، اور صفات کے بارہ میں علماء اہل سنت کا کیا مسلک ہے؟ شیخ الاسلام نے اس کا مبسوط و مفصل جواب دیا، صفات کے بارہ میں صحابہ تابعین، ائمہ مجتہدین، متکلمین، متقدمین (امام ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر ابوالقلانی، اور امام اکبرین تک) کا مسلک ان کے اقوال اور ان کی تصانیف سے بیان کیا، اور ان کی کتابوں کے اقتباسات سے ثابت کیا کہ سب حضرات ان صفات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں، ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اور اس کی ذات (یعنی مکملہ شئی) کے لائق اور تشبیہ و تحسین نیز نفی و تعطیل سے منزہ اور پاک ہے، یعنی نہ تو ان صفات کو مخلوق کی صفات پر قیاس کرتے ہیں، نہ تنزیہ و تقدیس کے غلو و افراط میں ان کی نفی اور ان کا انکار کرنے لگتے ہیں، نہ ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے وہ حقیقت سے دور اور محض کنایہ اور مجاز بن کر رہ جائیں، بلکہ جس طرح خود اس کی ذات اور اس کی صفات سبعة (حیاء، علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ) پر ایمان لاتے ہیں، اور ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں جو ذات الہی اور شان خداوندی کے لائق ہے، اسی طرح الفاظ منصوص، وہم، ید، غضب و رضاء فی السماء علی العرش، فوق کو بھی حقیقتہً بلا کسی تاویل کے تسلیم کرتے ہیں، اور ان کی وہ حقیقت ثابت کرتے ہیں، جو اس منزہ و مقدس ذات اور بے چوں و بیچگوں و بے مثال و بے قیاس ہستی کے شایان شان ہے، ان دونوں قسم کی صفات میں ان حضرات کا مسلک اور رویہ علیحدہ علیحدہ اور متضاد نہیں ہے، اور جس طرح حیات، علم، قدرت وغیرہ پر ایمان لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مخلوقات اور محدثات کی سی کمزور حیات اور ان کا محدود و مستعار علم اور ناقص قدرت مراد ہے، اور نہ ان صفات کی حقیقت پر لہذا جواب العقیدۃ المحمویۃ الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے، یہ تقریباً ۵۰ صفحہ کا رسالہ ہے جو مجموعۃ الرسائل الکبریٰ میں شامل ہے اور ۱۳۲۳ھ میں مصر سے شائع ہوا ہے۔

ایمان لانے والے کو مجسمہ کا خطاب دیا جاسکتا ہے، اسی طرح ید اللہ فوق یدینہم وسیفی وجہ ربک الرحمن علی الدنیا استوی، امنت من فی السماء پر ملتا ویل ایمان لانے سے یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں ہے کہ مخلوق و حادث کا سا وجود پر اور ید مراد ہے اور اسی طرح کی فوقیت و مکانیت مقصود ہے جو ایک محدود کی دوسرے محدود پر اور ایک جسم کی دوسرے جسم کے ساتھ ہوتی ہے، اور نہ ان صفات کی حقیقت پر ایمان لانے والے کو تجسیم و تشبیہ کا طعنہ دینا درست ہے، اس سلسلہ میں انھوں نے سلف اولین اور متکلمین متقدمین کے جو اقوال اور عبارتیں نقل کی ہیں، ان سے اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس کے خلاف نصاً و ظاہراً ایک لفظ بھی صحابہ و تابعین و سلف سے ثابت نہیں، ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ آسمان پر نہیں ہے، یا وہ عرش پر نہیں ہے، یا وہ ہر جگہ ہے، اور یہ کہ تمام ممکنہ اس کی نسبت سے یکساں ہیں اور یہ کہ نہ وہ عالم میں داخل ہے، نہ اس سے خارج ہے، نہ متصل ہے، نہ منفصل ہے، اور یہ کہ اس کی طرف انگلیوں سے حتی طور پر اشارہ جائز نہیں، اگر مسلک وہی صحیح ہے، جو نفی کرنے والوں کا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہمیشہ اس کے خلاف الفاظ کیوں بولتے رہے، اور حق کے اظہار سے ساری عمر کیوں خاموش رہے؟ یہاں تک کہ یہ ایرانی اور رومی اور یہود و فلاسفہ کے پروردہ آئیں اور امت کو صحیح عقیدہ کی تعلیم کریں!

پھر انھوں نے ثابت کیا کہ متکلمین متاخرین کچھ تو فلسفہ یونان کے اثر سے اور کچھ تنزیہ کے جوش و غلو میں ان صفات کی ایسی تاویل کرنے لگے کہ جو حقیقت لغوی، فہم صحابہ اور نصوص حدیث سے بہت دور جا پڑی، اور جس کی سرحد نفی و تعطیل سے ملنے لگی، اس سلسلہ میں وہ علماء سلف ائمہ سنت اور خود متکلمین متقدمین کے مسلک سے دور ہو گئے، یہاں تک کہ وہ سلف کے متعلق ایسے لفظ بولنے لگے، جس سے ان کے علم کی تحقیر ہوتی ہے جو بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سلف کا طریقہ زیادہ مامون و بے خطر، مگر خلعت کا طریقہ زیادہ علمی اور پراز حکمت ہے، یہ سب سلف کی حقیقت اور

مقام سے نا انشائی کا نتیجہ اور نا واقفیت کی دلیل ہے اصل علم سلف کو حاصل تھا، بھلا وارثین انبیاء
 نائبین رسل، حاملین کتاب و سنت سے معرفت الہی اور اسماء و صفات کے فہم میں وہ لوگ کیا مقابلہ
 کر سکتے ہیں جو مدعیان فلسفہ کے چونے بچے اور ہندو یونان کے خوان نعمت کے زلہ رہا ہیں، فلاسفہ و متکلمین
 کے آخری اقوال اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کے مقولے بتلاتے ہیں کہ وہ اپنی موٹنگانیوں پر نام
 عالم حیرت میں سرگرداں اور اپنی ناکامی و بے حاصلی پر ماتم کناں تھے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ
 ہماری ساری عمر کا اندوختہ قیل و قال کے سوا کچھ نہیں کسی نے کہا کہ دریائے ناپید اکناں میں غوطے لگائے
 اہل اسلام کے علوم کو چھوڑ کر بیاباں کی خاک چھانی، اب یہ حال ہے کہ اگر لطف خداوندی نے دستگیری
 نہ کی تو میں کہیں کا نہ رہا، گواہ رہنا کہ اپنی ماں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں۔

فتویٰ ایک مستقل علمی رسالہ ہے جس میں شیخ الاسلام کی علمی و تصنیفی خصوصیات پوری موجود ہیں
 روانی، قوت استدلال، خطابت، قرآن و حدیث سے حسن استشہاد، جدت اسلوب عقل عام سے
 اپیل، جستجو و بے تکلفی، تاریخی معلومات، متکلمین و فلاسفہ پر میکا نقد، یہ سب وہ خصوصیات ہیں جو
 اس زمانہ کی عام تصانیف با خصوص فتاویٰ میں (جو عموماً فقہی و اصطلاحی زبان میں لکھے جاتے تھے) ناپید ہیں
 اس فتویٰ میں پہلی مرتبہ انھوں نے ایسے واضح اور طاقتور طریقہ پر اس عقیدہ کی توضیح و تبلیغ کی تھی
 جو ان کے نزدیک سلف کا عقیدہ اور اہل سنت کا اعتقاد تھا، اور ان کے مخالفین کے نزدیک "نجسم"
 کا عقیدہ اور گڑھی ہوئی جنسیت تھی، یہ فتویٰ جس لب و لہجہ اور جس تحدی (چیلنج) کے انداز میں
 لکھا گیا تھا، اور جنسلی حلقوں میں جس طرح اس کا استقبال ہوا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ اشاعرہ و متکلمین
 کے حلقہ میں جن کو جمہور اور حکومت کی تائید حاصل تھی، اور جو قضاء و افتاء کے سرکاری منصوبوں سے
 لے کر درس و تصنیف کے علمی حلقوں تک پر حاوی تھے، ناراضگی کی ایک لہر اور عام برہمی کی کیفیت
 پیدا ہو جائے، ابن کثیرؒ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

علماء کا ایک گروہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مخالفت میں کھڑا ہو گیا، ان کا اصرار تھا کہ وہ حنفی
 قاضی شیخ جمال الدین کی مجلس میں حاضر ہوں، اور اس فتویٰ کے متعلق صفائی پیش کریں ابن تیمیہ
 نے اس کو منظور نہیں کیا، اس پر شہر میں منادی کرادی گئی کہ یہ فتویٰ قابل قبول نہیں، لیکن امیر
 سیف الدین جاغان نے ابن تیمیہ کی حمایت کی، اور ان لوگوں کو طلب کیا جنھوں نے ہنگامہ کیا
 تھا، مگر ان میں سے اکثر روپوش ہو گئے، امیر نے منادی کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو زد و کوب کیا
 جس سے باقی خاموش ہو گئے، جب جمعہ کا دن آیا تو شیخ اپنی عادت کے مطابق جامع مسجد میں گئے اور
 (انک تعلم خلق عظمہ) کی تفسیر بیان کی، اگلے روز سنیچر کو وہ قاضی امام الدین (شافعی) کے
 پاس گئے اور فضلاء کی ایک جماعت بھی وہاں آگئی، ان سب نے فتویٰ حمویہ کے بارے میں ان سے
 سوال و جواب کیا، اور کئی مقامات کی توضیح چاہی، انھوں نے سب کو مطمئن اور خاموش کر دیا،
 شیخ واپس آگئے، اور حالات اعتدال پر آگئے۔

ممکن ہے یہ قصہ طول کھینچتا، اور پھر کوئی مخالفت یا شورش پیدا ہوتی، مگر اس کے بعد ہی ایسے حالات
 پیش آئے کہ ایک عرصہ تک کسی ایسے علمی اختلاف اور بحث و مناظرہ کی فرصت اور ہوش باقی نہیں رہا، یہ
 تاتاریوں کا حملہ تھا جس میں شیخ الاسلام پہلی مرتبہ ایک عظیم الشان مجاہد اور ایک عمومی قائد کی حیثیت نمایاں ہوئے۔

تاتاریوں کا رخ دمشق کی طرف

۶۹۹ھ کا نیا سال شروع ہی ہوا تھا کہ متواتر اطلالوں میں مضمون کی ملیں کہ ایران و عراق کے تاتاری فرزند قازان
 لے البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۵۷۰۔ قازان جس کا اسلامی نام محمود ہے چنگیز خاں کا پوتا تھا، ۶۹۹ھ میں اسے امیر تونزون رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ
 و ترغیب سے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن پانچ سال کے مختصر عرصہ میں سیرت و اخلاق کی کیم ترمیمی اور اسلامی تعلیم و تربیت کی زیادہ توقع نہیں
 کی جاسکتی، اس لئے باوجود مسلمان ہوجانے کے تاتاریوں کی دہشت انگیزی، غارتگری اور مغانکی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا تھا۔

کی نیت، شام چمک کر نے کی ہے اور اس کی فوجوں کا رخ دمشق کی جانب ہے، تاتاریوں کے حملہ کے جو تلخ تجربات اسلامی ممالک کو تھے اور جو روایات قائم ہو چکی تھیں ان کی بنا پر پورے ملک شام میں اس اطلاع سے ایک دہشت پھیل گئی، حلب و حماہ سے جو دار السلطنت سے فاصلہ پر ہیں لوگ نکل نکل کر دار السلطنت کا رخ کرنے لگے یہاں تک کہ صرف حماہ سے دمشق تک گھوڑے کا کرایہ دو سو درہم ہو گیا لیکن لوگوں کو بہت جلد یمن کراطینان ہوا کہ سلطان مصر (الملك ناصر محمد بن قلاوون) افواج شاہی کے ساتھ شام کی حفاظت اور تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے آرہا ہے، ۸ ربیع الاول ۶۹۹ھ کو مصری افواج دمشق میں داخل ہوئیں، اہل شہر نے سخت بارش اور کچھ کے باوجود بڑی گرمجوشی سے سلطان اور اس کی افواج کا استقبال کیا، شہر آراستہ کیا گیا، جابجا اس کے لئے اور مسلمانوں کی فتح کے لئے دعائیں کی گئیں، ۱۷ ربیع الاول کو سلطان اپنے عساکر کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا، حنفی قاضی القضاۃ اور بڑے بڑے علماء اور اعیان شہر ہر کام ہوئے، پورا لشکر ساتھ تھا، مجاہد رضا کاروں اور نئے رنگروٹوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، مسجدوں میں قنوت نازلہ اور دعاؤں کا خاص اہتمام کیا گیا۔

سلطان مصر کی شکست اور دمشق کی حالت

دمشق کے باہر ۲ ربیع الاول کو قازان اور سلطان کے درمیان معرکہ پیش آیا، مسلمان جہم کر پڑے اور بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کو شکست ہوئی، سلطانی افواج نے مصر کا رخ کیا اور اہل دمشق نے دمشق میں پناہ لی، اس شکست، مصری افواج کی واپسی اور تاتاریوں کے فاتحانہ دمشق میں داخل ہونے کے خطرہ سے شہر میں بدحواسی پھیلی ہوئی تھی، بڑے بڑے علماء اور سربراہان و درجہ اشراف شہر چھوڑ چھوڑ کر مصر کا رخ کر رہے تھے، خود قاضی شافعی، قاضی مالکی، بعض دوسرے نامور علماء، حاکم شہر، محتسب و رٹے بڑے تاجر اور عوام شہر چھوڑ چکے تھے، حکومتی علم و خست ہو چکا تھا، حکام میں سے صرف منظم قلعہ ابھی مقیم تھا اور

کوئی ذمہ دار حاکم اور منظم شہر میں موجود نہ تھا، گرانی حد کو پہنچی ہوئی تھی، باہر کی آمدورفت موقوف تھی اس پر طرفہ یہ ہوا کہ قیدی جیل خانہ توڑ کر باہر نکل آئے اور انھوں نے شہر میں لوٹ مچادی، اوباشوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا، باغات (جو اہل دمشق کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے) کے دروازے توڑ ڈالے اور دروازے اور کھڑکیاں اکھاڑ کر لے گئے، اور اپنے پونے کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا، ادھر دمشق میں یہ طوفان بے تمیزی برپا تھا، ادھر قازان کی آمد آمد کا غلغلہ تھا جس سے رہے رہے حواس اور پرگانہ تھے۔

ابن تیمیہ کی قازان سے ملاقات

یہ حالات دیکھ کر اعیان شہر اور ابن تیمیہ نے مشورہ کیا اور تیار پایا کہ ابن تیمیہ چند علماء اور فقہاء کی معیت میں قازان سے ملاقات کریں اور دمشق کے لئے پروانہ امن حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ دو شنبہ ۳ ربیع الثانی ۶۹۹ھ کو مقام نبک میں اہل دمشق کے نمائندہ اور اسلام کے سفیر ابن تیمیہ اور تاتاریوں کے جبار بادشاہ قازان کی ملاقات ہوئی، شیخ کمال الدین بن الانجا جو دمشق سے ابن تیمیہ کے ساتھ گئے تھے، اور اس مجلس میں شریک تھے، اس ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں:-

”میں شیخ کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھا، وہ سلطان (قازان) کو عدل و انصاف کی آیات و احادیث اور اللہ و رسول کے ارشادات و احکام سناتے تھے، ان کی آواز بلند ہوتی جاتی تھی اور برابر سلطان کے قریب ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ ان کے گھٹنے اس کے گھٹنے سے مل جائیں، سلطان کو اس سے کچھ ناگواری نہیں ہوئی، وہ بڑی توجہ سے کان لگائے ان کی گفتگو سن رہا تھا، اور ہم تن متوجہ تھا، اس پر ان کا رعب ایسا طاری تھا، اور وہ ان سے ایسا متاثر

لے یہ مقام دمشق اور حص کے درمیان واقع ہے، وہاں کا پانی خاص طور پر شہور ہے، آج کل ایک سیرگاہ ہے، اس میں حص جاتے ہوئے راقم سطور نے یہ جگہ دیکھی تھی۔

تھا کہ اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ عالم کون ہیں؟ میں نے ابھی تک ایسا شخص نہیں دیکھا اور نہ اس شخص سے زیادہ کوئی دیر اور قوی القلب آج تک دیکھنے میں آیا مجھ پر ابھی تک کسی کا ایسا اثر نہیں پڑا تھا، لوگوں نے ان کا تعارف کرایا، اور ان کے علمی اور عملی کمالات کا تذکرہ کیا۔

ابن تیمیہ نے قازان سے کہا کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم مسلمان ہو اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھ قاضی امام، شیخ اور موزنین بھی رہا کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم نے ہم مسلمانوں پر حملہ کیا، حالانکہ تمہارے باپ اور دادا کافر ہونے کے باوجود ایسے اعمال سے محترز رہے، انھوں نے جو کچھ عہد کیا تھا، وہ پورا کیا اور تم نے جو عہد کیا تھا، وہ توڑ دیا، اور جو کچھ کہا تھا، اس کو پورا نہیں کیا، اور بندگانِ خدا پر ظلم کیا؟

شیخ کمال الدین کہتے ہیں کہ ایسی سخت گفتگو کرنے کے باوجود شیخ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس آئے تاتاریوں کے ہاتھ میں جو مسلمان قید تھے، ان کی بڑی تعداد ان کی حُسن سفارش سے چھوڑ دی گئی، شیخ کہا کرتے تھے کہ غیر الشریعہ تو وہ ڈرے گا جس کے دل میں کوئی بیماری ہے، امام احمد ابن حنبل سے کسی نے حکام سے اپنے اندیشہ اور خوف کا اظہار کیا، فرمایا کہ اگر تم تندرست ہوتے تو کسی سے نہ ڈرتے! ایک دوسرے ہر اہی قاضی القضاۃ ابوالعباس اتنا اور اضافہ کرتے ہیں:-

اس مجلس میں ابن تیمیہ اور ان کے رفقاء کے سامنے کھانا رکھا گیا، اور سب شریک ہو گئے، لیکن ابن تیمیہ دست کش ہے، دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں نہیں شرکت کرتے؟ فرمایا کہ یہ کھانا کب جائز ہے؟ یہ تو غریب مسلمانوں کی بھیر بکریوں کے گوشت سے تیار کیا گیا ہے، اور لوگوں کے دھنوں کی لکڑی کے ایندھن سے پکا گیا ہے، قازان نے ان سے دعا کی درخواست کی، شیخ نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی کہ خدا یا اگر آپ کے نزدیک قازان کا اس جنگ سے مقصد تیرے کلمہ کی بلندی اور

لے الکواکب الدریۃ فی مناقب الاعمام المجتہد شیخ الاسلام ابن تیمیہ، تالیف الشیخ مرعی ابن یوسف الکریمی الجعلی

ص ۲۵ شامل مجموعہ فرج الشریکی الکریمی ص ۱۶۲

بہادری سبیل الشریعہ تو اس کی مدد فرما، اور اگر سلطنت دنیا اور عرصہ دہوس ہے تو اس سے سمجھنے حیرت کی بات یہ ہے کہ شیخ دعا کر رہے تھے اور قازان آمین کہہ رہا تھا، ہمارا حال یہ تھا کہ ہم اپنے کپڑے سمیٹ رہے تھے کہ اب جلا دلو ان کی گردن مارنے کا حکم ہو گا، ان کے خون کی چھینٹیں ہمارے دامن پر کیوں آئیں؟ ابوالعباس کہتے ہیں کہ:-

”جب مجلس برخاست ہوئی اور ہم دربار کے باہر آئے تو ہم نے کہا کہ آپ تو ہماری ہلاکت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، ہم اب آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے، انھوں نے کہا کہ میں خود تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، چنانچہ ہم لوگ تورا نہ ہو گئے اور وہ ذرا دیر ٹھہر کر واپس ہوئے، خواتین و امراء کو جب اس واقعہ کی اطلاع اور ان کی موجودگی کا علم ہوا تو ہر طرف سے انھوں نے ہجوم کیا، اور برکت و حسن اعتقاد میں چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا، اور وہ اس شان سے دمشق واپس ہوئے کہ تین سو سواران کی رکاب میں تھے۔

اس کے مقابلہ میں ہم پر یہ گزری کہ ہم راستہ میں تھے کہ ایک گروہ حملہ آور ہوا، اور اس نے ہمارے کپڑے اتار لئے!

دمشق میں تاتاریوں کی بے عنوانیاں

اہل دمشق کو اگرچہ تاتاری سلطان کی طرف سے پروانہ امن مل گیا تھا، اور اس کا دمشق میں اعلان بھی ہو گیا تھا، لیکن دمشق کے اطراف و نواح میں تاتاریوں کی غارتگری اور بے ایمنی جاری تھی، اور شہرینہ سے باہر ایک غدر سا مچا ہوا تھا، شہر میں زرخ بہت چڑھ گئے تھے، اور گرانی بھی تھی، اِدھرتا تاتاریوں نے اہل دمشق سے مطالبہ کیا کہ حکومت سابقہ کے جتنے گھوڑے، ہتھیار اور نقد لوگوں کے پاس چھپا ہوا

لے الکواکب الدریۃ ص ۲۵

وہ تاتاریوں کے حوالہ کر دیا جائے تاتاریوں نے سیف الدین قنجی کو اپنی طرف سے حاکم شام مقرر کیا اور اس نے اہل شہر سنجی شرف کی شہر پر تاتاریوں کا قبضہ مکمل طور پر ہو چکا تھا صرف قلعہ دارا جوش نے حوالہ نہیں کیا تھا اور صاف انکار کر دیا تھا ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس کے محسّر بن تیمیہ تھے انھوں نے قلعہ کو پیغام بھیجا کہ جب تک قلعہ کی ایک اینٹ بھی سلامت ہے قلعہ تاتاریوں کے حوالہ نہ کرنا قلعہ دارا نے آخر وقت تک س پر عمل کیا اور تاتاریوں کا اس پر عمل دخل اخیر تک نہ ہو سکا تاتاریوں نے شہر میں دست درازیاں شروع کیں اور قدیم روایات کے مطابق ہر طرح کی بے عنوانیاں کیں کثرت مسلمان مرد و عورت قید کئے اور غلام بنائے صرف محلہ صاحبیہ کے چار سو افراد قتل اور چار ہزار کے قریب گرفتار ہوئے بڑے بڑے شریف خاندانوں اور علماء کے گھرانوں کے لڑکے اور لڑکیاں غلام اور باندیاں بنالی گئیں کتب خانے لوٹ لئے اور وقف کی کتابیں کوڑیوں کے مول کیں۔

یہ حال دیکھ کر ابن تیمیہ نے دوبارہ قازان سے ملاقات ضروری سمجھی وہ ایک جماعت کے ساتھ ۲۵ ربیع الثانی کو پھر سلطان سے ملنے گئے لیکن دوروز انتظار کرنے کے باوجود ان کو سلطان سے ملنے نہیں دیا گیا اس عرصہ میں دمشق میں خبر گرم ہوئی کہ تاتاری (جو ابھی تک باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے) شہر میں داخل ہوا چاہتے ہیں یہ سن کر لوگوں کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہے اور شہر میں کھلبلی مچ گئی لوگوں نے شہر چھوڑ کر جانا چاہا مگر جائیں تو کہاں جائیں؟ تاتاریوں نے قلعہ فتح کرنے کے انتظامات کئے ہندو ق کھودی جانے لگی اور یقیناً نصب کی گئیں لوگ اس ڈر سے کہ بیگاریں پکڑے جائیں گے گھر بیٹھ رہے ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:-

”راستوں سڑکوں پر سناٹا تھا اکا دکا کوئی آتا جاتا نظر آتا تھا جامع مسجد میں نمازیوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی جمعہ کی نماز میں جامع اموی میں بڑی مشکل سے ایک صف پوری ہوتی اور کچھ آدمی پیچھے ہوتے جو شخص ضرورتاً نکلتا بھی وہ تاتاریوں کا بھیس بدل کر اور فوراً واپس آ جاتا پھر بھی

یکھکا لگا رہتا کہ شاید واپس آنا نصیب نہ ہو

۱۹ جمادی الاولیٰ کو قازان نے عراق کی طرف کوچ کیا اور اپنے قائم مقام اور ساتھ ہزار فوج شام کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی چلتے ہوئے اس نے اعلان کیا کہ ہم اپنے نائب اور کثیر فوج چھوڑ کر جا رہے ہیں اور اگلے سال موسم خزاں میں ہم پھر واپس آئیں گے اس وقت ہم شام کے ساتھ مصر بھی فتح کریں گے قازان اگرچہ چلا گیا تھا مگر دوسرے تاتاری امیر بولائی نے دمشق کے اطراف و جوانب میں لوٹ مار چا رکھی تھی کثیر آبادیاں اور بستیاں ویران ہو گئی تھیں کثیر تعداد مسلمان بچوں کو غلام بنالیا گیا تھا خود دمشق سے اس نے بڑی رقم وصول کی تھی ۸ رجب کو ابن تیمیہ نے بولائی کی لشکر گاہ میں جا کر اس سے خود ملاقات کی اور قیدیوں کی رہائی کے معاملہ میں اس سے گفتگو کی اور ایک بڑی تعداد کو رہا کر لیا ان رہا ہونے والوں میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم شامی (ذمی) بھی تھے۔

۳ رجب کو دمشق میں قلعہ دارا کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مصری افواج شام کی طرف آرہی ہیں اگلے ہی روز بولائی اور اس کے تاتاری ساتھی دمشق چھوڑ کر روانہ ہو گئے، تاریخی تذکرہ دمشق اور اس کے اطراف تاتاریوں سے بالکل خالی ہو گئے۔

۹ رجب کو اطلاع ملی کہ سلطان (محمد بن قلاوون) اور مصری افواج شام کے استخلاص کے لئے روانہ ہو گئیں اس وقت دمشق میں کوئی ذمہ دار حاکم اور نظم نہ تھا شہر پناہ تاتاریوں کے حملہ سے شکستہ پڑی ہوئی تھی قلعہ دارا جوش نے اعلان کر لیا کہ اہل شہر شہر پناہ اور دروازوں کی حفاظت کریں کوئی اپنے گھر میں نہ سوئے سب مسلح شہر پناہ پر موجود رہیں لوگوں نے تعمیل کی ابن کثیر کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا ان دنوں معمول تھا کہ رات بھر شہر پناہ کا گشت کرتے تھے اور لوگوں کو جہاد اور رباط فی سبیل اللہ کی آیات سا کر صبر و قتال کی ترغیب دیتے تھے

شراب کے خلاف جہاد

مصری افواج اور مسلمان سلطان کی آمد آواز تار یوں کے کوچ کو سن کر دیندار مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے ان خرابیوں کو دور کرنے کا عزم کیا جو اس نارتربت یافتہ قوم اور اس کے ناخدا ترس حکام کے زمانہ میں پیدا ہوئی تھیں، حافظ ابن تیمیہ اس کام میں پیش پیش تھے، نائب شام سیف الدین قبحی نے شراب خانوں کی خاص سرپرستی کی تھی اور وہ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھے اس کے مختصر دور حکومت میں متعدد نئے شراب خانے قائم ہوئے تھے اب ان کے باقی رہنے کے لئے کوئی جواز نہ تھا، دمشق میں کوئی حاکم اور ذمہ دار افسر نہ تھا، ابن تیمیہ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا، اپنے تلامذہ اور احباب کے ساتھ سارے شہر کا دورہ کیا، جہاں شراب خانہ نظر آیا، اس کے متلے اور جام و سبوتوڑ ڈالے، شراب اُنڈیل دی، ان بیانیوں میں جو وابستہ تھے اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے تھے، ان کی تعزیر کی، شہر میں عام طور پر اس کارروائی پر سرت کا اظہار کیا گیا۔

بدعقیدہ کوہستانیوں کی تادیب و تبلیغ

۶۹۹ھ میں جب تاتاری لشکر دمشق میں داخل ہوا تھا، اور انھوں نے دست درازی کی تھی تو پہاڑوں کے (عیسائی باطنی اور اسماعیلی) باشندوں نے ان کا پورا ساتھ دیا تھا، مسلمان فوجیں جب تاتاریوں سے شکست کھا کر واپس ہو رہی تھیں اور ان کے علاقہ سے گزریں تو ان کو ہستانیوں نے ان پر حملہ کر دیا، ان کے اسلحہ اور گھوڑے چھین لئے، اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا، انھوں نے کبھی لشکر کی اطاعت نہیں کی تھی، نہ دین حق کو قبول کیا تھا، اور نہ کسی نظام کے پابند تھے۔

شام کا مطلع صاف ہو جانے اور اندرونی اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد ابن تیمیہ نے ان مغزوں کی تادیب و تبلیغ ضروری سمجھی، جن اتفاق سے اسی زمانہ میں نائب السلطنت جمال الدین آقوش الافرم نے جرد و کسروان نامی پہاڑوں کی طرف فوج کشی کی، ابن تیمیہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور رضا کاروں اور جوہران کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ نائب السلطنت کی رفاقت کی، نائب السلطنت کی آمدن کو قبائل کے سردار ابن تیمیہ کے پاس حاضر ہوئے، شیخ نے ان سے توبہ کرائی، ان کو اچھی طرح تبلیغ کی، اور اس سے بڑا نفع ہوا، انھوں نے مسلمان فوج سے جو کچھ چھینا لوٹا تھا، اس کی واپسی کی ذمہ داری لی، بیت المال کی طرف سے ان پر رقم عائد کی گئیں، جن کو ادا کرنے کا انھوں نے عہد کیا، اور یہ مہم ۱۳ رذی القعدہ کو کامیاب واپس آئی۔

تاتاریوں کی دوبارہ آمد اور ابن تیمیہ کا اعلان جہاد

نئے شروع ہی ہوا تھا کہ تاتاریوں کی دوبارہ آمد کی اطلاع دمشق میں پہنچی، لوگوں کے پاؤں تلے کی زمین کھل گئی، اور مصر اور دوسرے مقامات اور محفوظ قلعوں کی طرف بھاگنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، لوگ اپنا سامان پوشاک اور غلہ اٹھانے پونے بیچ کر سفر کا سامان کرنے لگے، سواری کا کرایہ بہت بڑھ گیا، اور جانوروں کے دام کہیں سے کہیں پہنچ گئے، یہ دیکھ کر ابن تیمیہ نے جامع مسجد میں موعظ اور درس کا سلسلہ سرگرمی سے شروع کیا، لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا، بھاگنے سے غیرت دلائی، اور اس بزدلانہ حرکت کی مذمت کی، انھوں نے لوگوں کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے ملکوں کی حفاظت و مدافعت کے سلسلہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ لوگ بھاگنے میں جو روپیہ صرف کر رہے ہیں، یہاں رہ کر مسلمانوں کی حفاظت اور جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کریں، وہ کہتے تھے کہ اس مرتبہ تاتاریوں سے کھلے میدان میں مقابلہ

کرنا چاہئے، اس مرتبہ ان سے جہاد فرض ہے، ان کی اس سلسل تقریروں سے لوگوں کی ڈھارس بندھی، ادھر شہر میں سرکاری اعلان ہو گیا کہ کوئی شخص حکومت کی اجازت اور پروانہ کے بغیر شہر نہیں چھوڑ سکتا، اس بھاگنے کا سلسلہ بند ہوا، ادھر سلطان مصر کی روانگی کی بھی اطلاع ملی جس سے لوگوں کو مزید اطمینان ہوا۔

مصر کا سفر

ربیع الثانی میں پھر تاتاریوں کی آمد آمد کی خبر گرم ہوئی، اور اطلاع ملی کہ وہ مقام بصرہ تک پہنچ گئے ہیں، شہر میں جہاد کا اعلان عام ہو گیا، تاتاریوں کے آگے بڑھنے کی اطلاعیں پہلے درپے آ رہی تھیں، لوگوں کو تسکین دی گئی، اور کہا گیا کہ اپنا کام کجی سے کریں، سلطان مصر سے روانہ ہو چکے، دفعۃً یہ اطلاع ملی کہ سلطان نے فسخ عزیمت کر دی، یمن کرجمے ہوئے قدم اکھڑ گئے، اور لوگ اپنے اپنے اہل و عیال کو مصر اور دوسرے محفوظ مقامات کی طرف منتقل کرنے لگے، یہ حالت دیکھ کر ابن تیمیہ نائب لشام سے ملاقات کے لئے (جو دمشق کے باہر تاتاریوں کو روکنے کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا) تشریف لے گئے انھوں نے اس کو بہت اطمینان دلایا، اور فرمایا کہ ہم مظلوم ہیں، ہم کو ضرور فتح ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثَمَرٌ
اور جس نے اسی قدر بدلہ لیا جس قدر اسے تکلیف دی۔

بُغِيَ عَلَيْهِ لِيَنْصُرَهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ
لَکَفُّوْهُ (الحج - ۶۰)

مرد کرے گا، بیشک اللہ درگزر کرنے والا متاع کرنے والا ہے

نائب شام اور امراء نے ان سے درخواست کی کہ وہ خود مصر جائیں، اور سلطان کو ملک شام کی حفاظت اور تاتاریوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ کریں، چنانچہ وہ ڈاک کی سواری سے مصر روانہ ہوئے، ان کے پہونچتے پہونچتے سلطان قاہرہ میں داخل ہو چکا تھا، ابن تیمیہ نے سلطان کو بڑی غیرت دلائی اور فرمایا کہ اگر شام تمہاری سلطنت میں داخل نہ ہوتا، اور بحیثیت سلطان مصر و شام کے تم پر اس کی

براہ راست ذمہ داری نہ ہوتی جب بھی اگر اہل شام تم سے مدد مانگتے تو تمہیں ان کی مدد کرنی ضروری تھی، چہ جائیکہ شام تمہاری سلطنت کا ایک صوبہ اور تمہاری حکومت کا ایک اہم جزو ہے، اگر تم کو شام کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں تو صاف کہہ دو ہم اپنا انتظام خود کر لیں اور کسی کو وہاں کا حاکم منتخب کریں، جو خطرہ کے وقت اس کی خدمت و حفاظت کرے، اور معتدل حالات میں اس سے فائدہ اٹھائے، ابن تیمیہ نے سلطان کو یقین دلایا کہ اس مرتبہ فتح مسلمانوں ہی کی ہوگی، وہ آٹھ دن تک قلعہ مصر میں مقیم رہے، اور جہاد اور تاتاریوں کے مقابلہ کی ترغیب دیتے رہے۔

ابن تیمیہ کی اس ایمان افروز اور یقین آفریں گفتگو اور مخلصانہ مساعی کا نتیجہ ہوا کہ سلطان دوبارہ شام کے لئے آمادہ ہو گیا، اور مصری افواج جہاد کے لئے روانہ ہو گئیں، ابھی اہل دمشق یمن کر پوری طرح خوش نہیں ہونے پائے تھے کہ تاتاریوں کے قریب آ جانے اور سلطان کی واپسی کی اطلاع پہونچ گئی، غضب یہ ہوا کہ حاکم شہر ابن النحاس نے منادی کرادی کہ جس میں سفر کی طاقت ہو وہ دمشق سے ضرور چلا جائے، یمن کر شہر میں ہلچل مچ گئی، بازار بند ہو گئے، لوگ جنگلوں اور میدانوں کی طرف بھاگنے لگے، ہر شخص کی زبان پر تھا کہ اہل دمشق کی قسمت میں تو دشمن کا لقمہ بنا لکھا ہے، بڑے بڑے علماء اور دمشق کے اعیان و شرفاء نے شہر سے کوچ کیا، ان کے متعلقین پہلے جا چکے تھے، سربراہ آوردہ اور معزز لوگوں میں دمشق میں گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے، شہر میں اعلان ہوا کہ جس کی نیت جہاد کی ہو، وہ لشکر سے جا ملے، اس لئے کہ تاتاری قریب آ گئے ہیں، جو علماء باقی تھے، جن میں ابن تیمیہ کے چھوٹے بھائی شرف الدین ابن تیمیہ بھی تھے، انھوں نے نائب السلطنت کو ہمت دلائی، اور مہنا، امیر عرب کو بھی جہاد پر آمادہ کر لیا، اسی عرصہ میں ابن تیمیہ مصر سے واپس آ گئے، انھوں نے سلطان کی آمادگی اور ارکان سلطنت کے عزم جہاد کی خوشخبری سنائی، ادھر یہ اطلاع ملی کہ سلطان تاتار نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور دریائے فرات عبور کر کے عراق پہنچ گیا،

تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ ورا بن تیمیہ کا کارنامہ

جب شہر میں بادِ ثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ تاتاری اس مرتبہ شام کا عزم مصمم رکھتے ہیں لوگوں میں اس خبر سے ایک اضطراب پیدا ہوا، نمازوں میں قنوت نازلہ کا اہتمام کیا گیا، اور بخاری شریف کا ختم ہوا، لوگ حسبِ عادت مصر اور محفوظ مقامات کا رخ کرنے لگے جس قدر سلطان مصر اور مصری افواج کی آمد میں تاخیر ہوتی جاتی تھی لوگوں کا اضطراب بڑھتا جاتا تھا، بالآخر ۸ شعبان کو مصری فوج کا ایک بڑا حصہ مورتر کی امراء کی قیادت میں پہنچا، پھر دوسرا دستہ پہنچا اور لوگوں میں سکون پیدا ہوا، لیکن دوسرے مقامات سے پناہ گزینوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور شمالی شہروں سے بکثرت لوگ پناہ اپنا شہر چھوڑ کر دمشق میں آنے لگے مختلف قسم کی افواہیں بھی پھیلنے لگیں، امراء شام نے جمع ہو کر دشمن کے مقابلہ کا عہد کیا اور قسم کھائی اور شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ کوئی شہر چھوڑ کر نہ جائے، ابن تیمیہ نے دمشق سے باہر جا کر لشکر کو اس کی اطلاع دی اور ان سے بھی اس بات کی قسم لی، وہ امراء اور عوام سے قسم کھا کر کہتے تھے کہ تم اس مرتبہ ضرور فتح پاؤ گے ان کو اس کا اس قدر یقین تھا کہ اگر کوئی کہتا کہ انشاء اللہ تو کہتے، تو فرماتے کہ انشاء اللہ تحقیقاً (انقلیقاً) وہ فرماتے تھے کہ ہم مظلوم ہیں اور مظلوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ثُمَّ بُعِيَ عَلَيْهِ لِيَنْصُرَهُ اللَّهُ (الحج - ۶۰) جس پر یزید نے کی جائے گی اس کی اللہ ضرور مدد کرے گا

اس لئے اس وعدہ خداوندی کی رو سے ہماری فتح یقینی ہے، اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے۔

اس وقت ایک سوال یہ چھڑ گیا کہ تاتاری بہر حال مسلمان ہیں، اس لئے ان سے جنگ کرنے کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ وہ نہ کافر ہیں نہ باغی ہیں، باغی اس لئے نہیں ہیں کہ کبھی وہ مسلمان امیر کی اطاعت میں

داخل ہی نہیں ہوئے، اس لئے بغاوت کا بھی سوال نہیں، پھر ان سے جنگ کس بنیاد پر کی جائے؟ علماء کو اس بارہ میں تردد ہوا، ابن تیمیہ نے کہا کہ وہ خوارج کے حکم میں ہیں، خوارج نے سیدنا علیؑ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف بغاوت کی تھی، وہ اپنے کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، یہ تاتاری اسی طرح دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے کو حکومت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ حق و انصاف کو قائم کر سکتے ہیں، وہ مسلمانوں پر گناہوں اور مظالم کا الزام لگاتے ہیں اور خود اس سے کہیں بڑھ کر افعال شنیعہ اور حرکات ناشائستہ کے مرتکب ہیں، ان کی اس توضیح سے علماء کو اطمینان ہو گیا، اور یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا، ان کو اس بارہ میں اتنا وثوق اور اطمینان تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر تم مجھے بھی اس حال میں تاتاریوں کی صف میں دیکھو کہ قرآن مجید سر پر رکھا ہے، تب بھی مجھے قتل کر دینا، اس سے لوگوں کا تردد دور ہوا، اور ان کے حوصلے بلند ہوئے۔

دمشق میں بڑی سراسیمگی تھی، سلطان کی آمد کی اطلاع نہ تھی، شامی و مصری فوجوں کے جنگ کرنے کا یقین نہ تھا، تاتاریوں کی آمد کی اطلاع دم بدم مل رہی تھی، لوگ دوسرے شہروں سے بھاگ بھاگ کر دمشق میں پناہ لے رہے تھے، سارا شہر پناہ گزینوں سے بھرا ہوا تھا، ابن تیمیہ لشکر گاہ جانے کے لئے چلے تو راستہ ملنا مشکل تھا، جن لوگوں کو ان کے عزم کی اطلاع نہ تھی، انھوں نے طعنہ دیا کہ ہمیں تو آپ بھاگنے سے روکتے تھے، اور آپ خود دمشق سے فرار اختیار کر رہے ہیں؟ امام خاموشی سے سنتے ہوئے چلے گئے، شہر میں کوئی حاکم نہ تھا، اوباشوں اور بد معاشوں نے اُدھم مچا رکھی تھی، لوگ میناروں پر چڑھ چڑھ کر اسلامی لشکر کو تلاش کرتے تھے، اور قیاس آرائی کرتے رہتے تھے، ہر شخص اپنی قسمت کے فیصلہ کا منتظر تھا، جنگ ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر جنگ ہوتی ہے تو فتح کس کو ہوتی ہے؟ اگر خدا نخواستہ اسلامی لشکر شکست کھاتا ہے، تو پھر مسلمانوں کا کہیں ٹھکانا نہیں، اور عزت و آبرو، جان و مال کی خیر نہیں، غرض :-

وَاذْذَاعَتْ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتْ الْقُلُوبُ اور جب آنکھیں تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ يَا أَيُّهَا الْقُلُوبُ مَا هَذَا إِلَّاهُ
اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس
موقع پر ایمان دار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیئے گئے۔

کا نقشہ تھا۔

ابن تیمیہ شامی لشکر میں پہنچے تو امراء لشکر نے ان سے خواہش کی کہ وہ آگے بڑھ کر سلطان سے
ملیں اور ان سے جلد تشریف آوری کی درخواست کریں ابن تیمیہ نے سلطان سے ملاقات کی ابن تیمیہ کی
گفتگو سے ان کا عزم بچتہ ہو گیا اور وہ ابن تیمیہ کی معیت میں لشکر گاہ میں آئے سلطان نے ان سے خواہش
کی کہ جنگ کے موقع پر وہ سلطان کے ساتھ ہوں ابن تیمیہ نے کہا کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کے جھنڈے
کے نیچے جنگ کرے ہم شامی لشکر سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اسی جھنڈے کے نیچے جنگ کریں گے انھوں نے
سلطان کو دوبارہ جہاد کی تلقین کی اور کہا کہ خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فتح ہماری ہی ہے
اس موقع پر بھی امراء نے ان کو یاد دلایا کہ انشاء اللہ تمہیں فتح ملے گی فرمایا: انشاء اللہ تحقیقاً لا تعلیقاً

۲۹ شعبان جمعہ کی شب کو رمضان کا چاند ہو گیا اہل دمشق نے تراویح کی تیاری کی رمضان کی ستر
بھی تھی اور دشمن کا خوف اور استقبال کا اندیشہ بھی جمعہ کا دن بہت سخت گزرا سینچر کو لوگوں نے میناروں سے
دیکھا کہ لشکر کی جانب گرد اور سیاہی ہے وہ سمجھ گئے کہ آج ہی مقابلہ ہے دعاؤں کی کثرت ہوئی عورتیں
اور بچے کوٹھوں پر ننگے سر کھڑے تھے اور شہر میں ایک غلغلہ تھا سینچر ۲ رمضان کو ظہر کے بعد سلطان کا فرما
جامع مسجد میں پڑھا گیا کہ سینچر کے دن دو گھنٹہ کی گزلیں شامی اور مصری فوجیں سلطان کی ہمرکابی میں
صف آ رہی ہیں گی مسلمان اللہ سے فتح و نصرت کی دعا کریں اور قلعہ اور شہر بنیاد کی حفاظت میں مستعد رہیں
۲ رمضان کو شوق کے میدان میں ایک طرف شامی مصری فوجیں دوسری طرف تاتاری لشکر
صف آ رہا ہوا ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ مجاہدین کو روزہ کھول لینا چاہئے تاکہ جنگ کی طاقت پیدا ہو
وہ ایک ایک علم اور ایک ایک دستہ کے پاس خود جاتے تھے ان کے ہاتھ میں کھانے کی کوئی چیز تھی

وہ ان کو دکھا کر افطار کرتے تھے اور حدیث سناتے تھے کہ:-

انکم ملا قد اعد وغدا افطار اذی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل شہین سے
تمہارا اتفاق ہونے والا ہے اور روزہ نہ رکھنے کی
حالت میں تم زیادہ قوی ہو گے۔

جنگ شروع ہوئی سلطان خود بنفس نفیس لشکر میں موجود تھا خلیفہ عباسی ابو الریح سلیمان سلطان کے
پہلو میں تھے بالآخر دونوں لشکر آپس میں گٹھ گئے اور جنگ کا بازار گرم ہوا سلطان نے بڑی ثابت قدمی دکھائی
اس نے اپنے گھوڑے کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں کہ بھاگنے نہ پائے اس نے اللہ سے اس موقع پر عہد کیا
سخت محرم ہوا بڑے بڑے ترکہ امراء کام آئے بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تاتاریوں کے قدم اکھڑ گئے
رات کو تاتاریوں نے ٹیلوں پہاڑوں اور ٹیکریوں پر پناہ لی مسلمانوں نے رات بھر پہرہ دیا اور ان کو بھاگنے
نہیں دیا اور اپنے تیروں پر رکھ لیا بکثرت تاتاری قتل ہوئے صبح مسلمان ان کو رسیوں میں باندھ کر لاتے
تھے اور گردن اڑا دیتے تھے بھاگنے والوں میں سے ایک کثیر تعداد گھائیوں اور خطرناک جگہوں میں گر کر اور
بہت سے دریاؤں فرات میں ڈوب کر ہلاک ہوئے۔

دوشنبہ ۴ رمضان کو ابن تیمیہ دمشق میں داخل ہوئے لوگوں نے ان کا بڑا استقبال کیا ان کو
مبارکباد اور دعائیں دیں۔

شنبہ ۵ رمضان ۷۵۷ھ کو سلطان اعیان سلطنت خلیفہ اور افواج شاہی کے ساتھ منصوبہ
وکامران دمشق میں داخل ہوا۔

انکار بدعات اور ازالہ منکرات

تاتاریوں کے قصہ سے فرصت پا کر ابن تیمیہ نے حسب معمول سابق پوری سرگرمی کے ساتھ درس تدریس

اشاعت سنت اور ردِ بدعات کا کام شروع کر دیا، اور شرک و جاہلیت کے خلاف جہاد میں مشغول ہو گئے، جو ان کا محبوب مشغلہ اور زندگی کا ایک بڑا مقصد تھا، اس زمانہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اختلاط اور فاسد العقیدہ اور جاہل مفتداؤں کی تعلیم سے مسلمانوں میں بہت سے ایسے اعمال آگئے تھے، جو جاہلیت کی یادگار اور شرک بت پرست اقوام کا شعار تھے، دمشق کے نواح میں نہر قلوٹ کے کنارہ ایک چٹان تھی، جس کے متعلق مختلف قسم کی روایات مشہور تھیں، یہ جہلاء اور توہم پرست مسلمانوں کے لئے ایک فتنہ بن گیا تھا، مسلمان جاتے تھے، اور وہاں تھیں مانتے تھے، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کو مزدوروں اور سنگ تراشوں کے ساتھ وہاں خود گئے، اور اس کو کاٹ کر شرک کے اس دروازہ کو بند کر دیا، اور ایک بڑا فتنہ ختم ہوا۔

وہ شریعت اور سنت کے خلاف جو عمل دیکھتے، اس کو حتی الامکان اپنے ہاتھ سے بدل دینے اور روکنے کی کوشش کرتے، اس لئے کہ ایمان کا یہ اعلیٰ درجہ اور دینی حمیت کا اولین تقاضہ ہے۔

میراثی منکر متکراً فلیغیرہ بیدہ
فمن لم یستطع فلیسانہ فمن لم
یستطع فقلوبہ وذلك اضعف
الایمان۔
تم میں سے جو کوئی خلاف شرع امر (منکر) دیکھے وہ
اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے جو ایسا نہ کر سکے وہ اپنی زبان
سے اس کی مخالفت اور اصلاح کرے جو ایسا بھی نہ کر سکے
وہ اپنے دل سے اس کی مخالفت کرے اور ضعیف
ترین ایمان ہے۔

حکام کو امور سلطنت سے فرصت نہ تھی، علماء بعض اوقات بہت سی چیزوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے، اور بعض اوقات انکار و مخالفت کرتے جھجکتے تھے، اس لئے ابن تیمیہ کو اکثر یہ کام خود انجام دینا پڑتا تھا، ان کے ساتھ ان کے تلامذہ و محبین کی ایک جماعت تھی جو ان کی مددگار اور رفیق تھی، اس لئے انھوں نے اعزازی طور پر حسبہ اللہ ایک طرح کا شرعی اور اخلاقی احتساب قائم کر رکھا تھا اور

بتدعین و مخالفین سنت، حکام کی نگرانی اور علماء کے عتاب سے اگر کچھ بھی جاتے تھے تو اس شرعی پولیس کی نظر سے نہیں بچ سکتے تھے۔

جب شہر ہی کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک پیر مرد جو اپنے کو المجاہد ابراہیم بن القطان کہتا تھا لایا گیا جو بہت لمبی چوڑی گدڑی پہنے ہوئے تھا، بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے، لبس منہ پر آرہی تھیں، گالی اور فحش کثرت سے کہتا تھا، اور نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی کرتا تھا، ابن تیمیہ نے اس کی گدڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا حکم دیا، سب طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور اس کا تار تار تبرک ہو گیا، سر کے بال اور لبس ترشوائیں، ناخن کٹوائے، فحش گوئی اور نشہ اس کو توبہ کرائی گئی۔

اسی طرح ایک معمر شخص محمد انجبار البلساسی کے نام سے مشہور تھا، وہ حرام چیزوں کا استعمال کرتا تھا، یہودیوں، عیسائیوں کے پاس اس کی نشست و برخاست تھی، خوابوں کی تعبیر دیتا تھا، اور ان مسائل و علوم میں دخل دیتا تھا، جن کا علم نہیں رکھتا تھا، ابن تیمیہ نے اس کو بھی طلب کرایا، اور اس سے بھی ان تمام افعال سے توبہ کرائی، ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ واقعات بھی ایک طبقہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔

لمحدین و مفسدین کے خلاف جہاد

داخلی اصلاح کے علاوہ ابن تیمیہ ان مفسدین سے بھی غافل نہ تھے، جنھوں نے ایسے ہر موقع پر جب مسلمان کسی ترغیب میں آئے، مسلمانوں کو زک پہنچانے اور دشمنان اسلام سے ساز باز کرنے میں کمی نہیں کی، اگرچہ ۶۹۹ھ میں انھوں نے نائب السلطنت الافرم کی معیت میں جرد و کسروان جا کر وہاں کے بدین، شرارت پسند قبائل کی تادیب و تنبیہ کی تھی، اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے توبہ اور آئینہ انحراف سے باز رہنے اور سلطنت کے نظام اور حکام اسلام کے تابع رہنے کا وعدہ کیا تھا، مگر پچھلے تجربوں سے

معلوم ہوا کہ وہ شرارت سے باز نہیں آئے اور ان کی مزین تہیہ گوشتی کی ضرورت ہے اور ہر خطرہ کے موقع پر ان سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہے چنانچہ ذی الحج کے اوائل میں ابن تیمیہ اپنے تلامذہ و احباب کی ایک جماعت کی رفاقت اور نقیب الاشرف زین الدین ابن عدنان کی محبت میں دوبارہ جرد و کسران کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ کی ان میں کی ایک بڑی تعداد نائب ہوئی اور اس نے احکام اسلام کی پابندی اختیار کی جرد کے علاقہ کے روافض (باطنی اسماعیلی حاکمی و نصیری) قبائل نے کھلم کھلا مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا، صلیبیوں اور تاتاریوں کو مسلمان ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اور ان کو سہولتیں بہم پہنچائی تھیں مسلمانوں کی بے بسی اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازیاں کی تھیں اور مسلمانوں کو دشمنوں کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا تھا، ابن تیمیہ کے غیور اور باحمت دل پر اس کا بڑا داغ تھا، وہ ان دنی الفطرت اور شریر النفس منافقوں کو معاف نہیں کر سکتے تھے جنہوں نے ایسی کٹھن گھڑیوں اور نازک وقت میں مسلمانوں کو تنگ اور ذلیل کیا، اور ان کے حریفوں کی مدد کی، ابن تیمیہ نے ان کو ان جرائم اور اس غدار کی پوری پوری سزا دینی چاہی اور اس کا انتظام کرنا چاہا کہ آئندہ کسی جنگ یا خطرہ کے موقع پر وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں، انہوں نے السلطان الناصر (سلطان مصر و شام) کو ان کی طرف توجہ دلائی اور ان کی شرارتوں اور خطرات سے آگاہ کیا، ایک خط میں انہوں نے سلطان کو لکھا کہ :-

”جب تاتاریوں نے شام کا رخ کیا تو ان بد باطنوں (نصیریوں اور اسماعیلیوں) نے اسلامی افواج کے ساتھ بڑی بد سلوکیاں کیں یہ وہی ہیں جنہوں نے اہل قبرص (عیسائیوں) کو پیغام بھیجا، او ساعل شام کے ایک حصہ پر ان کو قبضہ دلایا، اور صلیب کا جھنڈا خود اٹھا کر لے چلے، اور مسلمانوں کے گھوڑوں، ہتھیاروں اور قیدیوں کی اتنی تعداد انہوں نے قبرص پہنچائی جس کا علم صرف اللہ کو ہے، بیس دن تک نچاسہ کا بازار لگا رہا، جس میں مسلمان اور گھوڑے اور ہتھیار اہل قبرص کے ہاتھ (جو

صلیبی اور مسلمانوں کے حریف تھے) بکتے رہے، تاتاریوں کی آمد پر انہوں نے گھئی کے چراغ جلائے اور جب تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی فوجیں مصر سے روانہ ہوئیں تو ان کے چہرے فق ہو گئے جب اللہ تبارک تعالیٰ نے سلطان کی آمد پر مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی تو ان کے یہاں صفت تام بچھ گئی، یہ اور اس سے بڑھ کر بھی چیزیں ان کے یہاں پیش آئیں، یہی جنگیز خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے تھے، یہی ہلاکو کے بغداد پر تسلط، حلب کی بربادی، اور صاحبیہ کی غارتگری کا سبب تھے، اس کے علاوہ ان کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی کے اور بہت سے واقعات ہیں۔

ان کے پڑوس میں جو مسلمان رہتے ہیں، وہ بڑی مصیبت میں مبتلا تھے، ہر رات ان کی ٹولی پہاڑ سے اترتی، اور وہ فساد برپا کرتی جس کو اللہ ہی جانتا ہے، یہ ڈکے ڈالتے، پر امن شریف گھرانوں کو پریشان کرتے اور جرائم کا ارتکاب کرتے، قبرص کے عیسائی ان کے علاقہ میں آتے تو یہ ان کی میزبانی کرتے اور مسلمانوں کے ہتھیار ان کے حوالہ کرتے، چونیک اور صراح مسلمان ان کو ملتا یا تو اس کو قتل کر ڈالتے یا اس کا سب کچھ چھین لوٹ لیتے، شاذ و نادر ہی کوئی ان سے بچ کر نکلتا۔

۵۷۰ھ میں ۲ محرم کو وہ ایک مہم کے ساتھ ان مفسدین و ملحدین کے خلاف جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوئے ان کے پیچھے نائب السلطنت ایک لشکر کے ساتھ دمشق سے روانہ ہوا، اور جرد کے علاقہ اور روافض و تیمار کے پہاڑوں پر چڑھائی کی، سرکش قبائل کی اچھی طرح سرکوبی کی گئی اور اس پورے علاقہ کو جو بہت دشوار گذار اور محفوظ تھا، صاف کر دیا گیا، ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا کہ بنی النصیر کی طرح ان کے باغات کے درخت کاٹنا درست ہے، اس لئے کہ یہ اس میں کمین گاہ بناتے ہیں، اور یہ ان کے فوجی اڈے اور سازش کی جگہیں ہیں، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کی موجودگی اور شرکت سے بڑی خیر حاصل ہوئی اور اس موقع پر ان کے علم و شجاعت کا بڑا ظہور ہوا، اسی کے ساتھ ان کے دشمنوں کے دل حسد اور غم سے لبریز ہو گئے۔

رفاعیوں سے مناظرہ

۹۔ جمادی الاول ۵۸۷ھ کو رفاعی فقراء کی ایک جماعت کثیر نائب السلطنت کے پاس حاضر ہوئی، ابن تیمیہ بھی تشریف لائے رفاعیوں کا مطالبہ تھا کہ ابن تیمیہ کو ان پر اپنے احکام جاری کرنے سے روک دیا جائے اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، ابن تیمیہ نے جواب دیا کہ ایسا ممکن نہیں، ہر شخص کو کتاب و سنت کے ماتحت ہو کر رہنا پڑے گا، جو اس سے قدم باہر نکالے گا، اس کی تردید اور مخالفت ضروری ہے، رفاعیوں نے اس موقع پر اپنی حقانیت اور مقبولیت ثابت کرنے کے لئے اپنے کچھ کرتب دکھانے چاہے، ان کا دعویٰ تھا کہ ہم پر آگ اثر نہیں کرتی، ہم آگ میں کود کر دکھاتے ہیں، اگر ہم صحیح سالم نکل آئیں تو تسلیم کر لیا جائے کہ ہم برسر حق ہیں، اور مؤید من اللہ، ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ شیطانی حالات ہیں، اور ان کا کچھ اعتبار نہیں، یہ صنف شعبہ بازی اور مکر و فریب ہے، جو شخص آگ میں کودے پہلے حمام میں اس کو غسل دیا جائے، اور اس کے جسم کو سرکہ اور گھاس سے اچھی طرح دھویا، منجھا جائے، پھر آگ میں گھسے اور اپنا کمال دکھائے، اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی شخص غسل کے بعد آگ میں گھستا ہے تو وہ اگر اہل بدعت میں سے ہے تو اس وقت بھی اس کا کچھ اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو دجال سمجھا جائے گا، اس موقع پر ایک رفاعی صوفی (شیخ صالح) کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ ہمارے یہ کرتب تاتاریوں کے یہاں چلتے ہیں، شریعت کے مقابلہ میں نہیں چلتے، لوگوں نے ان کی یہ بات پکڑ لی اور اس کو دلیل بنا لیا، آخر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ لوہے کے طوق اپنی گردنوں سے اتار دیں، اور جو کتاب سنت کی مخالفت کرے، اس کی گردن اڑا دی جائے، ابن تیمیہ نے اس کے بعد اس مسئلہ پر مستقل رسالہ تصنیف کیا جس میں طریقہ رفاعیہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی، اور ان کے حالات مسلک و تخیلات کا کتاب و سنت سے موازنہ کیا۔

۸۔ رجب کو علماء کی ایک مجلس میں جو نائب السلطنت کی موجودگی میں منعقد ہوئی تھی، ابن تیمیہ کے رسالہ "عقیدہ واسطیہ" پر بحث ہوئی، اور علماء نے ان سے سوال و جواب کئے، جس کے نتیجے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ان کا عقیدہ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہے، اور ان کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کے مکان پہنچا دیا گیا، عوام کی ایک بڑی تعداد شمعیں ہاتھوں میں لئے ہوئے ان کے رکاب میں چل رہی تھی، جو اظہار عقیدت کا اس زمانہ میں ایک طریقہ تھا۔

ابن تیمیہ کی مخالفت، اور مصر طلبی

دشمن میں ابن تیمیہ کی ایک طرح کی دینی سیادت قائم ہو گئی تھی، وہ اگر دیکھتے تھے کہ حکومت کسی بدعت یا فعل منکر کے روکنے میں تساہل سے کام لے رہی ہے، اور علماء خاموش ہیں تو وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور خود شرعی احکام کا اہتمام کرتے، ان کے ساتھ عقیدت مند تلامذہ اور دیندار اور صحیح العقیدہ عوام کی ایک بڑی جماعت تھی، اور ان کا حلقہ اثر بڑھتا جا رہا تھا، اہل علم کی ایک جماعت کو ان کا یہ دینی عروج اور شخصی اثر پسند نہیں آیا، اور ان کو اس میں ان کی خود سری نظر آئی، اس نے ان کے حامیوں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا، جو ان کے زوال کا متمنی، اور ان کی اہانت کے درپے تھا، ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

وكان للشيخ تقي الدين ابن تيمية من حشد كثر من علماء
جماعة يحدونه لبقائه
عند الدولة وانفرادة بالأمر بالمعروف
والنهي عن المنكر وطاعة الناس له
ومحبته لهم وكثرة اتباعه وقيامه
شيخ تقي الدين ابن تيمية من حشد كثر من علماء
جماعة يحدونه لبقائه
عند الدولة وانفرادة بالأمر بالمعروف
والنهي عن المنكر وطاعة الناس له
ومحبته لهم وكثرة اتباعه وقيامه

عقیدہ وحدۃ الوجود کی تردید

ادھر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ عقائد کی بحث دوبارہ چھڑ گئی اور بحث و مباحثہ کی مجلسیں منعقد ہوئیں۔ اس سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ وہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مسلک وحدۃ الوجود کی برتاؤ کر رہے تھے، مصر و شام میں ان کے معتقدین و متبیین کا بہت بڑا گروہ تھا، اور علماء و مشائخ کی ایک بڑی جماعت تھی جو ان کو نہایت بلند پایہ عارف و محقق، امام مشرب توحید اور شیخ اکبر مانتی تھی، ابن تیمیہ کا خیال تھا کہ ان کی تحقیقات و الہامات انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور توحید کی اس تعلیم کے بالکل معارض ہیں، جو ہر سنی نے اپنے وقت میں دی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آخری وضاحت اور تکمیل فرمائی، اور جو صاف صاف قرآن و حدیث سے سمجھ میں آتی ہے اور لفظی و معنوی توازن کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے، شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے ۶۳۸ھ میں (ابن تیمیہ کی ولادت سے ۲۳ سال پیشتر) وفات پائی تھی، ان کی کتابیں خصوصاً فتوحات مکبہ اور فصوص الحکم عام طور پر متداول تھیں، اور علمی حلقوں میں وقت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، ابن تیمیہ نے فلسفہ اور تصوف و اشراق کا دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، اور اس سلسلہ میں فتوحات و فصوص کو بھی پڑھا تھا، وہ اپنی کتابوں میں جا بجا ان کتابوں کے اقتباسات نقل کرتے ہیں اور ان کی تردید کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ براہ راست تھا، وہ ان لے البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۵۲ ایک مجلس میں جو ۸ رجب کو نائب السلطنت کے یہاں منعقد ہوئی شیخ کی موجودگی میں العقیدۃ الواسطیہ پڑھا گیا، اور اس پر بحث ہوئی اس کے بعد دو مجلسوں میں شیخ صفی الدین الہندی اور علامہ کمال الدین ابن الزکانی سے بحث و مذاکرہ ہوا، اور ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے خلاف نہیں ہے اور شیخ نہایت عزت و حرمت کے ساتھ گھر واپس ہوئے، عوام متعلیٰں ہاتھ میں لئے ہوئے ساتھ تھے (ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۱۱)۔

کتابوں کے مطالعہ سے اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ ان کتابوں کی تعلیمات اور نبوت کی تعلیمات میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں، وہ شیخ ابن عربیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ابن عربیؒ اور ان کے تبعین کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہی ہے، وہ کہتے ہیں، مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے، وہ دو متغائر موجودوں کے قائل نہیں، جن میں سے ایک دوسرے کا خالق ہو، بلکہ کہتے ہیں کہ خالق ہی مخلوق ہے اور مخلوق ہی خالق ہے، وجود میں رب و عبد کی کوئی تفریق نہیں، وہاں نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مخلوق، نہ کوئی داعی نہ کوئی مجیب، وجود کا جب اعیان پر فیضان ہوا، اور اس نے ان کے اندر ظہور کیا تو اعیان کی حیثیت سے اس میں تنوع اور تفریق پیدا ہوئی، جیسے کہ روشنی مختلف الالوان شیشوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے، اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ گویا سالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو جو ٹوکا تھا تو اس بات پر کہ انھوں نے اس گویا پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی) اس لئے کہ موجود تو ایک ہی ہے (مخالفت کیوں کی؟ ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام ان عارفین میں سے تھے جو ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسر حق تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ، بلکہ وہ عین حق تھا۔

صاحب فصوص کا کہنا ہے کہ فرعون کو چونکہ (کوئی طور پر) منصب حکومت حاصل تھا، اور وہ صاحبِ وقت تھا تو اس نے بجا طور پر انا ربکم الاعلیٰ کہا، اس لئے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت سے ارباب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیونکہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جادو گروں کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کا اعتراف کیا، اور کہا اِخْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذَا

لہذا اقوم علی ما فی کتاب فصوص حکم ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۱ ان سب قوال کو انھوں نے صاحب فصوص کی طرف منسوب کیا ہے۔

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا“ (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کر و تم اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لئے
فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ اَنَا رَبُّكُمْ اَعْلٰی“ اگرچہ فرعون عین حق پر تھا۔

ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی کافر قوم کی تصویب و تعظیم جنہوں نے
پتھروں کی پرستش کی وہ کہتے ہیں کہ ان (بت پرستوں نے) درحقیقت اللہ ہی کی عبادت کی تھی اور
یطوفان دراصل معرفت الہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے۔^{۲۵}
معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے زمانہ میں ”وحدت وجود“ کے عقیدہ میں حد درجہ کا غلو پیدا ہو گیا تھا
اور لوگ اس سلسلہ میں شریعت، عقل و اخلاق کے حدود پھلانگ گئے تھے اور ایک بحرانی کیفیت
پیدا ہو گئی تھی، ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

”اس سلسلہ میں ایک جماعت (جس کو علم کلام، فلسفہ اور تصوف سے واقفیت تھی) بہت زیادہ
گمراہ ہوئی، ان میں سے ابن سبعین، صدر الدین قونوی (تلمیذ ابن عربی) اور ملیانی، اور تلمسانی خاص
طور قابل ذکر ہیں، ان میں تلمسانی اس مسئلہ کے علم و معرفت میں سب سے بڑھا ہوا تھا، وہ مذہب
وحدة الوجود کا صرف قائل نہ تھا، بلکہ اس پر عامل بھی تھا، چنانچہ شراب پیتا تھا، اور محرت
کا ارتکاب کرتا تھا، (کہ جب موجود ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسی؟)

مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی سے فصوص الحکم کا درس لیتے تھے اور اس کو
اولیاء اللہ اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے، جب انہوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے

لے الفرقان بین الحق والباطل ص ۱۴۷ ایضاً ص ۱۴۸، یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ
شیخ اکبر کی کتابوں اور علوم کے اشتغال رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں بالخصوص فصوص الحکم
میں کثرت سے احکامات اور اضافات کئے گئے ہیں، دمشق میں شیخ احمد کارون لعل جو شیخ کے عاشق اور ان کے علوم کے

حاملین میں سے تھے، بڑے جزم و وثوق سے فرماتے تھے کہ فصوص کا نہائی حصہ یا بیشتر حصہ اسحاقی وجے اصل ہے ۱۲۔

مضامین تو قرآن شریف کے صریح مخالف ہیں، تو انہوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن مجید
کے مخالف ہے تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے اس لئے کہ وہ رب و عبد
کے درمیان فرق کرتا ہے، توحید تو ہمارے کلام میں ہے، اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ
وہ ثابت ہوا ہے، جو صریح عقل کے خلاف ہے۔^{۲۶}

”ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا اگر ایک مردہ
کتے کے پاس سے ہوا جس کو خارش تھی، تلمسانی کے رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذات خداوندی ہے؟ اس نے
جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے، ہاں سب کے سب اس کی ذات کے اندر ہیں۔^{۲۷}

”بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں حلال اور ماں کیوں حرام ہے؟
اس محقق نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں، لیکن ان محبوبین نے (جو توحید حقیقی سے
نا آشنا ہیں) کہا کہ ماں حرام ہے؟ ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم (محبوبین) پر حرام ہے۔^{۲۸}

شیخ الاسلام نے ^{۲۹} کو شیخ ابو الفتح نصر المنجی کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انہوں نے ظاہر
کیا کہ وہ قائلین وحدة الوجود کے ضرر کو راہ خداوندی کے سالکین سے دفع کرنا قریب قریب انتہائی
ضروری سمجھتے ہیں کہ جتنا تاریخوں کا مقابلہ اور ازالہ، شیخ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ دعوت انبیاء کا
مقصد بلکہ خلق و انزال کتب ارسال رسل کا مقصد یہی ہے کہ دعوت و اطاعت صرف اللہ کی ہو،
”اَنْ يَكُوْنَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ“ اس کا مقصد مخلوقات کو اپنے خالق کی طرف دعوت دینا ہے، ان اتحادیوں
نے سالکین کے لئے اس توحید کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے صحیفے نازل کئے، اور اپنے انبیاء کو
مبعوث فرمایا، اس اتحاد کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے، جس کا نام انہوں نے ”توحید“ رکھا ہے اور اس کی
حقیقت صانع (جل مجدہ) کو معطل قرار دینا اور خالق (عز اسمہ) کا انکار ہے، میں ابتداء میں شیخ ابن عربی

لے الفرقان بین الحق والباطل ص ۱۴۷ ایضاً ص ۱۴۸ الرد الاقوم علی فصوص الحکم ص ۲۲

کے ساتھ حسن ظن رکھتا تھا، اور ان کی میری نگاہ میں بڑی عزت تھی، اس لئے کہ ان کی تصنیفات "فتوحات مکیہ" کہ "الحکم المربوط، الدرۃ الفاخرۃ، مطالع النجوم" وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد اور نکات ملتے تھے، لیکن اس وقت تک مجھے ان کے مقصود کی حقیقت کا علم اور خصوصاً احکام وغیرہ کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا، ہم اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ مذاکرہ اور طلب حق میں مشغول تھے، اور اس کی پیروی کرتے تھے، اور حقیقت طریق معلوم کرنا چاہتے تھے، جب حقیقت واضح ہو گئی تو ہم کو (اس سلسلہ میں) اپنا فریضہ اور کرنے کا کام معلوم ہو گیا، اس عرصہ میں مشرق سے معتبر مشائخ تشریف لائے، اور انھوں نے طریقہ اسلامیہ اور دین اسلامی کی حقیقت اور ان لوگوں (ابن عربی، صدر رومی، تلمسانی، ابن سبعین) کی حقیقت حال دریافت کی تو اس کی شرح و تفصیل ضروری معلوم ہوئی، اسی طرح سے اطراف شام سے کچھ مخلص و صادق طالبین و سالکین نے فرمایش کی کہ قائلین وحدۃ الوجود کے اقوال کا خلاصہ اور ان کا مدعا اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھا جائے، جناب والا اپنے نور قلب ذکاوت طبع، اخلاص اور اس خیر خواہی کے ساتھ جو اسلام و اہل اسلام اور برادران طریقت کے ساتھ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں کوئی ایسا قدم اٹھائیں، جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا، دنیا و آخرت میں اس کی مغفرت کی امید واثق ہو۔

اس کے بعد وہ بڑی تفصیل سے ان عقائد و نظریات اور مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں جو اتحاد و حلول کے بارہ میں سچی فرقوں (یعقوبیہ، نسٹوریہ، ملکائیہ) اور بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں (روافض اور جہمیہ) کے درمیان شائع و ذائع تھے، نیز اتحاد معین، اتحاد مطلق، حلول معین، حلول مطلق کی تشریح و تفصیل کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے قائل ہوئے، ان کا ذکر فرماتے ہیں، اس سے ان کی وسعت نظر اور مذاہب سابقہ سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے، پھر شیخ ابن عربی کا مسلک اور تحقیق بڑی تدقیق اور احتیاط کے ساتھ (جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے فتوحات و

فصوص کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، اور ان کے کلام کا سرا اور کلید ان کے ہاتھ آ گئی تھی جس سے ان کے علوم و خفائق کا سمجھنا ان کے لئے آسان ہو گیا تھا) بیان کرتے ہیں اس سلسلہ میں ان کا اور وحدۃ الوجود کے دوسرے داعیوں کا فرق اور ابن عربی کے قول کی حقیقت سمجھ میں آ جاتی ہے اسی کے ساتھ وہ اس کے نتائج اور لوازم فاسدہ بیان کرتے ہیں اور غایت بے تعصبی کے ساتھ ان کو شک احتمال کا پورا حق دیتے ہیں اور ان کے دوسرے اتحادیوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، ایک جگہ اسی خط میں لکھتے ہیں :-

لکن ابن عربی اقرب ہم الی الاسلام والحق
ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب ترین اور
کلامانی مواضع کثیرہ، فانہ یفرق بین
ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے اس لئے
المظاهر والظاہر فیکر الامور والنہی
وہ مظاہر اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں امر و نہی اور اثر و
والشرائع علی ما ہی علیہ، ویامر بالسلوک
واحکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں مشائخ نے جن اخلاق و
بکثیر مما امر بہ المشائخ من الاخلاق
عبادات کی تاکید کی ہے ان کو اختیار کرنے کا مشورہ
والعبادات ولہذا اکثر من العباد یمسکون
دیتے ہیں اس لئے بہت عابد و صوفی ان کے کلام
من کلامہ سلوک ہم فینتفعون بذالک
سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کے خفائق کو
وان کالو لا یفقهون حقائقہ ومن
اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں سے جو ان خفائق کو سمجھ لیتے
فہم ہما نہم ووافقہ فقد تبین قولہ
ہیں اور ان کی موافقت کرتے ہیں ان پر ان کے کلام
کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

وہذا المعانی کلھا ہی قول صاحب
یہ تمام مضامین صاحب فصوص کے اقوال ہیں اللہ تعالیٰ
الفصوص واللہ تعالیٰ اعلم بہامات
ہی کو علم ہے کہ ان کا حاکم کس چیز پر ہوا، اللہ تعالیٰ

الرجل عليه والله يغفر لجميع المسلمين
تمام مسلمان مردوں اور عورتوں زندہ و مردہ کی
المسلمات والمؤمنين والمومنات
مغفرت فرمائے لے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے
الاحياء منهم والاموات ربنا اغفر لنا
ان... بھائیوں کی مغفرت فرمائے جو ہم سے پہلے ایمان
ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان
کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی
ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين امنوا
طرف سے کھوٹ نہ رکھ لے ہمارے پروردگار تو بڑی
ربنا انك رؤوف رحيم
شفقت والا مہربان ہے۔

پھر صدر رومی کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "هذا بعد عن الشريعة والاسلام" اس کے
بعد تلمسانی اور ابن سبعین کی پرزور تردید کرتے ہیں، وہ سب زیادہ ناراض تلمسانی سے ہیں جن کے
متعلق حمیت دینی میں ان کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے ہیں۔

واما الفاجر التلمساني فهو الخبيث
باقی رہا تلمسانی فاسق تو اس گردہ میں اس کی خبیث
القوم واعلمهم في الكفر فانه لا يفرق
سب سے بڑھی ہوئی تھی اور کفر میں وہ سب گہرا ہے
بين الوجود والثبوت كما يفرق ابن
اس لئے کہ وہ وجود و ثبوت کے درمیان اس طرح
عربی ولا يفرق بين المطلق والمعين
بھی فرق نہیں کرتا جس طرح ابن عربی کرتے ہیں اور
كما يفرق الرومي ولكن عند ما ثم
مطلق و معین میں تمیز کرتا ہے جس طرح صدر الدین
غيره ولا سوى بوجه من الوجوه وان
قنوی سے منقول ہے اس کا مسلک تو یہ ہے کہ خدا
العبد انما يشهد السوى ما دام محجوباً
کی ذات سے مخایر و ماسوا کا وجود ہی نہیں بندہ کو
فاذا انكشف حجاب رأى انه ما ثم غير
اگر ماسوی کا شاہدہ ہوتا ہے تو محض اس وقت تک

لہ مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنجی مندرجہ علماء العینین ص ۵۵ علامہ صدر الدین قنوی ص ۵۵ ایضاً ص ۵۵

تلمسانی اپنے معتقدین کے حلقہ میں العفیف التلمسانی کے لقب سے مشہور ہیں۔

يبين له الامور ولمذا كان يستحق جميع
جست تک کہ وہ محبوب ہے جب یہ حجاب رفع ہو جائیگا تو
المحرمات له
وہ دیکھے گا کہ ماسوی کا وجود نہیں اس وقت اس کو حقیقت

حال کا علم ہوگا، اسی بنا پر تلمسانی تمام مخلوقات کو الگ سمجھتا تھا۔

آخر میں وہ ایک نکتہ کی بات یہ لکھتے ہیں کہ:-

"فرقة جہمیہ کے متکلمین کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے اور اس فرقہ کے متعبدین (شاہیقین عبادت)
ہر چیز کی عبادت کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کے متکلم کے دل میں کوئی خدا پرستی اور شوق عبادت نہیں،
وہ اپنے کو سبھی صفات (صفات عدم و موات) سے موصوف کرتا ہے، لیکن متعبد کے دل میں
خدا پرستی اور عبادت کا جذبہ ہے اور قدرتی بات ہے کہ قلب موجود کی طرف مائل ہوتا ہے،
معدوم کی طرف نہیں اس لئے اس کو (مجبوراً) مخلوقات کی پرستش کرنی پڑتی ہے، یا تو وجود مطلق
کی یا بعض مظاہر کی جیسے آفتاب، ماہتاب، انسان، بُت وغیرہ، اس طرح اتحادیوں کا قول
(وحدة الوجود) دنیا کے ہر شرک پر حاوی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل و عامل نہیں
بلکہ اس قدر مشرک کی توحید کے قائل ہیں جو اس کے اور مخلوقات کے درمیان ہے، اس لئے
وہ دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر بناتے ہیں "وهم بربهم بعد لوت" اسی بنا پر ایک معتبر
شخص کا بیان ہے کہ ابن سبعین ہندوستان جانے کا ارادہ رکھتا تھا لکھتا تھا کہ اسلام کی سرزمین میں
اس کی گنجائش نہیں، ہندوستان کے لوگ چونکہ مشرک ہیں، ہر چیز کی عبادت کرتے ہیں، یہاں
تک کہ درختوں اور جانوروں تک کی (اس لئے ان کے ساتھ اچھی گزریے گی) اور یہی اتحادیوں
کے قول کی حقیقت ہے، میں ذاتی طور پر کچھ لوگوں کو جانتا ہوں جو فلسفہ اور کلام کے ساتھ اشتغال
رکھتے ہیں، وہ انہی اتحادیوں کے طریق پر خدا پرست اور عابد بنتے ہیں، وہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت

لہ علماء العینین ص ۵۵ ہندوستان کے قدیم باشندے۔

بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں ہے، ویسا نہیں ہے، اور اس کی صفت میں مسلمانوں کی طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ مخلوقات کی طرح نہیں ہے، لیکن خالق کی ان صفات کا انکار کرتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے بیان کی ہیں، اور جب ان میں سے کسی پر ذوق اور وجد غالب آتا ہے تو اتحادیوں کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور کہنے لگتا ہے کہ تمام موجودات خدا ہی ہیں، جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کہاں تو وہ نفی (کہ خدا نہ ایسا ویسا) اور کہاں یہ اثبات (کہ سب موجودات خدا ہی ہیں) تو کہنے لگتا ہے کہ وہ میرا وجدان تھا، یہ میرا ذوق ہے، اس گمراہ سے کوئی کہے کہ جو ذوق اور وجد اعتقاد کے مطابق نہ ہو تو ان میں سے ایک یا دونوں باطل ہوں گے، اذواق اور مواجید درحقیقت معارف و اعتقادات کے نتائج ہیں، اس لئے کہ قلب کی معرفت اور اس کا حال دونوں متلازم ہیں، چنانچہ بقدر علم و معرفت کے وجد و محبت اور حال ہوتا ہے، یہ لوگ گمراہیاء و مرسلین علیہم السلام کا راستہ اختیار کرتے جنہوں نے اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کا حکم دیا اور اس کی وہی صفات بیان کرتے جو اس نے اپنی خود بیان کیں اور اس کے انبیاء نے بیان کیں اور سابقین اولین کی پیروی اختیار کرتے تو ہدایت کے راستہ پر چلتے اور یقین کی حلاوت اور قلب کی طمانیت ان کو حاصل ہوتی، کسی نے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات مفصل اور (جو صفات اس کے لائق نہیں) ان کی نفی مجمل ہے، "ان الرسل جاءوا باثبات مفصل ونفی مجمل" بخلاف اس کے بددین اہل تعطیل (جہمیہ و فلاسفہ جن سے اتحادی متاثر ہیں) نفی کے وقت تو خوب تفصیل سے کام لیتے ہیں، اور اثبات کے وقت محض اجمال پر اکتفا کرتے ہیں، قرآن مجید صفات ثبوت سے بھر پڑا ہے اور ان میں بڑی تفصیل ہے، "إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" "وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" "إِنَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ"

لے خود امام نے اپنی تصنیفات میں جا بجا یہ بات کہی ہے۔

وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا اور نفی کے موقع پر ایک جامع مانع بات یہ کہہ دی، "إِنَّهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ" "لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ" "هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا" "سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ" "وَسَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ"

اس عقیدہ سے جو اخلاقی فتنہ اور بد نظمی و لاقانونی پھیل رہی تھی، اور فساق اہل ہوس نے اس کو جس طرح آڑ بنا لیا تھا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

"اس عقیدہ کے مدعی خواہشات نفس، بوالہوسی اور اعتقادی خرابیوں کے جامع ہیں اور اس کا نتیجہ کہیں کہیں یہ ظاہر ہوا ہے کہ بعض لوگ لڑکوں کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے، اور یہ منظر جمال خداوندی ہیں، بعض بعض بوسہ دیتے ہیں، اور اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ تو خدا ہے، بعض لوگ اپنی اولاد پر دست درازی کرتے ہیں، اور الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

یہ وہ زمانہ تھا کہ الملک الناصر محمد بن قلاؤن برائے نام سلطان تھا، اور امیر رکن الدین بیک شنگیر مدار المہام اور سلطنت کے سیاہ سپید کا مالک تھا، جانشگیر شیخ نصر المنہجی کا معتقد و مرید تھا، اور ان کو شیخ ابن عربی سے بغایت اعتقاد تھا، شیخ کے متعلق ابن تیمیہ کے جو خیالات تھے، اور جن کا وہ تقریر و تحریراً وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے تھے، اس کی اطلاع مصر پہنچی رہتی تھی، اور یہ شیخ نصر المنہجی کی براہ فرخندگی کے لئے کافی وجہ تھی، جانشگیر جو عام ترک امراء کی طرح معمولی پڑھا لکھا اور فوجی اور انتظامی قابلیت کا آدمی تھا، اپنے شیخ کی رائے سے متاثر تھا، اور ابن تیمیہ کے متعلق وہی رائے رکھتا تھا، جو اس کے شیخ کی رائے تھی، شام سلطنت مصر کا ایک صوبہ اور کلیتہً اس کے ماتحت تھا، اور سلطان مصر کو ایسے تمام اشخاص کو طلب کرنے اور ان کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق تھا، جو اس کی رائے میں امن عامہ کے لئے مضریا کسی "شورش" کا باعث تھے، عام طور پر اس بارہ میں ذاتی رجحانات یا اہل دربار کی خواہشات کام کرتی تھیں،

لے الرد الاقوم علی فصوص الحکم ص ۵۲

اور اس وقت بھی صورت حال یہی تھی کہ مدارالمہام سلطنت کے شیخ و مفتی نصر المنہجی کو ابن تیمیہ سے کد تھی، اور وہ ان کو زک پہونچانا چاہتے تھے۔

ابن تیمیہ مصر میں

بہر حال ۵ رمضان ۷۲۸ھ کو ابن تیمیہ کی طلبی کا فرمان شام پہنچا، ان کے احباب و تلامذہ کو اس سے بڑی تشویش پیدا ہوئی، نائب السلطنت نے (جو ان کا ہمدرد اور معتقد تھا) ان کو روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ میں سلطان سے خط و کتابت اور معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن ابن تیمیہ سفر کے لئے آمادہ تھے، اور انھوں نے کہا کہ مصر کے سفر میں بہت سے مصالح اور منافع پیش نظر ہیں، بالآخر ان کے احباب معتقدین نے بادیہہ پریم ان کو رخصت کیا، مشاغلٹ کرنے والوں کا بڑا ہجوم تھا، اور لوگ بڑے متاثر تھے۔ دمشق سے چل کر انھوں نے غزہ کی جامع مسجد میں درس دیا، جس میں بڑا اجتماع تھا۔

اسیری و رہائی

۲۲ رمضان کو وہ مصر پہونچے، جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ قلعہ میں ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی، جس میں قضاة اور اعیان سلطنت شریک ہوئے، ابن تیمیہ نے وہاں گفتگو کا آغاز کرنا چاہا، لیکن ان کو اجازت نہیں دی گئی، بعض حاضرین نے ان کے عقائد و مسائل پر اعتراضات کئے، انھوں نے جب جواب دینے کے لئے حمد و ثنا کے ساتھ تقریر کا آغاز کیا تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کا خطبہ سننے کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں، انھوں نے دریافت کیا کہ میرے مقدمہ میں حکم کون ہے؟ کہا گیا کہ قاضی ابن مخلوف مالکی، انھوں نے کہا کہ آپ تو میرے لئے عقائد و مسائل وہی قدیمی کلامی مسائل تھے جن پر بارہا دمشق میں بحث ہو چکی تھی اور ابن تیمیہ نے مستقل کتابیں اور رسائل لکھے تھے مثلاً

استواء علی العرش کی حقیقت، کلام باری کی حقیقت اور حروف و صوت کی بحث ۱۷۸۸ھ میں ابن تیمیہ کے بڑے حریف اور مقابل تھے۔

حرافیت اور رد مقابل ہیں، آپ حکم کیسے بن سکتے ہیں؟ اس پر ان کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے ابن تیمیہ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا، جس کے نتیجہ میں وہ کچھ عرصہ برج میں قید رہے، پھر عید کی رات کو وہ شہر قید خانہ میں جس کو مصر میں "جُب" (کنواں) کہتے تھے، اپنے بھائی شرف الدین عبداللہ اور زین الدین عبدالرحمن کے ساتھ منتقل کر دیئے گئے، اگلے سال (۷۲۹ھ) میں عید کی رات نائب مصر اور بعض قضاة و فقہاء کی طرف سے اس بات کی سلسلہ جنبانی ہوئی کہ ابن تیمیہ کو آزاد کر دیا جائے، بعض حاضرین نے یہ شرط کی کہ وہ اپنے بعض عقائد سے رجوع کا اعلان کریں، ابن تیمیہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا، نتیجہ ان کو دعوت دی گئی کہ وہ خود آکر اس مسئلہ پر گفتگو کر لیں، مگر انھوں نے منظور نہیں کیا اور ان کا جواب یہی رہا کہ لَبَّيْكَ الْحَبِّ إِلَى مَقَائِدُ عُدَّتْ لِي الْيَوْمَ

بنائے اختلاف اور مسلک کی توضیح خود شیخ الاسلام کی زبان سے

خوش قسمتی سے خود شیخ الاسلام کا ایک مستقل رسالہ جس میں انھوں نے مصر کی مجلس مباحثہ، پھر جس اساتذہ کے واقعات، رہائی کی سلسلہ جنبانی اور انکار اور اپنے مسلک کی توضیح خود کی ہے، حال میں شائع ہوا ہے، اس رسالہ سے بہت سے نئے اور ضروری حالات پر روشنی پڑتی ہے، یہاں اس کے کچھ حصے جستہ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

”ایک دن میرے پاس داروغہ جیل آیا، اور اس نے کہا کہ نائب (مصر) سلام کہتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ آخر تک جیل میں رہنا ہے؟ کیا نکلنے کا ارادہ نہیں؟ کیا اب بھی آپ اسی بات پر قائم ہیں؟ میں نے

۱۷۸۸ھ اس مجلس کی سرگزشت خود امام ابن تیمیہ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھی ہے جو اٹھارہ کے نام سے حال میں شائع ہوا ہے۔ ۱۷۸۹ھ ابن کثیر رحمہ اللہ ایضاً ۱۷۸۹ھ یہ رسالہ دمشق کے مشہور کتب خانہ "الظاہریہ" میں شیخ کے برادر حقیقی اور رفیق زندان شیخ شرف الدین ابن تیمیہ کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا، ہمارے فاضل دوست شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ سابق امام حرم کی حسن سامی اور شیخ محمد نصیف کے اہتمام سے وہ چند دوسرے رسائل کے ساتھ شائع ہو گیا ہے جس کا نام "مجموعہ علمیہ" ہے۔

خیال کیا کہ اس شخص کی زبانی پیغام بھیجنا مناسب نہیں (کہ معلوم نہیں پورے طور پر ادا کر پائے یا نہیں؟) تو میں نے اس سے کہا کہ نائب صاحب کو سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بات کیا ہے، مجھے ابھی تک یہی معلوم نہیں کہ میں کس جرم میں قید کیا گیا ہوں اور میرا قصور کیا ہے، نیز اس پیغام کا جواب میں ملازمین کی زبانی نہیں دینا چاہتا، آپ اپنے معتبر لوگوں میں سے چار ایسے شخصوں کو بھیجیں جو سمجھدار بھی ہوں، اور راست گفتار اور امین بھی، تاکہ میں ان سے پوری بے کم و کاست بات کہہ سکوں، اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ اس قضیہ میں بہت دروغ گوئی اور تحریف سے کام لیا گیا ہے۔

اس کے بعد داروغہ آیا، اور اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص تھا، جس کو میں پہچانتا نہیں تھا، لیکن لوگوں نے بیان کیا کہ ان کا نام علماء الدین الطبری ہے، لوگ جو ان سے واقف تھے، ان کی تحریف بھی کرتے ہیں، لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر و تحمل اور تلخ بات سننے کی قوت عطا فرمائی ہے، اور ادنیٰ مخاطبے بھی میں انصاف کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں، چہ جائے کہ حکام اور ذمہ داران حکومت سے، لیکن انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے مطالبہ کے منظور کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں، انھوں نے ایک محضر بھی نکالا جس میں خلا واقعہ اور غلط باتیں لکھی تھیں، اور جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت تھی، میں جب ان کو اس کا جواب دیتا، اور پیغام سپرد کرتا، تو وہ کچھ سننے کے لئے تیار نہ ہوتے، اور اسی پر اصرار کرتے کہ میں اس مطالبہ کو منظور کر لوں اور وعدہ کروں کہ پھر اپنے مسلک کی طرف رجوع نہ کروں گا (اگرچہ قرآن و حدیث میں مباحثہ میں رفیق و لین کا حکم ہے، مگر جب ظلم کیا جائے تو شدت اور خودداری کا بھی حکم ہے) میں نے سلسلہ کلام میں ان سے کہا کہ اس معاملہ میں مجھے فیصلہ کا حق نہیں، یہ معاملہ اللہ اور رسول اور تمام عالم کے مسلمانوں کا ہے، مجھے اللہ کے دین کے تغیر و تبدل

کا اختیار نہیں، اور میں تمہاری اولیٰ دوسرے کی وجہ سے دین اسلام سے ہٹ نہیں سکتا، اور نہ کذب و بہتان کا اقرار کر سکتا ہوں۔

جب میں نے دیکھا کہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں تو میں نے سختی سے بات کی، اور میں نے کہا کہ یہ فضول باتیں چھوڑو، اور جاؤ اپنا کام کرو، میں تم سے اس کی درخواست نہیں کی تھی کہ تم مجھے جیل سے نکالو، اس وقت اوپر کا دروازہ بند تھا، میں نے کہا کہ دروازہ کھولو، میں جاتا ہوں گویا گفتگو ختم ہے۔

میں نے قاصد سے کہا تھا کہ میں نے ان مسائل میں جو کچھ لکھا یا کہا ہے، وہ ہمیشہ سوال و استفادہ کے جواب میں تھا، میں نے کسی سے اس مسئلہ پر ابتداء مرسلت نہیں کی، نہ کسی کو از خود مخاطب بنایا، ایک طالب حرم میرے پاس آتا ہے، اور بار بار مجھ سے سوال کرتا ہے، کیا از روئے دین اس کی گنجائش ہے کہ میں کتمان حق سے کام لوں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں منیٰ عن علم یعلمہ فکتہ المجمعہ اللہ یوم القیامۃ بلجام من النار اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنَةُ ۚ وَلَهُمْ أَلَامٌ عَظِيمٌ“

سے احتراز کروں تاکہ میرا انجام وہ ہو (جو آیت میں بیان کیا گیا ہے) کیا سلطان مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں، یا کوئی اور مسلمان لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ تم ان بے اصل باتوں کی بنا پر جو تم تک پہنچی ہیں، بادشاہ کے حکم کو آڑ بنانا چاہتے ہو۔

۱۔ جس شخص سے (دین کی) کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اس کو علم ہے اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے اور کتمان سے کام لے، اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالے گا۔

۲۔ بیشک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جو ہم نے نازل کر دیا ہے، اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا، یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (سورہ بقرہ - ۱۵۹)

اس پر قاصد نے کہا کہ جناب والا بادشاہ کا نام تو درمیان میں نہ لائیے کوئی بادشاہ کی شان میں گفتگو نہیں کرتا! میں نے کہا کہ جی ہاں اس وقت کوئی بھی بادشاہ کے معاملہ میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کرتا، یہ فتنہ اسی وجہ سے ہوا ہے یہ ہم نے شام ہی میں سن لیا تھا کہ یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ بادشاہ پر حرف زنی کی گئی ہے اور ان کو الزام لگایا گیا ہے، لیکن ہم سمجھتے تھے کہ کوئی بھی اس کو باور نہیں کرے گا۔

میں نے اس سے کہا کہ اس معاملہ کا نقصان مجھ پر عائد نہیں ہوگا، مجھے کس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے اگر میں اس مقدمہ میں قتل کر دیا گیا تو میں بڑے درجہ کی شہادت پاؤں گا، اور یہ میرے حق میں ایک بڑی سعادت ہوگی، قیامت میں مجھے راضی کیا جائے گا، اور جو لوگ اس میں ساعی بنیں گے، قیامت تک وہ لعنت کے مستحق ہوں گے، اس لئے کہ ساری امت محمدی کو معلوم ہے کہ میں حق پر مارا جا رہا ہوں جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا، اور اگر میں مجبوس کر دیا گیا تو خدا کی قسم میرا مجبوس ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت ہوگی اور مجھے کسی ایسی چیز کا بھی خوف نہیں جو لوگ مجھ سے چھین لیں گے، نہ کسی مدرسہ کی صدر مدرس یا اہتمام، نہ کوئی جائداد، نہ دولت، نہ حکومت، اور عہدہ اور نہ کوئی اور چیز، لیکن اس معاملہ کا ضرر تمہیں پر عائد ہوگا، اس لئے کہ جن لوگوں نے اس معاملہ میں شام میں بیٹھ کر ریشہ دوانی کی ہے میں جانتا ہوں کہ ان کا مقصود تمہارے خلاف سازش کرنا اور تمہارے دین و حکومت کو نقصان پہنچانا ہے، ان میں سے بعض تاتاریوں کے ملک میں گئے اور بعض اب بھی وہاں مقیم ہیں، انہی لوگوں نے تمہارے دین و دنیا کے بگاڑنے کا ارادہ کیا ہے اور مجھے محض آڑ بنایا ہے، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں اور تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہوں، اس معاملہ میں بہت سی باتیں ابھی تک سرسبزہ راز ہیں، وہ اپنے وقت پر منکشف

ہوں گی، ورنہ میرے اور مصر میں کسی کے درمیان نہ کوئی عداوت تھی، نہ مخالفت اور میں ہمیشہ سے اہل مصر کا محب اور ان کے حکام کا اور علماء کا حامی اور دوست رہا ہوں۔

اس نے کہا کہ میں نائب السلطان کو کیا جا کر جواب دوں؟
میں نے کہا کہ سلام کہنا اور پورا پیغام پہنچا دینا۔
اس نے کہا کہ آپ نے تو بہت سی باتیں کہی ہیں!

میں نے کہا کہ خلاصہ یہ ہے کہ اس محضر میں جو کچھ ہے اس کا بڑا حصہ جھوٹ ہے۔
البتہ یہ جملہ استوی حقیقہ (ضروری میں نے کہا ہے) اور مالکی اور غیر مالکی علماء میں سے متعدد نے لکھا ہے کہ اس پر اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے، اور اس کا سلف اور اس امت کے پیشواؤں اور اکابر علماء میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، بلکہ میرے علم میں تو کسی عالم نے بھی اس کا انکار نہیں کیا ہے تو میں ایسے اجماعی عقیدہ کو جس کا کسی عالم نے انکار نہیں کیا ہے کیسے چھوڑ دوں؟ علامہ ابو عمر ابن عبد البر کہتے ہیں "اہل السنة مجمعون علی الاقرار بالصفا الواردة کھا فی القرآن والسنة والایمان بہا وحملہا علی الحقیقۃ لا علی المجاز، الا انہم لا یكلفون شیئا من ذلك ولا یجوزون فیہ صفة محصورة، واما اہل البدع الجہمیۃ والمعتزلۃ کلہا والخوارج فکلہم یتکبرھا، ولا یحمل شیئا منها علی الحقیقۃ ویزعمون ان من اقربہا مشبہة وعند من اقربہا نافون للمعبود، والحق فیما قالہ القائلون بما نطق بہ کتاب اللہ وسنة رسولہ وھم ائمة الجماعة"
شیخ العارف ابو محمد عبدالقادر گیلانی "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں "وھو جمعیۃ العلوسو علی العرش محتوی علی الملک محیط علیہ بالاشیاء" آگے فرماتے ہیں "ولا یجوز وصفہ بان فی کل مکات بل یقال انہ فی السماء علی العرش کما قال الرحمن علی العرش استوی"

وینبغي لطلاق صفة الاستواء من غير تاويل وانا استواء الذات على العرش^{له}

ابن مخلوف (تاویل سے) جس عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں، وہ خود امام مالکان کے ائمہ اصحاب اور ابوالحسن اشعری اور ان کے ائمہ اصحاب کے نصوص کے خلاف ہے، ان سب نے اسی کی تصریح کی ہے جو ہم کہتے ہیں، اسی بنا پر حنابلہ اور اشعریہ کی مصاحمت ہو گئی، اور لوگوں کا اتفاق ہوا جب حنابلہ نے ابوالحسن اشعری کا قول دیکھا تو انھوں نے کہا کہ یہ الشیخ الموفقؒ کے قول سے بہتر ہے اور اس طرح دلوں کے کیے نکل گئے، اور فقہاء شافعیہ وغیرہ کی زبان سے نکلا کہ الحمد للہ علی اتفاق کلمۃ المسلمین۔

میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ "هو مستو علی العرش حقيقة بذات بلا تکلیف ولا تشبیه" اس نے کہا کہ اس کو آپ لکھ دیجئے اور اسی کی پابندی کیجئے، میں نے کہا کہ وہ انہی لفظوں میں اس عقیدہ میں لکھا ہوا ہے جو تمہارے پاس موجود ہے، اور اس پر دمشق میں بحث ہو چکی ہے، اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اب میں اس میں کیا اضافہ کروں؟

میں نے اس سے کہا کہ میں نے پچاس کتابوں سے زیادہ مہیا کی ہیں، جو تمام ترمذی، صوفیہ، متکلمین اور فقہاء مذاہب اربعہ کی کتابیں ہیں، سب میری مؤید ہیں، اور میں اپنے مخالفین کو تین سال کی مہلت دیتا ہوں کہ اس کے خلاف ایک حرف بھی ائمہ اسلام سے ثابت کر دیں، اب میں کیا کروں۔

جب طبری چلے گئے تو کچھ دیر کے بعد داروغہ آیا، اور اس نے کہا کہ نائب سلطان آپ کو سلام کہتے ہیں، اور کہتے ہیں آپ اپنے قلم سے اپنا عقیدہ لکھ دیجئے، میں نے کہا کہ نائب صاحب کو سلام کہو اور میری طرف سے عرض کرو کہ اگر میں اس وقت کچھ لکھوں گا تو کہنے والا کہے گا کہ شیخ نے اپنے عقیدہ سابق میں کمی زیادتی کی یا اپنا عقیدہ بدل دیا، اسی طرح جب دمشق میں انھوں نے عقیدہ کی تحریر کا مطالبہ کیا

لے شیخ نے اس موقع پر اس مضمون کی تائید میں اکابر علماء مذاہب اربعہ کی بہت سی نقول نقل کی ہیں، ان میں سے یہاں انہی دونوں نقول پر اکتفاء کی گئی۔ لے شیخ موفق الدین ابن قدامرجن کا رجحان حنابلہ میں تاویل کی طرف ہے۔

تو میں نے وہی چیز پیش کی جو پہلے لکھی جا چکی تھی، میں نے کہا کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو شام کی تینوں محلوں میں پڑھا جا چکا ہے، اور نائب شام سرکاری ڈاک کے ساتھ اس کو بھیج چکا ہے اور یہ سب تحریریں آپ کے پاس موجود ہیں، اور عقیدہ کوئی ایسی چیز نہیں جو میں اپنی طرف سے ایجاد کروں، یہاں تک کہ روزانہ ایک نئے عقیدہ کا اعلان کروں، میرا عقیدہ وہی ہے جس کا پہلے اظہار کر چکا اور تحریر وہی ہے جو آپ کے پاس موجود ہے، آپ اس کو دیکھ لیجئے۔

وہ واپس گیا اور پھر آیا اور کہا کہ آپ اپنے قلم سے کچھ لکھ دیجئے، میں نے کہا کہ میں کیا لکھ دوں؟ اس نے کہا کہ مثلاً معافی نامہ اور یہ کہ آپ کسی سے تعرض نہ کریں گے، میں نے کہا کہ ہاں مجھے یہ منظور ہے، کسی کو ایذا پہنچانا میرا مقصود نہیں، نہ کسی سے انتقام لینا چاہتا ہوں نہ کسی سے داروغہ کرنے کا ارادہ ہے، اور میں ہر اس شخص کو معاف کرتا ہوں جس نے میرے ساتھ زیادتی کی، میں نے یہ لکھ دینا چاہا پھر میں نے کہا کہ اس کے لکھنے کا دستور نہیں اس لئے کہ انسان کا اپنے حق کو معاف کر دینا کسی تحریر کا محتاج نہیں ہے۔

شیخ نصر المنہجی کو اس حقیقت حال کی اطلاع ضرور کر دینی چاہئے تاکہ اپنی تدبیر سے کچھ اس کی اصلاح اور انتظام کریں، میرا مقصود محض اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، جس چیز کا اصل خطرہ ہے وہ یہ کہ اہل مصر کے آپس کے اختلافات اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے اقوال سے کہیں فساد نہ برپا ہو جیسا کہ ابھی تک دیکھنے میں آیا ہے اور شام میں جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہے، حالانکہ شام میں اتفاق کی صورت مصر سے زیادہ ہے، اور میں بخدا فساد کی آگ بجھانے میں (خواہ مصر میں ہو خواہ کہیں اور) اعانت کرنے میں سب سے پیش پیش رہوں گا، اور خیر کے قائم کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہوں گا اور ابن مخلوف خواہ میرے ساتھ کیسا سلوک کریں میں حتی الامکان ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کو نفع پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کروں گا، اور ان کے دشمن کی ان کے مقابلہ میں کبھی مدد نہیں کروں گا، اور اصل بہارا اور مدد اللہ کی ہے، یہی میری نیت اور میرا عزم ہے، حالانکہ میں تمام امور اور حالات سے واقف ہوں

لیکن مجھے علم ہے کہ شیطان مومنین کے دلوں میں فساد ڈال دیتا ہے اور میں اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابل میں کبھی شیطان کا معاون نہیں بنوں گا۔

یہ چکر اور یہ پریشانی اسی طرح رفع ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے استغفار اور توبہ کی جائے اور سچے دل سے اس کی پناہ لی جائے "فانه سبحانه لا ملجأ منه الا اليه ولا حول ولا قوة الا بالله"

باقی رہا استغاثہ کا مسئلہ تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اور دین اسلام کا یہ بدیہی اور قطعی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کسی سے دعا، اور کسی سے استغاثہ اور کسی پر توکل جائز نہیں اور یہ کہ جس نے کسی مقرب فرشتہ یا مبعوث پیغمبر کی عبادت کی یا اس سے دعا کی یا اس سے استغاثہ کیا تو وہ مشرک ہے کسی مسلمان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ یہ کہے کہ اے جبرئیل، اے میکائیل، اے ابراہیم، اے موسیٰ یا رسول اللہ میری مغفرت فرمائیے یا مجھ پر رحم کیجئے یا مجھے رزق دیجئے، یا میری مدد فرمائیے یا میری فریاد سنئے یا میرے دشمن سے مجھے پناہ دیجئے اور اسی طرح کی باتیں بلکہ یہ سب خصائص الوہیت ہیں اور بڑے اہم اور مشہور مسائل ہیں جن کی علماء تشریح کر چکے ہیں اور اللہ اور رسول کے حدود اور حقوق میں فرق بیان کر چکے ہیں یہ اصول اسلام میں سے ہے تو اگر قصاص (ابن مخلوف) دین اسلام اور دین نصاریٰ میں امتیاز نہ کر سکتے ہوں جو حضرت مسیح اور ان کی والدہ محترمہ سے دعا کرتے ہیں تو پھر میں کیا کروں لیکن جو سیدہ نفیسہؓ کو رب بنالے اور کہے کہ وہ خود فرودہ کو پناہ دیتی ہیں اور مصیبت زدہ کی فریاد سنتی ہیں اور مدد کرتی ہیں اور وہ ان کے دامن عاطفت اور وجاہت میں ہے اور ان کا سجدہ کرتا ہے اور ان سے گریہ وزاری کے ساتھ ایسی ہی دعا کرتا ہے جیسے کہ

لے اس موقع پر شیخ نے اس مضمون کی آیات و احادیث جمع کر دی ہیں، ملاحظہ ہو رسالہ المحنة شامل رسالہ مجموعہ علیہ ص ۶۲-۶۳

سیدہ نفیسہ اہل بیت رسول میں سے ہیں اور ان کی قبر قاہرہ میں ہے جس کی عوام بڑی تعظیم کرتے ہیں۔

رب السموات والارض سے دعا کرنے میں گڑا کرتا ہے اور ایسے زندہ پر پھر و سہ کرتا ہے جس کا انتقال ہو گیا ہے اور اس زندہ پر پھر و سہ نہیں کرتا جو ہمیشہ زندہ رہے گا اور جس کو فنا نہیں تو اس میں شک نہیں کہ ایسی ہستی کو شریک کرنا جو سیدہ نفیسہ سے افضل ہے ان کو شریک کرنے سے زیادہ قوی ہوگا۔

باقی رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) مثلاً آپ کی محبت کا اپنے نفس متعلقین اور مال پر مقدم رکھنا، اور آپ کی تعظیم و توقیر اور احترام و عظمت اور اتباع و اطاعت اور آپ کی سنت کی پیروی وغیرہ وغیرہ تو وہ بڑے عظیم الشان ہیں اسی طرح سے دعائیں آپ کو وسیلہ بنانا مستحسن ہے باقی آپ سے دعا اور آپ سے استغاثہ (آپ کی دہائی دینا) تو وہ حرام ہے میں نے اس و صنوع (حقوق رسول) پر ایک کتاب "الصام المسلول علی شاتم الرسول" تصنیف کی ہے جس میں اس مسئلہ کی ایسی تحقیقات اور تفصیلات ہیں کہ میرے علم میں اس سے پہلے کسی تصنیف میں نہیں ملتی، اسی طرح سے ان اصول و قواعد ایمان کے بارہ میں بہت سے مضامین اور رسائل لکھ چکا ہوں جو دین کے بارہ میں مفید ترین چیزیں ہیں۔

شیخ (نصر) کی اطلاع میں یہ بات آجانی چاہئے کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ معاملہ کہیں ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے اور بے قابو نہ ہو جائے اور کوئی ایسی بات نہ پیش آئے جس کا نقصان ان کو اور ابن مخلوف وغیرہ کو برداشت کرنا پڑے اس لئے کہ مجھ سے ایسی بات کی فرمائش کی گئی ہے جو اس نقصان کا سبب بن سکتی ہے میں نے اس کو منظور نہیں کیا، اس لئے کہ میں ان کا مخلص ہوں، واللہ میں نے ان کے ساتھ کبھی فریب نہیں کیا، اگر فریب کیا ہوتا تو اس بات کا اظہار نہ کرتا (مجھ سے ایسی بات کی فرمائش کی جا رہی ہے جس میں ان کا نقصان ہے) میں ان دونوں کا نیکی اور خدا ترسی کے کام پر معاون ہوں۔

آپ یہ بھی ان سے کہہ دیجئے کہ وہ بنیاد جس پر معاملات درست ہو سکتے ہیں یہ ہے کہ ہر شخص

لے اس موقع پر شیخ نے توحید کی آیات و احادیث نقل کی ہیں، ملاحظہ ہو المحنة ص ۶۳

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور (رمضان کے) اس مبارک عشرہ میں توبہ کرے، جب قلوب اور اندرون درست ہو جائیں گے تو ظواہر خود بخود درست ہو جائیں گے، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الَّذِيْنَ هُمْ يُحْسِنُوْنَ

جیل کے اندر اصلاح و تعلیم اور اس کے اثرات

صاحب الکواکب الدریہ شیخ الاسلام کے معاصر اور رفیق درس شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

”شیخ جب مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ قیدی لہو و لعب اور تفریحات میں مشغول ہیں اور اسی طرح اپنا دل بہلاتے اور وقت کاٹتے ہیں، شطرنج، چوسر وغیرہ کا زور ہے، نمازیں بے تکلف قضا ہوتی ہیں، شیخ نے اس پر اعتراض کیا، اور قیدیوں کی نماز کی پابندی اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اعمال صالحہ، تسبیح و استغفار اور دعا کی طرف متوجہ کیا اور سنت کی تعلیم اور اعمال خیر کی ترغیب شروع کر دی، یہاں تک کہ علم و دین کی ایسی مشغولیت شروع ہو گئی کہ جیل خانہ بہت سی خانقاہوں اور مدارس سے زیادہ بار و تلق اور بابرکت نظر آنے لگا، لوگوں کو ان کی ذات سے ایسا تعلق اور جیل کی اس دینی و علمی زندگی سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ بہت سے قیدی رہائی پانے کے بعد بھی ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے، اور انہی کی خدمت میں رہنا پسند کرتے تھے۔“

چار مہینے کے بعد (۱۴ صفر ۱۲۸۵ھ) کو دوبارہ ان کی رہائی کی کوشش کی گئی، قاضی القضا بدر الدین بن جماعہ نے خود ان سے ملاقات کی، اور دیر تک گفتگو رہی، لیکن وہ نکلنے پر رضامند نہ ہوئے، بالآخر ۲۳ ربیع الاول کو امیر حرم الدین مہنا بن عیسیٰ ملک العرب نے خود جیل خانہ گئے، اور شیخ کو قسم دی

لے الکواکب الدریہ ص ۱۸۱ امیر حرم الدین عربی النسل امراء کے خاندان کے فرد اور شام کے ایک بڑے ذی وجاہت اور (باقی صفحہ پر)

اور اپنے ساتھ نائب مصر کے مکان پر لائے، امیر حرم الدین ان کو اپنے ساتھ دمشق لیجانا چاہتے تھے، لیکن نائب السلطنت نے مشورہ دیا کہ شیخ ابھی کچھ روز مصر میں قیام فرمائیں تاکہ لوگوں کو ان کے علم و فضل کا اندازہ ہو اور ان سے استفادہ کریں۔

ابن تیمیہ کی اخلاقی بلندی

اس عرصہ میں ابن تیمیہ کی سیرت کی بلندی اور نمایاں ہوئی، انھوں نے کسی طاقت کے سامنے گردن نہیں خم کی اور نہ کسی دنیاوی ترغیب یا مالی منفعت سے ان کا دامن داغدار ہوا، انھوں نے سلطانی خلعت اور عطایا عے سلطانی کے قبول کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔

ان کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے جیل سے باہر آتے ہی اپنے تمام مخالفین کو اور ان تمام لوگوں کو جنھوں نے ایذا رسانی کی کوشش کی تھی، بلا استثناء معاف کر دیا، اور اس کا صاف اعلان کر دیا کہ ان کو کسی سے کوئی شکایت نہیں اور نہ وہ کسی سے مواخذہ کریں گے، اپنی رہائی کے بعد انھوں نے شام جو خط لکھا تھا، اس میں فرماتے ہیں:-

تعلمون رحمۃ اللہ علیہم انی لا احب	اللہ تعالیٰ آپ کے راضی ہو آپ کو معلوم ہے کہ میں
ان یوذی احد من عموم المسلمین	نہیں چاہتا کہ عامہ مسلمین میں سے کسی کو بھی ایذا
فضلا عن اصحابنا شیء اصلاً لا ظاهراً	پہنچے کسی طرح کی بھی ظاہری یا باطنی، چہ جائے کہ
او باطناً، ولا عندی عتب علی احد	یہ پسند کروں کہ ہمارے احباب (علماء و اہل دین)

(باقی صفحہ کا) طاقت ور رئیس تھے، شامی ہونے کی وجہ سے وہ ابن تیمیہ کے مجاہدانہ کارناموں اور اصلاحی کوششوں سے نسبت مصریوں کے زیادہ واقف تھے، اس لئے انھوں نے ابن تیمیہ کی رہائی میں خاص دلچسپی لی، ان کے خلوص و علو خاندان اور حریت پسندی کی وجہ سے ابن تیمیہ نے بھی ان کی پیش کش قبول کی اور جیل سے باہر آنے پر آمادہ ہو گئے۔

منہم ولا یوم اصلہ بل لہم عندی من
الکرامۃ والاحلال والمحبة اضعاف
ماکان کل محبة ولا یخلو الرجل اما
ان یکون مجتہدا، او مخطئا، او مذنباً،
فالاول ماجور مشکور والثانی مع اجر
علی الاجتهاد معفو عنه والثالث فالدہ
یغفر لنا ولہ ولسائر المومنین۔

کو میری وجہ سے کوئی ایذا پہونچے، مجھے نہ کسی سے
شکایت ہے نہ کسی پر ملامت، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ
ان کی عزت و عظمت اور محبت میرے دل میں
پہلے سے کئی گنا زیادہ ہے، اور وہ ہر ایک مرتبہ کے
مطابق انسان (کسی شخص کے ساتھ اختلاف و
نزاع کرنے میں) یا تو مجتہد ہوتا ہے یا غلط کار
یا گنہگار مجتہد تو ثواب اور شکر کی دونوں کا مستحق
ہے، غلط کار قابل معافی ہے، رہا گنہگار تو اللہ
ہماری اس کی اور تمام مومنین کی مغفرت فرمائے۔

لا احب ان ینتصر من احد بسبب
کذب علی او ظلمہ او وعد وانہ فانی
قد احللت کل مسلم، وانا احب الخیر
لکل المسلمین، وارید لکل مؤمن من
الخیر ما اریدہ لنفسی والذین کذبوا
وظلموا ہم فی حل من جہتی۔

میں نہیں چاہتا کہ کسی شخص سے اس وجہ سے
انتقام لیا جائے کہ اس نے مجھ پر بہتان باندھا تھا
یا ظلم یا زیادتی کی، اس لئے کہ میں نے ہر مسلمان کو معاف
کر دیا ہے، اور میں تمام مسلمانوں کے لئے بھلائی
چاہتا ہوں، اور ہر مومن کے لئے اسی چیز کا طالب
ہوں جس کا اپنے لئے، وہ تمام لوگ جو جھوٹ
بولے اور جنہوں نے ظلم کیا، وہ میری طرف
سے بری الذمہ اور آزاد ہیں، میری طرف
سے کوئی مواخذہ نہیں۔

درس و افادہ

جیل سے آنے کے بعد ابن تیمیہ درس و افادہ میں مشغول ہو گئے، مصر کی فضا ان کے لئے ابھی
سازگار نہ تھی، علماء و قضاۃ نے ان کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں پھیلانے لگی تھیں، گروہ صوفیہ بھی
(جس میں توحید و جود کی کا ذوق اچھا خاصا پایا جاتا تھا) ان سے بدگمان اور آزدہ تھا، مذاہب اربعہ
میں سے صرف حنبلی اور عقائد میں سے صرف "عقیدہ سلف" کی وکالت اور نمائندگی کے لئے ملک میں کوئی
طاقتور اور مؤثر شخصیت موجود نہ تھی، ورنہ دوسرے مذاہب کے بڑے قاضی اور عالم موجود تھے، ان
سب وجوہ کی بنا پر ابن تیمیہ نے مصر میں کچھ عرصہ قیام اور درس و افادہ عام کا ارادہ کر لیا، اور ان کے
باقاعدہ اور بے قاعدہ درس اور مجالس شروع ہو گئیں، خالص علمی اور کلامی مسائل پر انہوں نے
قاہرہ کے مشہور مدارس بالخصوص صالحیہ میں کئی درس دیئے جن سے خواص نے فائدہ اٹھایا اور ان کے
اصلی خیالات و عقائد سے واقف ہوئے۔

اس درس و افادہ کا سلسلہ چھ مہینے جاری رہا، جس سے عوام و خواص نے دینی و علمی فائدہ اٹھایا
اور عام طور پر لوگ ان کے خلوص، غیر معمولی ذہن و دماغ اور علمی کمالات کے گرویدہ ہوئے۔

ابن تیمیہ کا خط والدہ کے نام

ابن تیمیہ کا مصر آنا اچانک ہوا تھا، اور یہ اندازہ نہ تھا کہ ان کو یہاں اتنے عرصہ قیام کرنا ہوگا
ان کی والدہ اور سارا کنبہ شام میں تھا، جو ان کی بخیریت واپسی کے لئے چشم براہ تھا، ابن تیمیہ نے دینی
مصالح کے پیش نظر جب کچھ عرصہ مصر میں قیام کا فیصلہ کیا تو انہوں نے والدہ محترمہ کو اس ارادہ کی

لے اتفاق سے اس وقت قاضی حنبلی بہت محدود علم و فہم کے آدمی تھے، اور ان کی وجہ سے خیالہ کا پہلو بہت کمزور تھا۔
(ملاحظہ ہو ابن کثیر ص ۱۳ ج ۱)

اطلاع دی اور ان سے اجازت طلب کی، یہ خط لطیف جذبات، پاک محبت، فرزندانہ سعادت مندی اور مردانہ حوصلہ مندی اور اولوالعزمی کا آئینہ ہے اور بے ساختہ اور بے تکلف زبان میں لکھا گیا ہے اس لئے پورا نقل کرنے کے قابل ہے وہ لکھتے ہیں:-

من احمد بن تیمیۃ الی الوالدۃ السیۃ
احمد بن تیمیۃ کی جانب سے مخدومہ والدہ صاحبہ کی
اقر اللہ عینہا بنعمہ واسیع علیہا
خدمت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے ان کی
جزیل کرمہ وجعلہا من امائہ و
آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور ان کو اپنے احسانات سے
الامال فرمائے اور ان کو اپنی مقبول بندیوں
خدمہ۔

میں شامل فرمائے۔

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس خدائے پاک
انا محمد الیکم اللہ الذی لا الہ الاہو
کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور
وہ لائق حمد و تائید ہے اور ہر چیز پر قادر ہے
وہو للحمد اہل، وہو علی کل شیء
اللہ تعالیٰ کا درود و سلام اپنے رسول اور بندہ
قدیر، ونسألہ ان یصلی علی خاتم
خاص جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
النبيين وامام المتقين محمد عبده
گرامی پر جو خاتم النبیین امام المتقین ہیں اور ان کے
ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی
آل پر۔
الہ وسلم تسلیماً۔

کتاب الیکم عن نعم من اللہ عظیمہ
میں یہ عرض ہے آپ کی خدمت میں لکھ رہا ہوں او
ومن کریمۃ والاعجیبۃ تشکر اللہ
حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر بڑی نعمتیں
علیہا ونسألہ المزیل عن فضلہ ونعم
بڑے انعامات اور بڑے عظیم الشان عطیے پاتا ہوں
اللہ کما جاءت فی نمو وازدیاد
جن پر اس کی بارگاہ میں شکر گزار اور مزید کا

وا یا دیہ جلت عن التعداد وتعلمون
طلب کارہوں اللہ کی نعمتیں روز افزوں اور
ان مقامنا الساعة فی هذه البلاد
اس کے احسانات لائے انداز ہیں آپ کی اطلاع
انما هو لامور ضروریۃ متی اعملناھا
کے لئے لکھ رہا ہوں کہ اس وقت ہمارا مصر میں
فسد علینا أمر الدین والدنیا ولسنا
قیام چند ایسے ضروری امور کی بنا پر ہے کہ اگر
واللہ مختارین للبعد عنکم ولو حملنا
ہم ان سے غفلت برتیں تو دین و دنیا کی خرابی
الطیور لسننا الیکم ولكن الغائب
اور نقصان کا اندیشہ ہے خدا کی قسم ہم اپنے
عذرہ معہ وانتم لو اطلعتہ علی
اختیار اور خواہش سے یہاں ٹھہرے ہوئے
باطن الامور فانکم۔ واللہ الحمد۔
نہیں ہیں اور ہم نے آپ سے دوری خود اختیاً
ما تختارون الساعة الا ذلك، ولم
نہیں کی ہے (اپنے جذبہ اور شوق کا حال
نعزم علی المقام والاستيطان شهراً
تویہ ہے کہ) جی چاہتا ہے کہ پر لگ جائیں اور
واحد اہل کل یوم نستخیر اللہ ولکم
ہم ار کر آپ کے پاس پہنچ جائیں لیکن دور افتادہ
وادعوا لنا بالخیرۃ فنسأل اللہ
کا صحیح صحیح حال اور اس کی معذوری سمجھ میں نہیں
العظیم ان یخیر لنا وللمسلمین ما فیہ
آسکتی، وہ اپنے حالات تو خود ہی جانتا ہے
الخیرۃ فی خیر وعافیۃ۔
اگر آپ کو حقیقت حال معلوم ہو جائے تو آپ
بھی (اپنے دینی شوق اور بلند ہمتی کی بنا پر) یہی
فیصلہ کریں گی کہ اس وقت میرا مصری میں
ٹھہرنا انسب ہے جہاں تک ہمارے ارادہ کا
تعلق ہے ہم نے ایک مہینہ بھی مصر میں قیام
کرنے اور سکونت اختیار کرنے کا کبھی غم نہیں کیا

بھی (اپنے دینی شوق اور بلند ہمتی کی بنا پر) یہی
فیصلہ کریں گی کہ اس وقت میرا مصری میں
ٹھہرنا انسب ہے جہاں تک ہمارے ارادہ کا
تعلق ہے ہم نے ایک مہینہ بھی مصر میں قیام
کرنے اور سکونت اختیار کرنے کا کبھی غم نہیں کیا

بلکہ ہم روزانہ اپنے اور آپ کے لئے اللہ سے خیر کی دعا کرتے رہتے ہیں آپ بھی ہمارے لئے اس کی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خیر مقدر کرے اور اسی چیز کا فیصلہ فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو۔

وقد فتح الله من ابواب الخير والبركة والهداية والبركة ما لم يكن يخطر بالبال ولا يدور في الخيال، ونحن في كل وقت مهمومون بالسفر مستغيثين الله سبحانه وتعالى فلا يظن الظان اننا نؤثر على قلوبكم شيئاً من امور الدنيا قط بل لانؤثر من امور الدين ما يكون قلوبكم ارحم منه ولكن ثم امور كبار نخاف الضرر الخاص والعام من اهمالها والشاهد يري ما لا يري الغائب والمطلوب كثرة الدعاء بالخيرة فان الله يعلم ولا تعلم ويقدر ولا تقدر وهو علام الغيوب وقال النبي صلى الله عليه وسلم من سعادة ابن ادم استخارته الله ورضاه

بلکہ ہم روزانہ اپنے اور آپ کے لئے اللہ سے خیر کی دعا کرتے رہتے ہیں آپ بھی ہمارے لئے اس کی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خیر مقدر کرے اور اسی چیز کا فیصلہ فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خیر و رحمت اور بکثرت کے ایسے ایسے دروازے کھولے ہیں جو پہلے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے ہم کو ہر وقت سفر کی فکر ہے اور اللہ سے استخارہ کرتے رہتے ہیں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم آپ کے قرب پر دنیا کی کسی دولت کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ دین کے امور میں بھی (نوافل وغیرہ کے درجہ کی چیزوں میں سے) کسی ایسی چیز کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں جن کے مقابلہ میں آپ کا قرب اور آپ کی خدمت دینی اعتبار سے افضل اور اعلیٰ ہے لیکن کچھ ایسے اہم امور و مسائل درپیش ہیں جن کے چھوڑ دینے سے ہم کو عمومی اور خصوصی ضرر کا اندیشہ ہے اور اس کا اندازہ اسی کو ہو سکتا ہے جو موقع پر پر موجود ہے تنبیہ کے بودماند دیدہ آپ سے درخواست ہے کہ اس کی دعا کثرت سے کریں کہ

بما يقسم الله له ومن شقاوة ابن ادم ترك استخارته الله وسخطه بما يقسم الله له والتاجر يكون مسافراً ومحتاج ضياع ماله فيحتاج ان يقيم حتى يستوفيه وما نحن فيه امر يعجل عن الوصف ولا حول ولا قوة الا بالله والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته كثير الكثر اوعلى سائر من في البيت في الكبار والصغار والاهل والاصحاب واحداً واحداً والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم تسليمًا

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ایسی چیز کا فیصلہ فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو (قیام یا سفر) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم بے خبر ہیں اسی کو صحیح اندازہ ہے ہم بے انداز ہیں وہ سب بھی دھکی چیزوں سے واقف ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی سعادت تیری یہ ہے کہ وہ اللہ سے خیر طلب کرتا ہو اور اس کا فیصلہ اسی پر چھوڑتا ہو اور پھر جو فیصلہ فرمائے اس پر راضی ہو جاتا ہو اور بخیر اور شقاوت ہے کہ وہ استخارہ اور خیر طلبی چھوڑ دے اور اس کے فیصلہ سے ناراض اور غیر مطمئن ہو والدہ صاحبہ آپ جانتی ہیں کہ تاجر بھی جب کبھی پردیس میں ہوتا ہے اور اس کی قمیص اور مال پھیلا ہوا ہوتا ہے تو وہ بھی اتنا انتظار کرتا ہے اور مجبوراً قیام اختیار کرتا ہے کہ وہ اپنی سب قمیص وصول کر لے اور اپنا مال سمیٹ لے اور ہم تو جس بڑے کام اور جس عظیم مقصد کے لئے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ تو چیز ہی کچھ اور ہے اس سے تجارت کو کیا نسبت؟ بس سب سہارا اور آسرا اللہ ہی کا ہے آپ پر اللہ کے

اور اس کی قمیص اور مال پھیلا ہوا ہوتا ہے تو وہ بھی اتنا انتظار کرتا ہے اور مجبوراً قیام اختیار کرتا ہے کہ وہ اپنی سب قمیص وصول کر لے اور اپنا مال سمیٹ لے اور ہم تو جس بڑے کام اور جس عظیم مقصد کے لئے ٹھہرے ہوئے ہیں وہ تو چیز ہی کچھ اور ہے اس سے تجارت کو کیا نسبت؟ بس سب سہارا اور آسرا اللہ ہی کا ہے آپ پر اللہ کے

تبلیغ کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی دہائی نہیں دی جاسکتی، اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے استغاثہ بھی درست نہیں، یہ شرکایت جب پیش ہوئی تو بعض علماء نے کہا کہ اس بات میں تو کوئی قباحت نہیں، قاضی القضاۃ نے صرف اتنا کہا کہ اس میں کچھ بے ادبی ضرور ہے، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ بات حدِ کفر تک پہنچتی ہے، اس لئے یہ شرکایت بھی بے نتیجہ رہی۔

مصر وحدت وجود کے عقیدہ اور خیال کا مستقل مرکز تھا، مشہور صاحب حال شاعر ابن الفارضؒ جنہوں نے ۶۳۲ھ میں وفات پائی اس خیال کے پر جوش داعی معلوم ہوتے ہیں، اور ان کے اشعار میں جابجا اس کے مضامین ملتے ہیں، ابن تیمیہ اس عقیدہ کی بر ملا تردید کرتے تھے، اور اپنے درس و مجالس میں ان اقوال و اعمال پر جرح و اعتراض کرتے رہتے تھے، جو ان کی تحقیق کے مطابق کتاب و سنت کے خلاف اور صوفیہ متاخرین کے اضافات میں سے ہے، وہ اپنی کتابوں میں جابجا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ عری بن مسافر اموی جیسے محقق و راسخ صوفیہ کرام کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں، لیکن اپنے معاصر مشائخ و صوفیہ پر تنقید کرنے سے تامل نہیں کرتے، جو ان کے اعتقاد کے مطابق فلسفہ یونان اور مصری و ہندی اشراق سے متاثر تھے، شیخ کی ان تقریروں اور تنقیدوں سے تصوف کے حلقوں میں برہمی پیدا ہوئی اور مصر کے مشہور شیخ طریقت ابن عطاء اللہ الاسکندری (صاحب الحکم) نے گروہ صوفیہ کی طرف سے حکام کے یہاں ابن تیمیہ کے خلاف نالاش کی ہصہ فیوں کا ایک بڑا گروہ خود قلعہ میں ابن تیمیہ کی شکایت کرنے گیا، سلطان نے ان شکایتوں سے متاثر ہو کر حکم دیا کہ "دار العدل" میں مجلس منعقد ہو، اور اس معاملہ کی تحقیق کی جائے اس مجلس میں ابن تیمیہ نے خود شرکت اور اپنے مقدمہ کی وکالت کی، ان کی مدلل اور پرزور تقریر سے سب لوگ خاموش ہو گئے، اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکی۔

لیکن ان کے خلاف شورش دلی نہیں، اب ان کے خلاف یہ الزام بھی تھا کہ وہ علانیہ اس بات کی

مگر اس روز روز کی شکایت اور شور و شریک سے حکومت تنگ آگئی تھی، اس نے شیخ کو تین امور میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کا مشورہ دیا، یا تو اپنے وطن دمشق چلے جائیں یا اسکندریہ میں قیام اختیار کریں، مگر دونوں جگہ ان کو بعض شرائط کی پابندی کرنی ہوگی، یا جیل جانا منظور کریں شیخ نے آخری شکل کو ترجیح دی، لیکن ان کے تلامذہ و احباب نے دمشق کے سفر کے لئے اصرار کیا، اور انھوں نے ان کے اصرار سے اس کو منظور کر لیا، اور ۱۸ سوال مسئلہ کو وہ روانہ بھی ہو گئے، لیکن اسی روز ان کو مصر واپس لایا گیا، اور کہا گیا کہ حکومت کی مصلحت یہی ہے کہ وہ جیل میں رہیں لیکن قضاة و علماء اس مرتبہ متزدد تھے کہ وہ کس الزام کے تحت جیل جائیں، قاضی مالکی شمس الدین التونسی نے صاف کہا کہ ان کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں ہو سکی، نور الدین مالکی کو بھی توقف تھا، اور وہ خاموش تھے، شیخ نے علماء و قضاة کی اس ذہنی کشمکش کو دیکھ کر خود فیصلہ کر دیا کہ وہ از خود جیل جانے کے لئے تیار ہیں، نور الدین الزواوی نے کہا کہ وہ ایسی جگہ رکھے جائیں، جو ان کے شایان شان ہو، حکومت کی طرف سے کہا گیا کہ وہ کوئی استثناء اور رعایت کے لئے تیار نہیں، الدولة ماتر ضی لا انجس (حکومت تو ان کو اسی جگہ رکھنا چاہتی ہے جس کا نام جیل خانہ ہے) چنانچہ قضاة کے مجلس میں ان کو بھیج دیا گیا، اور یہ اجازت دی گئی کہ ان کی خدمت کے لئے کوئی آدمی رہ سکتا ہے۔

اس مجلس میں ابن تیمیہ کے مشاغل و معمولات جاری رہے، یہ دراصل ایک نظر بندی کی شکل تھی،

۲۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوا بن کثیر ص ۱۱۱

طلبہ اور علماء ان سے ملاقات کر سکتے تھے اور استفادہ اور مذاکرہ کرتے تھے اہم مسائل میں ان سے فتویٰ بھی لیا جاتا تھا۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد مدرسہ صاحبیہ میں فقہاء و قضاة کا اجتماع ہوا اور ان کی منفقہ خواہش اور تجویز سے ابن تیمیہ کو رہا کر دیا گیا، لوگوں نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا، اور پہلے سے زیادہ ان کی طرف رجوع ہوا۔

سیاسی تغیر اور ابن تیمیہ پر سختی

دفعۃً مصر کے سیاسی حالات میں ایسا تغیر ہوا کہ ابن تیمیہ کے لئے مشکلات بہت بڑھ گئیں اور ان کے حریف کو ان کے خلاف آزادی سے ہر قسم کی کارروائی کا موقع مل گیا، اس وقت تک اصل سلطان مصر و شام ناصر بن قلاوون تھا، جو ابن تیمیہ کے علم و فضل اور خلوص کا معتقد اور ان کا ہمدرد تھا، ابن تیمیہ نے اس کو تاتاریوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا تھا، اور اس نے ان کی شجاعت، ایمانی قوت اور استقامت خود دیکھی تھی، شمس میں سلطان نے بہت سے اسباب کی بنا پر جو اس کی بددلی کا باعث تھے، سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کی، اور کرک میں قیام اور وہاں کی محدود حکومت پر قناعت کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس کے اس فیصلہ سے رکن الدین بیکس جانشین کے لئے تخت مصر خالی ہو گیا، اور اس نے اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا، اب وہ مصر و شام کا مطلق العنان فرمانروا اور اس کے شیخ نصر المنجی اس طویل و عریض سلطنت کے روحانی سرپرست اور شیر خاص تھے، ابن تیمیہ اپنے دینی عقائد و تحقیقات کے علاوہ (جو شیخ نصر المنجی کے رجحانات کے صریحاً مخالف تھے) خود سلطان ناصر بن قلاوون کے ہمدرد اور حامی سمجھے جاتے تھے، اس لئے ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے دینی اور سیاسی محرک دونوں جمع ہو گئے۔

چنانچہ اس تغیر کے بعد ہی ابن تیمیہ کی اسکندریہ جلاوطنی اور نظر بندی کا سرکاری فرمان صادر ہوا۔

اور وہ صفر ۷۲۸ھ کی آخری تاریخ کو اسکندریہ بھیج دیئے گئے، کہا جاتا ہے کہ حکومت کا ایک قصہ یہ بھی تھا کہ اس نئے شہر میں جو تصوف اور اہل تصوف کا قدیمی مرکز ہے، ممکن ہے کوئی شخص ان کا کام تمام کر دے اور حکومت بغیر کسی بدنامی اور الزام کے اس در دوسرے نجات پائے۔

لیکن اسکندریہ میں شیخ نے بہت جلد متقدمین و تلامذہ کا حلقہ پیدا کر لیا، اور ان کی طرف رجوع عام شروع ہو گیا، وہاں بھی وہ خاموش اور بے کار نہیں بیٹھے، کتاب سنت کی اشاعت اور شرک و بدعات کی تردید ان کا مشغلہ تھا، لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور اعتقاد پیدا ہو گیا، اور بہت جلد انھوں نے مقبولیت عام حاصل کر لی، ان کے بھائی شرف الدین ابن تیمیہ جو وہاں ان کے رفیق اور شریک زنداں تھے، اہل دمشق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

وانقلب اهل الثغر اجمعين الى الخ مقلبين
ابن اسكندرية كوبراء محترم کی طرف بڑی توجہ ہو گئی
عليه ملكهم له وفي كل وقت ينشرون
اور ان کے دل میل ان کی بڑی عزت اور ہر وقت کتاب
كتاب الله وسنة رسوله ما تقر به عين
وسنت کی اشاعت کرتے رہتے ہیں جس سے اہل ایمان کی
المومنين وذلك شجعي في حلق الاعداء.....
آنکھیں کھنڈی اور دشمنوں کو کوفت ہوتی ہے.....
واستقر عند عامة المومنين وخواصهم
شیخ کی محبت اور عظمت عام و خاص مومنین کے دل
من امير وقاض و فقيه ومفت و شيخ و
میں بیٹھ گئی ہے کیا حاکم، کیا قاضی، کیا فقیہ، کیا مفتی،
جماعة المجتهدين الامن شذ من
کیا شائخ اور جماعت مجتہدین سوائے بے خبر
الاعصار الجبال مع الذلة والصغار مبعبة
جاہلوں کے سب ان کے حلقہ گمبوش اور خفا ہو گئے
الشيخ وتعظيمه وقبول كلامه والرجوع
ہیں ان کا کلام پسند کرتے ہیں اور ان کے احکام کی
الى امره ونهيہ۔
تعمیل کرتے ہیں۔

اسکندریہ میں اس وقت فرقہ سبعینیہ کے خیالات اور وحدت وجود کے مسلک کا بڑا غلبہ تھا اور بعض اشخاص اس کے پرجوش داعی اور مبلغ تھے، خواص سے نکل کر عوام میں بھی یہ عقائد و افکار مقبول ہو رہے تھے، ان دقیق مسائل و مشابہات کا عوام کے اعمال و اخلاق پر جو خراب اثر پڑ سکتا ہے اور ان میں شریعت کے معاملہ میں جو بیباکی اور آزادی پیدا ہونی چاہئے، وہ پیدا ہو رہی تھی، ابن تیمیہ نے بڑی قوت اور جوش کے ساتھ اس کی تردید اور مخالفت کی، اور ان کے قیام کے زمانہ ہی میں جس کی مدت آٹھ مہینے سے زیادہ نہیں، ان کا زور ٹوٹ گیا، اور عوام و خواص ان سے منحرف ہو گئے، ابن تیمیہ نے ان میں سے بہت سے آدمیوں سے توبہ کرائی، اور ان کے ایک بڑے داعی اور اس خیال کے علمبردار نے بھی توبہ کی۔

اسکندریہ میں ابن تیمیہ کی قیام گاہ بڑی وسیع و خوش منظر تھی، اس کی ایک کھڑکی سمندر کی طرف کھلتی تھی، ایک کھڑکی شہر کی طرف، لوگ آزادانہ ان کے پاس آتے جاتے تھے، اور استفادہ و مذاکرہ کرتے تھے۔

رکن الدین جانشگیر کا زوال

ابن تیمیہ جانشگیر اور اس کے شیخ کے زوال کی علانیہ پیش گوئی کرتے رہتے تھے، اور فرماتے تھے، "زالت ایامہ وانتهت ریاستہ وقرب القضاء اجلہ" ابھی اس کی سلطنت کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سلطان ناصر بن قلاؤوں نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا، اور ۱۳ شعبان ۷۵۰ھ کو اس دمشق کا رخ کیا، اہل شام نے جن کو اس سے بہت گہرا تعلق خاطر تھا، پرجوش استقبال کیا، ۱۷ شعبان کو وہ بڑے نزک احتشام کے ساتھ دمشق میں داخل ہوا، دمشق سے اس نے مصر کا رخ کیا، اہل مصر نے بھی اس کے استقبال کی تیاری کی، رکن الدین جانشگیر نے حالات دگرگوں ہونے دیکھے، تو خود سلطنت سے استعفاء دے دیا، عید کے روز سلطان کی سواری مصر میں داخل ہوئی اور اس نے ۱۱ مہینے کچھ دن کی

بے تعلقی کے بعد عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی، جانشگیر نے مصر سے فرار اختیار کیا، ۱۷ ذی القعدہ کو امیر سیف الدین نائب شام کے ہاتھ آگیا اور مصر میں قتل کر دیا گیا۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ جانشگیر اپنی مددگار المہامی کے زمانہ میں بڑا مقبول اور باوقار و باہمیت وزیر سلطنت تھا، اس کی خود مختار سلطنت اور اس کا ادب و احترام ہی ساتھ شروع ہوا، اپنی سلطنت کا اعلان کرنے کے بعد ہی سے اس کا سارا کردار و اقبال مندی اور مقبولیت ختم ہو گئی، اور اس کے زوال کے دن شروع ہو گئے، اور بنتے ہوئے کام بگڑتے چلے گئے، مورخ مصر مفریزی نے صاف صاف لکھا ہے۔

وكان رحمه الله خيرا عفيفا كثير الحياء

مرحوم صاحب خیر محتاط، باحیاء، باوقار اور

واخر الحرمة جلیل القدر مهاب السطوة

صاحب شوکت امیر تھا، لیکن جب اس سلطان کا

في ايام امارته فلما تلقى بالسلطنة

لقب اختیار کیا اور بادشاہی کا خلعت پہنا اس کی

ورسم باسم الملك اتضع قدرا

شان میں کمی آگئی، اس کو کمزور سمجھا جانے لگا، لوگوں کے

استضعفت جانبه وطمع فيه وتغلب

اس کے خلاف جرأت پیدا ہوئی، امراء اور

عليه الامراء والمماليك ولم تنجح مقاصد

غلاموں نے خود سری اختیار کی، وہ اپنے مقاصد میں

ولا سعد في شيء من تدبيره الى ان

ناکام رہا، اور اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، یہاں تک کہ

انقضت ايامه واناخ به حمامه

اس کا دوڑ ختم ہوا، اور اس کا پیمانہ عمر بسر ہو گیا۔

کیا عجب ہے کہ اس کا غیر متوقع زوال ایک مخلص داعی حق کی مخالفت و ایذا کا نتیجہ اور اس مشہور شعر کی تفسیر ہوے

بس تجربہ کر دیم دریں دیر مکافات

با در کشاں ہر کہ در افتاد برافتاد

ابن تیمیہ کی رہائی اور شاہانہ عزت افزائی

ابن تیمیہ کے معاصر شیخ علم الدین البرزالی کا بیان ہے کہ سلطان جب عید کے دن مصر میں داخل ہوا ہے تو اس کو سب سے زیادہ عجلت اور فکر اس کی تھی کہ ابن تیمیہ کو رہا کر کے عزت و حرمت کے ساتھ مصر لایا جائے، چنانچہ اگلے ہی روز (۲ شوال ۷۲۸ھ کو) اسکندریہ ان کی طلبی کا پروانہ پہنچا، اور وہ ۸ شوال کو مصر کے لئے روانہ ہو گئے، ایک جم غفیر نے ان کو بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

ابن تیمیہ دربار شاہی میں پہنچے تو سلطان نے خود چند قدم بڑھ کر ان کا استقبال کیا سلطان کے ساتھ مصر و شام کے قضاة اور اکابر علماء بھی تھے، قاضی جمال الدین ابن القلانسی جو قاضی لشکر تھے، اور خود اس مجلس میں اس وقت موجود تھے ابن تیمیہ کی آمد اور سلطان کے استقبال کا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں:-

”جس وقت سلطان کو اطلاع ملی کہ ابن تیمیہ پہنچ گئے ہیں، وہ سر و قد کھڑا ہو گیا، اور ایوان سلطنت کے کنارہ تک چل کر آیا، وہاں دونوں کی ملاقات اور معانقہ ہوا، سلطان ابن تیمیہ کو لئے ہوئے قصر شاہی کی اس منزل کی طرف آیا، جس کی کھڑکی باغ کی طرف کھلتی ہے، وہاں دونوں تنہا ایک گھڑی بیٹھے بائیں کرتے رہے، پھر دونوں دربار کی طرف اس ہیئت سے آئے کہ شیخ کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں تھا، سلطان بیٹھ گیا، اس کے دائیں جانب ابن جماعہ قاضی مصر، بائیں طرف ابن انحلیلی وزیر سلطنت تھے، ابن تیمیہ سلطان کے سامنے اس کی مسند کے پاس بیٹھے تھے، وزیر نے اس وقت یہ درخواست پیش کی کہ اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) کو سفید عماموں کے استعمال کی اجازت حسب دستور سابق دے دی جائے، انھوں نے خزانہ شاہی کو سات لاکھ

سالانہ کی پیشکش کی ہے، یہ موجودہ ٹیکس کے علاوہ ہوگا، اس وقت اہل مجلس پر سکوت طاری تھا، قضاة و اکابر علماء سب خاموش تھے، اس میں علامہ ابن الزمکانی بھی تھے، سلطان نے قضاة و علماء کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ آپس بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ اس پر کبھی کسی نے کچھ نہیں کہا، اس موقع پر ابن تیمیہ اپنے گھٹنوں کے بل پر بیٹھ گئے اور بڑے جوش و غصہ کے ساتھ گفتگو کرنی شروع کی، اور وزیر پر سختی سے جرح کی، ان کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، اور سلطان ان کو نرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس وقت ابن تیمیہ نے اس طرح گفتگو کی کہ دوسرا شخص اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، انھوں نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ ”بڑے افسوس کی بات ہوگی کہ آپ کے اس پہلے دربار کا افتتاح اس کارروائی سے ہو کہ آپ فانی دنیا کی حقیر منفعت کے لئے اہل ذمہ کی مدد کریں، اللہ نے آپ پر کتنا بڑا احسان کیا کہ آپ کی کھوئی ہوئی سلطنت ملادی، آپ کے دشمن کو ذلیل و خوار کیا، اور حریفوں پر آپ کو فتح دی، سلطان نے یہ سن کر کہا کہ یہ قانون تو جانشگیر کا بنایا ہوا ہے ابن تیمیہ نے جواب دیا کہ یہ تو آپ ہی کے فرمان سے ہوا، جانشگیر تو اس وقت آپ کا نائب تھا، سلطان کو ابن تیمیہ کی حق گوئی

(باقی صفحہ ۱۰۲ کا) کچھ اقتیازی نشان ضروری ہے، صلیبی جنگوں کے بعد مصر و شام میں بکثرت ایسے عیسائی رہ گئے تھے جو دوسرے ملکوں سے آئے تھے، اور بیرونی حملہ آوروں کے لئے رضا کارانہ طریقہ پر جاسوسی کی خدمات انجام دیتے تھے، یوں بھی مسلمان سوائیٹیں گھس مل کر اپنے اثرات پھیلاتے تھے، ۷۲۸ھ کے واقعات میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ”رحمہ اللہ کو قاہرہ میں بڑے ہولناک طریقہ پر آگ لگی، خوبصورت مکانات، عالیشان محل اور بعض مسجدیں بھی اس کی زد میں آ گئیں، لوگوں پر اس حادثہ کا اتنا اثر تھا کہ مسجدوں میں قنوت نازلہ پڑھی گئی، بعد میں تحقیق ہوئی کہ بعض عیسائیوں کی شرارت تھی، اس وقت سے حکم صادر ہوا کہ عیسائی نیا لباس پہنیں، عماموں میں گھنٹیاں رکھیں اور کہیں ان سے کام نہ لیا جائے، اس پر آتش زنی کے واقعات کا سلسلہ ختم ہوا، ان تجربات کی بنا پر کچھ عرصہ سے مصر میں عیسائیوں کو حکم تھا کہ وہ زرد رنگ کے عمامے باندھیں، سلطان ناصر کی دوبارہ آمد پر عیسائیوں نے کوشش کی تھی کہ یہ قانون منسوخ ہو جائے۔“

لے پچھلے تلخ تجربوں نے علماء اسلام کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا تھا کہ اسلامی سلطنت کی غیر مسلم رعایا کے لباس میں (باقی صفحہ ۱۰۲ پر)

مصر میں سنت یوسفی

ابن القلانسی کا بیان ہے کہ ابن تیمیہ نے خود مجھ سے کہا کہ سلطان جب مجھے تنہائی میں لے گیا تو اس نے مجھ سے ان قضاۃ کے قتل کے بارے میں فتویٰ لینا چاہا جنھوں نے جاشنگیر کی حمایت کی تھی اور سلطان کی معزولی کا فتویٰ دیا تھا، اور وہ فتوے نکال کر دکھائے بھی، اس کے ساتھ مجھ سے یہ بھی کہا کہ انہی لوگوں نے آپ کے خلاف شورش برپا کی، اور آپ کو تکلیف پہنچائی، اس کا مقصد یہ تھا کہ میں اس سے متاثر ہو کر ان کے قتل کا فتویٰ دے دوں میں اس کا منشاء سمجھ گیا، اور میں نے ان قضاۃ و علماء کی مدح سرائی شروع کی، اور اس کی شدت سے مخالفت کی کہ سلطان کے ہاتھ سے ان کو کوئی گزند پہنچے، میں نے اس سے کہا کہ اگر آپ نے ان کو قتل کر دیا تو آپ کو ان کا بدل نہیں ملے گا، اس نے پھر مجھے مشتعل کرنے کے لئے کہا کہ انھوں نے تم کو نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کی اور بارہا تمہارے قتل کی سازشیں کیں، میں نے کہا جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے جس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اس پر میری طرف سے کوئی مواخذہ نہیں، میں اسے بالکل معاف کرتا ہوں، اور جس نے اللہ اور رسول کا قصور کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے خود انتقام لے گا میں اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتا میں برابر اس کو سمجھاتا رہا، یہاں تک کہ سلطان نے ان کا قصور معاف کر دیا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مصر میں ابن تیمیہ کے سب سے بڑے حریف و متقابل قاضی مالکیہ ابن مخلوف کہتے تھے کہ ہم نے ابن تیمیہ جیسا عالی ظرف و فراخ حوصلہ نہیں دیکھا کہ ہم نے تو ان کے خلاف سلطنت کو آمادہ کیا (اگرچہ ہمارا مقصد پورا نہیں ہوا) لیکن ان کو جب قدرت حاصل ہوئی تو ہم کو

صاف معاف کر دیا، اور اٹھ ہماری طرف سے وکالت اور مدافعت کی لے۔

مجلس سلطانی کے بعد شیخ قاہرہ میں آگئے، اور حسب معمول درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ کے کام میں منہمک ہو گئے، ان کی رہائی کا شہرہ سن کر شائقین علم اور ان کے محبین و معتقدین چاروں طرف سے امنڈ آئے، علماء شہر نے حاضر ہو کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا، اور معذرت کی، انھوں نے سب سے کہہ دیا کہ میری طرف سے سب کو معافی ہے، میرا کسی پر کوئی مطالبہ نہیں، اس طرف سے اطمینان پا کر اور یہ انداز کر کے کہ ان کو ابھی اپنے کام کی تکمیل کے لئے دارالسلطنت میں رہنا ہے، انھوں نے گھر ایک مفصل خط لکھا جس میں حالات کی اطلاع تھی، اور کچھ ضروری کتابیں طلب کی تھیں۔

ابن تیمیہ کی باعزت رہائی کے بعد جب ان کے مخالفین نے دیکھا کہ ان کے اقبال کا ستارہ اور بلند ہو گیا اور کسی علمی مسئلہ کی بنا پر اب ان کے خلاف شورش برپا کرنی مشکل ہے تو انھوں نے عوام کو ان کے خلاف اشتعال دلایا اور عوام کو ابن تیمیہ کے خلاف (کم سے کم مصر میں جہاں عوام ان سے زیادہ واقف نہ تھے) اشتعال دلانا کچھ مشکل کام نہ تھا، چنانچہ ۸ رجب ۷۵۸ھ کو چند ناخدا ترس انسانوں نے ان پر دست درازی کی، اور ان کو ایذا پہنچائی، لیکن محلہ حسینیہ (جہاں عام شہرت کے مطابق سیدنا حسینؑ کا سر مبارک دفن ہے) کے باشندے شیخ کا انتقام لینے کے لئے جمع ہو گئے، شیخ نے ان کو منع کر دیا اور ان سے فرمایا۔

اما ان یكون الحق لی اولکم و الله فان
کان الحق لی فہم فی حق منہ وان کان
لکم فان کم تسمعون امتی و لم تستفتونی
فا فعلوا ما شئتم وان کان الحق لله
تین ہی صوفیوں ہو سکتی ہیں یا تو (ان سے انتقام لینا) میرا حق ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ
سکدوش ہیں اور میرا کوئی مطالبہ نہیں یا تمہارا
حق ہے تو اگر تم میری بات سننے کے لئے تیار نہیں

فائلہ یاخذ حقہ ان شاء۔

اور مجھ سے دریافت بھی نہیں کرتے تو جوجی میں آئے کرو

تیسری اور آخری شکل یہ ہے کہ یہ اللہ کا حق ہے تو اللہ

اگر چاہے گا اپنا حق لے لے گا۔

اسی رد و کد میں نماز عصر کا وقت آگیا، امام جامع مسجد (غالباً جامع حسینی) جماعت کی شرکت کے لئے جانے لگے، ہمدردوں نے اس سے رد کا لیکن شیخ نے کوئی پروا نہیں کی اور چلے گئے ان کے ساتھ ان کے حامیوں کا ایک بڑا گروہ بھی گیا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ ایک عالم نے برسر مجلس ان کو بہت سخت سست کہا، اس کے بعد ان کو اپنی غلطی محسوس ہوئی، یا اندیشہ ہوا کہ حکومت کچھ دار و گیر کرے تو شیخ سے معذرت کی شیخ نے کھلے دل سے معاف کر دیا، اور فرمایا: "لا انتصر لنفسی" میں اپنا انتقام نہیں لیتا۔

ابن تیمیہ نے مصر کے قیام میں صرف درس و تدریس اور کتاب و سنت کی اشاعت پر اکتفا نہیں کی، بلکہ دار السلطنت کے قیام سے فائدہ اٹھا کر سلطان کو بعض نہایت مفید مشورے دیئے، اور اس سے بعض ضروری اور مفید فرمان جاری کروائے، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ۱۲۷۵ھ میں دمشق فرمان سلطانی پہنچا کہ کسی کو کوئی عہدہ کسی مالی مشکیش یا رشوت کی بنا پر نہ دیا جائے اس لئے کہ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلے گا کہ نا اہل اور خائن لوگ عہدوں پر سرفراز ہو جائیں گے، اور اہل اور امانت دار محروم رہیں گے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فرمان ابن تیمیہ کی تجویز اور کوشش کا نتیجہ تھا، اسی طرح ایک دوسرا فرمان صادر ہوا کہ قاتل پر کسی کو دست درازی کرنے کا اختیار نہیں حکومت اس کو گرفتار کرے گی اور شرع شریف کے مطابق اس کا قصاص ہوگا، ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ابن تیمیہ کی تجویز سے ہوا۔

دمشق واپسی

شوال ۱۲۷۵ھ میں تاتاریوں کے حملہ کے ارادہ کی مسلسل اطلاعاتیں مل رہی تھیں بالآخر سلطان نے خود مصر سے نکل کر ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور ۲۳ شوال کو دمشق کا رخ کیا ۲۳ شوال کو وہ دمشق میں داخل ہوا، سلطان کی معیت میں ابن تیمیہ بھی تھے، جو پورے سات سال کے بعد اپنے وطن مالوف آئے تھے، لوگوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا، اہل شہر نے بڑی مسرت کا اظہار کیا، مردوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں عورتیں بھی ان کو دیکھنے کے لئے باہر تک آئیں، شیخ کا یہ سفر نہایت جہاد تھا لیکن دمشق آکر معلوم ہوا کہ تاتاری واپس گئے، شیخ نے دمشق سے بیت المقدس کی زیارت کی نیت کر لی، کچھ روز وہاں قیام کر کے بعض دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے کیم ذی القعدہ کو دمشق واپس آئے، اور سہ ماہیہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

مسائل فقہیہ کی طرف توجہ خصوصی

اس مرتبہ دمشق واپسی کے بعد اگرچہ شیخ الاسلام اپنے قدیم دینی و علمی و اصلاحی مشاغل میں مشغول ہو گئے اور سب معمول درس و افتاء اور تصنیف کا کام شروع کر دیا، لیکن اس مرتبہ ایک خاص بات یہ تھی کہ ابھی تک ان کی زیادہ تر توجہ عقائد و اصول اور ان کلامی مسائل کی طرف تھی، جو اشاعرہ و حنابلہ کے درمیان مابہ النزاع تھے، لیکن اس مرتبہ ان کی توجہ خصوصیت کے ساتھ فقہی مسائل اور جزئیات کی طرف منعطف ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے محسوس کیا کہ وہ پہلے موضوع پر بقدر ضرورت مواد و دلائل فراہم کر چکے ہیں، اور ان کی تقریروں، درس اور تصنیفات سے حق واضح ہو چکا ہے اب انھوں نے اپنی علمی خصوصیتوں اور خدا داد ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ فقہی مسائل کی طرف توجہ کی۔

ابن تیمیہ کا خاندان پشتوں سے حنبلی چلا آ رہا تھا، خود ان کا اکثر فتاویٰ مذہب حنبلی کے

مطابق ہیں، لیکن انھوں نے سترتا سر مذہب حنبلی کی پابندی نہیں کی، کتاب سنت کے ذخیرہ پر ان کی جیسی وسیع نظر تھی، مذاہب فقہیہ ان کے اصول اور دلائل کا جیسا استحضار ان کو حاصل تھا، اس کے بعد ان کے لئے مشکل تھا کہ وہ مذہب حنبلی کے دائرہ میں محدود رہیں، اور ثنونی صدی اس کی پابندی کریں، اس لئے وہ بعض اوقات ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس مذہب کو ترجیح دیتے جس کے دلائل ان کے نزدیک زیادہ قوی تھے، اور جس کے ساتھ صحابہ تابعین کی زیادہ جماعت ہوتی، وہ اپنے علمی تجربہ قوت استنباط اور استقلال فکر کے باوجود ائمہ اربعہ کی علمی عظمت حسن اجتہاد، دیانت و تقویٰ اور عقلی تفوق کے بڑے قائل اور معترف تھے، ان کے نزدیک وہ حضرات طالب حق، متبع سنت اور راسخ فی العلم تھے، ان کے اجتہادات کا اخذ کتاب سنت اور قرآن و حدیث کے نصوص اور اجماع اور شرعی قیاس ہے، اور وہ اس بارہ میں متبع تھے، مبتدع نہ تھے، اس لئے وہ اپنے زمانہ کے ان لوگوں کو بہت ناپسند کرتے تھے، جو ان کے بارہ میں میا کا نہ الفاظ بولتے اور ان پر زبان طعن دراز کرتے، انہی لوگوں کی زبان بندی اور ائمہ مجتہدین کی حمایت و نصرت کے لئے انھوں نے ایک مستقل رسالہ رفع الملام عن الائمۃ الاعلام تصنیف کیا، جو اس موضوع کی بہترین تصنیفات میں سے ہے، اس رسالہ کے شروع میں لکھتے ہیں:-

یحب علی المسلمین بعد مولایہ اللہ ورسولہ
مولاۃ المؤمنین کما نطق بہ القرآن خصوصاً
العلماء الذین ہم وراثۃ الانبیاء الذین
جعلہم اللہ بمنزلۃ النجوم یہتدی
بہم فی ظلمات البر والبحر وقد اجمع
المسلمون علی ہدایتہم ودرایتہم

مسلمانوں پر اللہ اور اس کے رسول کی دوستی اور محبت کے
بعد اہل ایمان کی دوستی اور محبت واجب ہے، جیسا کہ
قرآن مجید میں صاف مذکور ہے خصوصاً ان علماء کی
دوستی اور محبت جو وارث انبیاء تھے، اور جن کو اللہ تعالیٰ
نے ان ستاروں کا مرتبہ عطا فرمایا جن سے تاریکیوں
میں روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی ہے تمام مسلمانوں کا

اذ کل امتہ قبل مبعث محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علماء شرا رہا الا المسلمین فان علماء ہم خیار ہم فانہم خلفاء الرسول فی امتہ والمعیون لعامات من سنتہ بہم قام الکتاب وبہ قاموا، وبہم نطق الکتاب وبہ نطقوا ولیعلم انہ لیس احد من الائمة المقبولین عند الائمة قبولاً عاماً یتعمد مخالفتہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فی شئی من سنتہ دقیق ولاہین فانہم متفقون اتفاقاً یقیناً علی وجوب اتباع الرسول وعلی ان کل احد من الناس یؤخذ من قوله یتروک الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) واذا وجدوا احد منہم قول قد جاء حدیث صحیح بخلافہ فلا بد لہ من عذر فی تنکھ، وجميع الاعذار ثلاثة اصناف (احدها) عدم اعتقاده ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قالہ (والثانی) عدم اعتقاده ارادة تلك المسئلة بهذا القول (الثالث) اعتقاده

اس پر اتفاق ہے کہ یہ حضرات صاحب ہدایت اور صاحب درایت تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دوسری امتوں کے علماء شرار امت تھے، لیکن اس امت کے علماء خیار امت ہیں، اس لئے کہ وہ اس امت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین ہیں، وہ سنتوں کے زندہ کرنے والے ہیں، ان کے کتاب لکھ کر رونق اور رواج ہے، اور وہ اس کے علمبردار ہیں، وہ کتاب اللہ کے ترجمان اور شراح اور کتاب اللہ ہی ان کی ورد زبان اور دلیل و برہان ہے، یاد رکھنا چاہئے کہ ان ائمہ میں سے جو عام طور پر مسلمانوں میں مقبول و معتمد ہیں کوئی بھی ایسا نہیں تھا، جو جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرتا ہو، اس لئے کہ وہ سب یقینی طور پر اس پر متفق تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع واجب ہے، اور آپ ہی کی تنہا وہ ذات ہے جس کے سب قول و احکام واجب القبول ہیں (ورنہ دوسرے کا کوئی قول قبول کیا جاسکتا ہے، اور کوئی ترک بھی کیا جاسکتا ہے) ان ائمہ میں سے اگر کسی کا کوئی ایسا قول پایا جائے جو کسی صحیح حدیث

ان ذلك الحكم منسوخ

کے خلاف ہو تو ضرور اس امام کا کوئی عذر ہوگا، اس کے ترک کرنے میں یہ عذر عموماً تین قسموں کے خارج نہیں (اولاً) وہ امام اس کا قائل ہی نہ ہو کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا فرمایا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے (ثانیاً) اس کا خیال ہو کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہی نہیں اور یہ حدیث کی مراد ہی نہیں ہے (ثالثاً) اس کی تحقیق یہ ہو کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

تین طلاقیں کا مسئلہ

بائیں ہم جس طرح انھوں نے مذہب حنبلی کے دائرہ سے بعض اوقات باہر قدم نکالا ہے اور دلائل کی بنا پر دوسرے مذاہب کو ترجیح دی ہے اسی طرح بعض مسائل میں شاذ و نادر انھوں نے کل مذاہب اربعہ کے خلاف بھی فتویٰ دیا ہے اور اپنے نزدیک براہ راست کتاب سنت کے نصوص اور دلائل کی پیروی کی ہے، یہ مسائل (جن میں انھوں نے مجموعی طور پر ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے) دو چار سے زیادہ نہیں، ان میں سب مشہور مسئلہ ایک مجلس میں تین طلاقیں کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں (خواہ بیک لفظ خواہ بالفاظ متعددہ) دے دیں تو اگرچہ اس نے باتفاق ائمہ و جمہور امت بدعت کی بات اور خلاف شرع کام کیا، اور گنہگار ہوا لیکن ان طلاقیں کا حکم کیا ہے؟ کیا وہ واقع ہو گئیں اور عورت بائن ہو گئی اور اب رجعت کرنا شرعاً ممکن نہیں ہے (جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کی

لے رفع الملام عن الاثمة الاعلام۔

صحبت سے متمتع ہو، پھر طلاق دے، پھر پہلا مرد نکاح کرے) یا تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوگی، اور رجعت ممکن ہے ائمہ اربعہ اور ائمہ فقہ و حدیث (اوزاعی، نخعی، ثوری، اسحاق ابن راہویہ، ابو ثور، بخاری) اور جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ باوجود بدعت و معصیت کے ازکاب کے یہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور رجعت ممکن نہیں ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: "قد اختلف العلماء فی من قال لامرأته انت طالق ثلاثاً فقال الشافعی ومالك والحنيفة واحمد وجماعہ من العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث" علامہ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: "جمہور فقہاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلاث حکمہ حکم الطلقة الثالثة" شیخ الاسلام کے تلمیذ رشید حافظ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں: "وهذا قول الاثمة الاربعة وجمہور التابعین وكثير من الصحابة"۔

ان حضرات کے دلائل میں متعدد مرفوع حدیثیں منقول ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقیں کو یا تین سے زائد طلاقیں کو تین طلاقیں قرار دیا اور عورت کو بائن ہو جانے کا فتویٰ دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے بعض رفقاء و تلامذہ کا مسلک یہ تھا کہ تین طلاقیں ایک درجہ شمار ہوگی، اور مرد اس کے بعد اسی طرح رجوع کر سکتا ہے، جیسے ایک طلاق کے بعد کر سکتا تھا، وہ لکھتے ہیں: "وهذا القول منقول عن طائفة من السلف من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل الزبير بن عوام، وعبد الرحمن بن عوف، ويروى عن علي، وعن ابن مسعود، وابن عباس وهو قول داود واكثر اصحابه، ويروى عن ابي جعفر محمد (الباقر) ابن علي بن حسين وابنه جعفر (الصادق) ولهذا ذهب الى ذلك من ذهب من الشيعة"۔

لے ان حدیثوں کے متن اسناد میں فریق ثانی نے کلام کیا ہے، اور فریق اول نے محدثانہ طریق پر اس کو جواب دیا ہے، لے فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۳ ص ۲۳

شیخ الاسلام اپنے اس مسلک کے ثبوت کے لئے قرآن و حدیث اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔
اس مسئلہ میں واقعہ یہ ہے کہ خواہ وہ مفرد نہ ہوں اور ان سے پہلے سلف میں کسی کا یہ مسلک رہا بھی ہو،
تو بھی اس میں شک نہیں کہ اس کی شہرت انہی کی ذات سے ہوئی، اور انھوں نے اس کی علمبرداری کی،
اسی وجہ سے جب انھوں نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق اور رائے کا اظہار کیا تو اس سے عام طور پر فقہی
حلقوں میں ایک استعجاب اور انتشار پیدا ہوا۔

حلف بالطلاق کا مسئلہ اور نظر بندی

لیکن بہر حال تین مجموعی طلاقوں کا مسئلہ ایک خالص فقہی اور خانگی مسئلہ تھا جس کا اثر ایک
خاندان کی زندگی پر پڑتا تھا، مگر دوسرا مسئلہ جس میں انھوں نے مذاہب اربعہ اور مشہور مسلک سے
اختلاف کیا، اور جو معاملات اور سیاست اور رعیت و حکومت کے تعلقات تک پر اثر انداز ہوتا
تھا، وہ حلف بالطلاق کا مسئلہ تھا۔

اس زمانہ میں حلف بالطلاق کا عام رواج ہو گیا تھا، لوگ کسی بات پر زور دینے کے لئے یا اپنی
صداقت یا عزم ظاہر کرنے کے لئے بے تکلف طلاق کا سہارا لیتے تھے، اور اس کو درمیان میں لے آتے
تھے، مثلاً میں ضرور ایسا کروں گا نہیں تو طلاق ہے (علی الطلاق لأفعلن کذا) میں یہ ہرگز نہیں کروں گا،
نہیں تو طلاق (علی الطلاق لأمتنعن عن کذا) یا تمہیں ایسا کرنا ہوگا، نہیں تو طلاق ہے (علی الطلاق
لتفعلن کذا) یا میں نے یہ چیز اتنے دام میں خریدی ہے، اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو طلاق (علی الطلاق
أشترتها بكذا) ابن تیمیہ دیکھتے تھے کہ یہ دراصل قسم اور تاکید کا ایک طریقہ ہے، لیکن لوگ زور دینے اور
یقین پیدا کرنے کے لئے طلاق کا لفظ بیچ میں لے آتے ہیں اور ان کا ارادہ کبھی طلاق کا نہیں ہوتا،

۱۔ مفصل بحث تفصیلی استدلال کے لئے ملاحظہ ہو حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد بحث فی من طلق ثلاثاً بکلمة واحدة ج ۳ اور
۲۔ اغاثۃ اللہفات

اس لئے یہ دراصل قسم ہی کی ایک قسم ہے، مگر طلاق معلق سمجھ لئے جانے کی وجہ سے اس پر طلاق کے
احکام جاری کئے جاتے ہیں، اور سیکڑوں خاندان اور گھرانے اس کی وجہ سے اُجڑ جاتے ہیں، اور
خانگی زندگی میں سخت انتشار اور ابتری پیدا ہو رہی ہے۔

پھر حجاج بن یوسف کے زمانہ سے بیعت کو پختہ اور مؤکد کرنے کے لئے بیعت کے صیغہ میں بھی
طلاق کے الفاظ داخل کر دیئے گئے ہیں، اور یہ لفظ جز و بیعت بن گئے ہیں کہ اگر میں نے فلاں کی بیعت
توڑی تو میری بیویوں کو طلاق!!

ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد فتویٰ دینا شروع کر دیا کہ محض ایک حلف کی صورت
ہے، اور اس کے خلاف کرنے کی حالت میں یا بیان کے خلاف واقعہ ہونے کی صورت میں قسم کھانے والا
حائث ہوگا، اور اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اگرچہ ابن تیمیہ نے اپنے اس فتویٰ کی تائید میں مذاہب اربعہ میں سے بعض ائمہ اور ان کے
بعض اصحاب کے اقوال بھی پیش کئے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ فتویٰ ان مذاہب کے مشہور اور مفتی قول
کے خلاف تھا، اور ایک نئی تحقیق اور ان کا اجتہاد معلوم ہوتا تھا، اس لئے اس فتویٰ سے عام طور پر ایک
اضطراب پیدا ہوا، اور علماء و قضات نے اس کی ضرورت سمجھی کہ ان کو اس فتویٰ سے باز رہنے کا مشورہ
دیا جائے تاکہ زیادہ اضطراب اور انتشار نہ پیدا ہو، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

”پنجشنبہ ۱۵ ربیع الاول کو قاضی القضاۃ شمس الدین بن مسلم نے امام ابن تیمیہ سے ملاقات کی اور ان کو

مشورہ دیا کہ حلف بالطلاق کے مسئلہ میں وہ آئندہ فتویٰ نہ دیں، شیخ نے ان کا مشورہ قبول کیا، اور

ان کی خاطر اور اہل افتاء کی رعایت سے اس کا وعدہ کیا، جمادی الاولیٰ کے شروع میں مصر سے

۱۔ اس مسئلہ کی صحیح صورت اور فریقین کے دلائل سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو شیخ محمد ابو زہرہ مصری کی کتاب ”ابن تیمیہ“ میں

فرمان سلطانی بھی آیا جس میں ابن تیمیہ کو حلف بالطلاق کے مسئلہ میں فتویٰ دینے سے روکا گیا تھا، ایک مجلس عام میں یہ فرمان پڑھا گیا، اور امام نے اس کو منظور کیا، اور شہر میں اس کا اعلان ہو گیا، اس فرمان سلطانی سے پہلے ہی اہل افتاء کی ایک جماعت قاضی ابن مسلم سے ملاقات کر چکی تھی، ان کے مشورہ سے قاضی صاحب نے ابن تیمیہ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس مسئلہ میں سکوت کریں اور انھوں نے اختلاف اور ہنگامہ سے بچنے کے لئے اس کو منظور کر دیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ فرمان سلطانی کے صدور کے بعد اس خیال سے کہ حکومت کو اس مسئلہ میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں اور کسی عالم کو حکومت کے خوف سے اپنے علم اور عقیدہ کو چھپانا جائز نہیں یا اس لئے کہ مسئلہ میں ان کا اطمینان اور شرح صدر بڑھ گیا تھا، انھوں نے اپنی تحقیق کے مطابق فتوے دینا شروع کر دیا اور حکومت کے انتہائی احکام کی کوئی پرواہ نہیں کی، اس لئے کہ ابن کثیرؒ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

”پنجشنبہ ۲۲ رجب کو دار السعادة میں نائب السلطنت کی موجودگی میں ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں مذاہب اربعہ کے قاضی مفتی اور شیخ الاسلام نے شرکت کی شرکائے مجلس نے اعتراض کیا کہ انھوں نے (ابن تیمیہ نے) مسئلہ طلاق میں پھر فتویٰ دینا شروع کر دیا ہے چنانچہ نائب السلطنت نے قلعہ میں نظر بند کئے جانے کا حکم جاری کیا، اور وہ (۲۲ رجب ۷۲۷ھ) کو قلعہ میں محبوس کر دیئے گئے۔

لیکن یہ مدت اسیری کچھ زیادہ طویل نہیں ہوئی، پانچ مہینے اٹھارہ دن کے بعد ۱۰ محرم ۷۲۸ھ کو براہ راست مصر سے ان کی رہائی کے احکام آئے اور وہ آزاد کر دیئے گئے۔“

آخری اسیری

۷۲۸ھ سے ۷۲۹ھ تک تقریباً ساڑھے پانچ سال شیخ الاسلام پوری آزادی اور انہماک

کے ساتھ درس و تصنیف افتاء اور وعظ میں مشغول رہے، اس عرصہ میں وہ زیادہ تر مدرسہ حنبلیہ میں یا اپنے مخصوص مدرسہ میں جو قصاصین میں واقع تھا، درس دیتے تھے، اس عرصہ میں انھوں نے اپنی پرانی کتابوں اور رسائل پر نظر کی، اور بعض نئی تصنیفات کیں۔

شاید وہ اس عرصہ میں بہت زیادہ مفید کام کرتے اور ان کے قلم سے بعض اہم موضوعات پر کچھ بیش قیمت اور نادر کتابیں نکلتیں لیکن ان کا علمی تفوق اور بعض مسائل پر فردان کے معاصرین اور خود ان کے لئے ایک بڑا ابتلاء تھا، جس کی ان کو بار بار بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی، پھر بھی زیادہ دن اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا تھا، تھوڑا ہی عرصہ گزرنا تھا کہ ایک نیا مسئلہ زیر بحث آ گیا، جو خواص و عوام سب کے لئے جاذب توجہ تھا، اور جو مسئلہ طلاق کی طرح خالص فقہی مسئلہ نہ تھا بلکہ اس میں جذباتی عنصر بھی شامل تھا، اور جس میں قلوب کو مضطرب کرنے کی زیادہ صلاحیت تھی، یہ مسئلہ زیارت قبر نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کا تھا۔

ابن تیمیہ نے سترہ سال پہلے یہ فتویٰ دیا تھا کہ کسی قبر کی زیارت کے لئے (خواہ وہ قبر انور ہو، علی صاحبہ الف صلوٰۃ والسلام) اہتمام سے سفر کر کے جانا (جس کو عربی میں شدا الرحل کہتے ہیں) جائز نہیں، اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے لا تشد الرجال الا الى ثلاثة مساجد، المسجد الحرام و مسجدی هذا والمسجد الاقصیٰ، کجائے نہ کسے جائیں (اہتمام سے سفر نہ کیا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام (خانہ کعبہ) میری مسجد (مسجد نبوی) اور (مسجد اقصیٰ)، (بیت المقدس) پھر وہ حسب معمول اس کی شرعی حکمتیں اور اس کی مخالفت کی صورت میں اس کی قباحتیں اور نقصانات گناتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اہتمام سے شرک و مشرکانہ عقائد و اعمال کا دروازہ کھلتا ہے لوگ اس زیارت عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھنے لگتے ہیں، وہاں پہنچ کر حدود و شریعت سے تجاوز کرتے ہیں اور توجید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات کا کہ قبر مبارک

ان اعمال و رسوم سے محفوظ رہے، جو جاہلی قوموں اور یہود و نصاریٰ میں شائع و ذائع تھے، اس قدر اہتمام تھا کہ فرمایا: لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبورا نبيا ثم مساجداً (الشہید و نصاریٰ پر لعنت کرے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد کی جگہ بنالیا) نیز بڑے اہتمام سے دعا فرمائی: اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد الله عز وجل اتخذوا قبورا نبيا ثم مساجداً (اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے، اللہ کا غصہ ان لوگوں پر سخت ہوا، جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کو مسجد کا بنالیا) نیز ارشاد فرمایا: لا تتخذوا قبري عيداً وصلوا علي فان صلاتكم حينما كنتم تبلغني نیز آپ نے اسی لئے کسی میدان میں دفن ہونا پسند نہیں کیا، بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوئے جو ایک محفوظ جگہ ہے، اس سب کا مقتضایہ ہے کہ قبر انور کو ان تمام خطرات سے محفوظ رکھا جائے، اور اہتمام سے جوق در جوق زیارت کی نیت سے آنے کی اجازت نہ دی جائے، البتہ جو لوگ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کی نیت سے آئیں وہ مسنون طریقہ سے زیارت کریں اور صلوٰۃ و سلام بھیجیں جیسا کہ صحابہ و تابعین کا دستور تھا۔

مختلف اسباب و محرکات کی بنا پر سترہ برس پہلے کا یہ فتویٰ نکالا گیا، اور اس کی تشہیر کی گئی، ایک طرف اس سے عام مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگتی تھی، جو اس زیارت کو بڑی سعادت اور نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے، اور اس کا ذوق و شوق رکھتے تھے، اور ان کو بارگاہ نبوت میں کئی ادب کی جھلک نظر آئی، لے بخاری و مسلم لے مالک و مسند امام احمد لے سنن ابی داؤد وغیرہ لے جہاں تک ان مقاصد کا تعلق ہے کہ توجیہ کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے، اور شرک و مشرک کا اعمال و رسوم کے ذرائع مسدود کئے جائیں، اور ان کی اجازت نہ دی جائے کسی صاحب علم کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن اس کے لئے زیارت قبر نبویؐ کو مطلقاً روکنا و کاوت جس اور تشدد سے خالی نہیں معلوم ہوتا، اور یہ بات نہ ان کی علمی و دینی عظمت کے منافی ہے نہ ہمارے حسن اعتقاد اور ان کے کمالات کے اعتراف کے لئے منع، نہ یہ مسئلہ اتنا سنگین تھا کہ اس کے لئے ان کو مجبور کیا جائے، اور اسی حالت اسیری میں وہ دنیا سے رخصت ہوں۔

دوسری طرف اس میں علماء کو جمہور امت کی مخالفت اور خود سری اور خود رائی نظر آئی، اور شاید یہی ان کی مخالفت کا اصل محرک تھا۔

بہر حال اس اختلاف نے اتنی اہمیت اختیار کی، اور اس کا انشا پر چاہوا کہ حکومت وقت نے (علماء کی توجہ دہانی سے یا اپنی انتظامی مصلحتوں سے) اس میں دخل دینا مناسب سمجھا اور ۲۶ شعبان ۱۳۲۶ھ کو ان کے مجبوس کئے جانے کا فرمان صادر ہوا، شیخ نے اس اطلاع کا بڑا خیر مقدم کیا، اور اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، انھوں نے اپنے جلس کی اطلاع پاتے ہی فرمایا: اننا لکنت منتظرا ذلک و هذا فیہ خیر لکثیر و مصلحة کبیرة (میں تو اس کا منتظر ہی تھا، اس میں بڑی خیر اور بہت بڑی مصلحت ہے)۔

شیخ قلعہ دمشق میں منتقل کر دیئے گئے جہاں ان کے لئے ایک ایوان خالی کر دیا گیا اس کا انتظام کیا گیا کہ باہر سے پانی کا چشمہ قلعہ میں لایا جائے، ان کی خدمت اور راحت کے لئے اجازت دی گئی کہ ان کے بھائی زین الدین ابن تیمیہ بھی ان کے ساتھ قیام کریں، حکومت نے ان کے مصارف کے لئے ایک معقول رقم بھی مقرر کی۔

ان کے مجبوس ہو جانے کے بعد لوگوں کو انتقامی کارروائی کرنے کا موقع ملا اور ان کے حاسد و مخالفین نے ان کے مخصوص دوستوں اور شاگردوں پر دست درازی کی، بعض حضرات کو جانوروں پر سوار کر کے گشت کرایا گیا، اور تشہیر کی گئی، پھر قاضی القضاۃ کے حکم سے ایک جماعت کو قید بھی کر دیا گیا، کچھ دنوں کے بعد سب کو رہا کر دیا گیا، لیکن شیخ الاسلام کے مایہ ناز شاگرد اور جانشین حافظ ابن قیمؒ اپنے استاد اور شیخ کے ساتھ ہی رہے، اور ان کی وفات کے بعد رہا ہوئے۔

اہل علم و دین کا تاسف اور احتجاج

شیخ الاسلام کی اسارت اور نظر بندی جہاں حاسدین و مخالفین کی ایک قلیل جماعت کی شادمانی اور تسکین قلب کا سامان بنی وہاں ہزاروں اہل علم اور لاکھوں مسلمانوں کو اس پر سخت تاسف اور رنج ہوا اور انہوں نے اس کو سنت کے مقابلہ میں بدعت کی فتح اور حق اور اہل حق کے لئے ایک فلت کے مراد سمجھا، سلطنت کے مختلف گوشوں سے اور بڑے بڑے اہل علم و اہل دین کی جانب سے سلطان معظم (الملک الناصر) کی خدمت میں ایسے خطوط اور عرض پہونچے جس میں اس واقعہ پر دلی تاثر اور استعجاب کا اظہار کیا گیا تھا، اس سلسلہ کا صرف ایک خط جو علماء بغداد نے سلطان کی خدمت میں بھیجا تھا، نقل کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کی دعوت اور شہرت تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی تھی اور تمام اہل حق کو ان کی ذات سے خاص تعلق اور شفیقتگی تھی، علماء بغداد لکھتے ہیں:-

لما قرع اهل البلاد المشرقية والتواحي
العراقية التصديق على شيع الاسلام
تقى الدين احمد بن تيمية سلمه الله
عظم ذلك على المسلمين وشق على
ذوى الدين وارتفعت رؤس
المحمديين وطابت نفوس اهل الأهواء
والمبتدعين، ولما رأى علماء اهل
هذا الناحية عظم هذا النازلة من
شماة اهل البدع واهل الأهواء

بلاد مشرق اور ملک عراق کے باشندوں کو جب اس کا
علم ہوا کہ شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیمہ پرنگی کی
جاری ہے تو اہل اسلام کو اس سے بڑی گرانی اور
اہل دین کو اس سے بڑی کوفت ہوئی اور دیکھا گیا کہ
لمحیدین کو اس سے بڑی مسرت اور عزت حاصل ہوئی
اور اہل ابہونی اور مبتدعین کے دل باغ باغ ہوئے
جب ان اطراف کے علماء کو اس واقعہ کی اہمیت
کا علم ہوا اور انہوں نے دیکھا کہ اہل بدع اور
اہل باطل اکابر فضلاء اور ائمہ علماء کی اس ذلت

باکابر الفضلاء وائمة العلماء انہو حال
هذا الامر الفظيخ والامر الشنيع الى الحضرة
الشریفة السلطانية زادها الله شرفاً
وكتبوا الجوبہم فی تصویب ما لاجاب به
الشیخ سلمه الله فی فتاواه وذكروا من
علمه وفضائله بعض ما هو فیہ، وحملوا
ذلك بین یدی مولانا ملک الامراء
اعز الله انصاره وضاعف اقتداره
غیرة منهم علی هذا الدین ونصیحة
للالسلام وامراء المؤمنین۔

اور ائمہ و پرورشیاں مناسبت میں تو انہوں نے
اس ناگوار واقعہ اور اس کے اثرات کی اطلاع
بارگاہ سلطانی میں دینا ضروری سمجھا اور انہوں نے
شیخ کے فتاویٰ کی تائید میں اپنے جوابات لکھ کر روانہ
کئے، انہوں نے شیخ کے علم اور ان کے فضائل و کمالات
کے متعلق اپنے تاثرات اور مملو بات بھی قلمبند کئے،
اور اس سب کو ملک معظم کی خدمت پہا یوں میں
پیش کر دیا، اس سب کا محرک و باعث سوائے دینی
غیرت و حمیت اور اسلام اور سلاطین اسلام کی
خیر خواہی کے کچھ نہ تھا۔

قلعہ میں شیخ کے مشاغل

عرصہ دراز کے بعد شیخ کو سکون کے لمحات اور کمیوٹی کی دولت حاصل ہوئی، غالباً اسی پر انہوں نے
فرمایا تھا (فیہ خیر کثیر و مصلحة کبیرة) انہوں نے اس خلوت و انقطاع کی پوری قدر کی اور پورے
انہماک اور ذوق و شوق کے ساتھ عبادت و تلاوت میں مشغول ہو گئے، اس سے جو کچھ وقت بچتا تھا وہ
مطالعہ و تصنیف اور اپنی کتابوں کی تنقیح و تصحیح میں صرف کرتے تھے، جو خود ایک مستقل عبادت تھی،
اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور روز و تلاوت قرآن تھا، وہ اس مجلس میں دو سال رہے اس مختصر
مدت میں انہوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیمہ کے ساتھ قرآن مجید کے اسی دور کے

جیل میں انھوں نے جو کچھ لکھا اس کا زیادہ تر حصہ تفسیر سے متعلق تھا، اس کا سبب بھی غالباً تلاوت کی کثرت اور قرآن مجید میں غور و تدبر تھا، بعض مسائل پر بھی انھوں نے رسائل اور جوابات لکھے، باہر سے جو اہم اور خاص علمی سوالات اور فقہی استفسارات آتے ان کے جوابات دیتے، اس طرح سوائے عمومی درس و وعظ کے ان کے سب کام جاری تھے اور کثرت تلاوت اور عبادت کا اضافہ تھا۔

نئی پابندیاں اور سامان مطالعہ و تحریر سے محرومی

شیخ جیل خانہ میں جو کچھ لکھتے تھے لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور وہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا، دوسرے رسائل و مسائل کے علاوہ جو انھوں نے جیل میں تحریر کئے ان کا ایک مستقل رسالہ مسئلہ زیارت میں تھا جس میں انھوں نے مصر کے ایک مالکی المذہب قاضی عبداللہ بن الاخنائی کی تردید کی تھی، اس میں انھوں نے ثابت کیا تھا کہ قاضی موصوف بہت قلیل العلم اور ناواقف آدمی ہیں، قاضی صاحب نے سلطان سے اس کی شکایت کی اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا، سلطان نے فرمان جاری کیا کہ شیخ کے پاس جتنی کتابیں کاغذ قلم و دوات ہے لے لیا جائے اور ان کے پاس کوئی ایسا سامان نہ رہے جس کی مدد سے وہ تصنیف و تالیف کر سکیں۔ ۹ جہادی الاخریٰ ۱۲۸۰ھ کو اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور پڑھنے لکھنے کا سارا سامان بحق حکومت ضبط کر لیا گیا، یکم رجب کو ان کے سب مسودات اور اوراق جیل سے اٹھا کر عادلیہ کے بڑے کتب خانہ میں داخل کر دیئے گئے، یہ کتابوں کی ساٹھ جلدیں اور ۴۴ کاغذ کے شیرازے تھے جن میں وہ لکھتے پڑھتے تھے۔

لے ملاحظہ ہو رسالہ "الاخنائیہ" مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ھ عمارت المکتبۃ الظاہریۃ کے سامنے ہے، اسی میں ابن خلکان نے اپنی

مشہور تالیف "وفیات الاعیان" لکھی اور ابن مالک صاحب الفیہ نے درس دیا آج کل اس میں الجمع العلمی العربی کا مرکز ہے۔

کوئلہ سے تحریر و تصنیف

شیخ نے اس پر بھی کسی جزع و فزع کا اظہار نہیں کیا، اور نہ حکومت سے کوئی شکایت کی، ان سے جب قلم و دوات لے لئے گئے تو انھوں نے منتشر اوراق پر کوئلہ سے لکھنا شروع کیا، ان کے متعدد رسائل اور تحریریں کوئلہ سے لکھی ہوئی ملیں، اور عرصہ تک اسی حالت میں محفوظ رہیں، اس مجبوری اور بے سروسامانی کی حالت میں وہ شاکر اور راضی برضا معلوم ہوتے ہیں، ان کو اس کا بھی احساس ہے کہ ان کو میدان جہاد کی فضیلت حاصل ہے اور صورت حال میں کوئی تغیر نہیں ہوا، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:-

نعم والله المحمدی عظیم الجہاد فی سبیلہ ہم جہاد اللہ بہت بڑے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہیں،
بل جہادنا فی هذا مثل جہادنا لیلہ قازان ہمارا یہاں کا جہاد واقعہ قازان جہاد کوستان جہیوں
والجبلية، والجمعیۃ والاتحادیۃ و امثال اور اتحادیوں (وحدۃ الوجود کے قائلین) وغیرہ کے
ذلك، وذلك من اعظم نعم الله علينا علی مقابلہ میں ہمارے گذشتہ جہاد سے کم نہیں ہے، یہ
الناس ولكن اکثر الناس لا یعلمون اللہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے،
لیکن اکثر لوگ اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔

تسلیم و رضا اور حمد و شکر

ایک دوسرے خط میں ان کی ایمانی کیفیت اور تسلیم و رضا کی شان اس طرح جھلکتی ہے:-

كل ما يقضيه الله تعالى فيه الخير والرحمة اللہ تعالیٰ بندہ کے لئے جو کچھ فیصلہ فرمائے اسی میں خیر
والحكمة، ان ربی لطیف لما يشاء انہ اور رحمت اور حکمت ہے (ان ربی لطیف لما يشاء)

لے ابن تیمیہ محمد ابو زہرہ۔

هو القوي العزيز العليم الحكيم ولا يدل
علي أحد ضرر الا من ذنوبه ما اصابك
من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة
فمن نفسك (تجھے جو بھلائی بھی پہنچے وہ اللہ کی
طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی
طرف سے ہے) اس لئے بندہ کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ
کا ہر حال میں شکر اور اس کی حمد کرے اور اپنے گناہوں سے
استغفار اس لئے کہ شکر تازہ نعمتوں اور مزید انعام کا
موجب ہے اور استغفار غضب اور سزا کو دفع کرتا ہے
اور اللہ تعالیٰ انسان کے لئے جو کچھ فیصلہ فرماتا ہے وہ
اس کے حق میں بہتری ہو تا ہے حدیث شریف میں آتا
ہے کہ مومن کو جب سرت اور نعمت حاصل ہوتی ہے تو
شکر کرتا ہے جب مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر سے
کام لیتا ہے اور یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔

ان کو اس حالت میں بھی اپنے مسلک کی صحت اور بے گناہی کا یقین ہے وہ اپنا جرم اتنا ہی
سمجھتے ہیں کہ انھوں نے ایک مسئلہ شرعی میں حاکم وقت کی بات نہیں مانی اور جس کو وہ حق سمجھتے تھے
اس پر اٹے رہے لیکن وہ اپنے اس جرم کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کو ایمان تو حید کا مقتضاء سمجھتے ہیں۔

غاية ما عندهم انه خولف مرسوم
بعض المخلوقين والمخلوق كائن من
ان کا بڑے سے بڑا الزام یہ ہے کہ ایک انسان کی
(جو دوسرے انسانوں کی طرح خدا کا ایک بندہ ہے)

كان اذا خالفت امر الله تعالى ورسوله
لم يحجب بل لا تجوز طاعة في مخالفة
امر الله ورسوله باتفاق المسلمين۔
حکم عدولی کی گئی، مخلوق غواہ حاکم وقت ہوا سلطان
دوران جب امت اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت
کرے گا تو اس کی بات بھی نہیں مانی جائے گی، بلکہ
باتفاق مسلمین اللہ اور رسول کی مخالفت کی حالت
میں اس کی اطاعت جائز ہی نہیں۔

زندگی کے آخری دن اور وفات

شیخ الاسلام کے بھائی زین الدین عبد الرحمن کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسٹی دور ختم کرنے کے بعد
جب نیا دور شروع کیا، اور سورہ قمر کی اس آیت پر پہنچے: **إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ
عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ** تو بجائے میرے عبد اللہ بن محب اور عبد اللہ الزرعی کے ساتھ دور شروع فرمایا یہ
دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، شیخ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی،
ابھی یہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے۔

مرض وفات شروع ہوا، تو نائب دمشق (حاکم دمشق) عیادت کے لئے آیا، مزاج پر سی کے بعد
اس نے بڑی معذرت کی، اور کہا مجھ سے اگر کوئی تقصیر ہوئی یا تکلیف پہنچی ہو تو اللہ معاف کر دیا
جائے، شیخ نے جواب میں فرمایا:-

التي قد احللتك، وجميع من عاداني
وهو لا يعلم الى على الحق، واحللت
السلطان المعظم الملك الناصر من
حبسه اياي، لكونه فعل ذلك مقلدا
میں نے تم کو بھی اپنی طرف سے معاف اور سکدوش
کر دیا ہے اور ان سب گون کو بھی جنھوں نے مجھ سے
دشمنی کی، اور ان کو میرا حق پر ہونا معلوم نہیں تھا اور
سلطان معظم الملك الناصر سے بھی میرا کوئی مطالبہ اور

معدو ولا ولم یفعلہ لحفظ نفسه وقد
احملت کل احد مئة ابینی وبنیہ الا
من کان عدوا لله ورسوله (صلی اللہ
علیہ وسلم) دارو گیر نہیں کہ انھوں نے مجھے مجبوس کیا اس لئے کہ
انھوں نے یہ علماء کے اعتماد اور ان کی تقلید میں کیا ہے
اور وہ معدو ہیں اس میں ان کی نفسانیت شامل نہیں
میں نے ہر شخص کو اپنے معاملہ میں مشاکرہ دیا ہے صرف اس
شخص کو نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔

انتقال سے بیس بائیس روز پہلے طبیعت خراب ہوئی پھر درست نہیں ہوئی یہاں تک کہ
۲۲ ذی القعدہ ۱۲۵۰ھ کی شب میں وقت موعود آ پہنچا اور اس مجمع کمالات ہستی نے سترھ سال کی
عمر میں دنیا سے کوچ کیا کُلُّ مَنْ عَلَيَّا فَاِنْ وَيَبْقَى وَجْهٌ رَّبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

شیخ الاسلام کی وفات کی اطلاع قلعہ کے موذن نے مینار پر چڑھ کر دی، برہوں پر جو چوکیدار
متعین تھے انھوں نے وہاں سے اعلان کیا، شہر میں بجلی کی طرح یہ خبر پھیل گئی، قلعہ کا دروازہ کھول
دیا گیا، اور اذن عام دے دیا گیا، لوگ جوق در جوق آتے تھے اور زیارت کر کے جاتے تھے بہت سے
لوگ فرط محبت میں اس پیشانی کو بوسہ دیتے تھے جو گھنٹوں خاک پر اپنے مالک کے سامنے ٹکی رہتی تھی۔
غسل سے پہلے ہی لوگوں نے قرآن مجید ختم کئے، مردوں کے بعد عورتوں کو آنے کی اجازت ہوئی
اور انھوں نے زیارت کی غسل کے وقت صرف وہی لوگ رہ گئے جن کو غسل دینا تھا۔

جنازہ کی کیفیت اور تدفین

غسل کے بعد ایک نماز جنازہ قلعہ میں ہوئی شیخ محمد تمام نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد جنازہ
باہر لایا گیا، قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان کے سب راستے ہجوم سے بھرے ہوئے تھے، چار گھنٹی دن
چڑھے جنازہ جامع مسجد (جامع اموی) میں پہنچا، ہجوم کا یہ حال تھا کہ فوج جنازہ کو اپنے گھیرے میں

لئے ہوئے تھے، ورنہ جنازہ کی حفاظت اور انتظام مشکل تھا، مجمع کا کوئی اندازہ نہ تھا، اس ہجوم خلافت
میں کسی نے بلند آواز سے پکار کر کہا "هَكَذَا تَكُونُ جَنَائِزُ الْمُتَمَنِّعَةِ السَّنَةِ" (سنت کے پیشواؤں کا جنازہ
اسی شان کا ہوتا ہے) یہ سن کر اور کھرام مچ گیا۔

ظہر کے بعد نماز جنازہ ہوئی، بظہر بمحظہ ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ میدان، گلیاں بازار
سب بھر گئے، ہر طرف مجمع ہی مجمع نظر آتا تھا، بازار بند تھا، اور کھانے کی دوکانیں سب بند تھیں، بہت سے
لوگوں نے روزہ کی نیت کر لی کہ آج کھانے پینے کا ہوش نہیں۔

نماز جنازہ کے بعد جنازہ اٹھا، کاندھا دینے کا موقع نہ تھا، جنازہ انگلیوں و سرسوں پر جا رہا تھا
ہر طرف گریہ بکا کی صدائیں بلند تھیں، ہر زبان اور ہر لب پر مدح و توصیف اور دعا کے الفاظ تھے، لوگ
فرط عقیدت میں رومال اور کپڑے پھیک پھیک کر جنازہ سے مس کرتے تھے، شدت ازدحام سے لوگوں
کے پاؤں کے جوتے اور کھڑاؤں میں کل گئیں اور گڑیاں اور رومال گر گئے، لوگ جنازہ کے دیکھنے اور اس کی مشائعت
میں ایسے محو اور مستغرق تھے کہ ان کو اپنے کپڑوں اور جوتوں کا ہوش نہ تھا، جنازہ سرسوں پر جا رہا تھا، کبھی کبھی
آگے بڑھ جاتا تھا، کبھی پیچھے کھسک جاتا تھا، کبھی ٹھہر جاتا تھا، سوق انخیل میں ہنچکر مجمع کا کوئی حد و حسا
نہیں رہا، جنازہ وہاں رکھا گیا، چھوٹے بھائی زین الدین عبدالرحمن نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، نماز
کے بعد مقبرۃ الصوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

۱۔ یہ قبرستان جو بڑے بڑے مشاہیر اہل قلم و صلاح (مثلاً ابن عساکر، ابن الصلاح، ابن الاثیر، ابوالحجاج المزنی، حافظ عمار الدین
ابن کثیر وغیرہ) کا دفن ہے، اب بالکل ناپید ہو گیا ہے، اس پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں، صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی قبر
جامعہ سوریک کے ہال اور اسپتال کی ایک عمارت کے سامنے ابھی تک موجود ہے، ۱۰ شوال ۱۲۵۰ھ (۲ جولائی ۱۸۳۵ء) کو علامہ
شام شیخ محمد بیجہ البیطار کی معیت و رہبری میں راقم سطور نے اس کی زیارت کی، علامہ موصوف نے واقعہ سنایا کہ یونورٹی
کی کسی تعمیر کے سلسلہ میں شب بھر میں اس مقبرہ کو کھدوا ڈالا گیا، صبح جب اس کی اطلاع ہوئی تو صدر جمہوریہ شکاری القوتی نے عیسائی
(۱۲ مئی ۱۹۳۶ء)

جنازہ صبح کے وقت قلعہ سے نکلتا تھا، لیکن ہجوم کی کثرت کی وجہ سے کہیں عصر کی اذان کے وقت دفن کی نوبت آئی، بظاہر سارا شہر جنازہ کی مشابعت میں تھا، حاضرین کا کم سے کم اندازہ ۶۰ ہزار سے ایک لاکھ تک کیا گیا ہے، ۱۵ ہزار صرف عورتوں کا اندازہ ہے، جو جنازہ میں شریک تھیں، جو بالاحالوں اور چھتوں سے دیکھ رہی تھیں، اس کے علاوہ ہیں، جنازہ میں ایسا ہجوم دمشق کی تاریخ میں دیکھا نہیں گیا، ممکن ہے بنی امیہ کے زمانہ میں جب دمشق کی آبادی بہت تھی، اور وہ دارالخلافہ تھا کسی کے جنازہ میں ایسا ازدحام ہوا ہو۔

نماز جنازہ غائبانہ

اکثر اسلامی ممالک میں یہاں تک کہ اقصادی جنوب اور اقصادی مشرق میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی، ابن رجب ذیل طبقات السخا بلہ میں لکھتے ہیں:-

وصلے علیہ صلاۃ الغائب فی غالب بلاد
الاسلام القریبۃ والبعیدۃ حتی فی الیمن
والصین واخبار المسافرون انه نودی
باقصی الصین للصلاۃ علیہ یوم
جمعة * الصلاۃ علی توجعان القرآن
الکثر قریب البعید ممالک اسلامیہ میں نماز جنازہ غائبانہ
پڑھی گئی، یہاں تک کہ یمن اور یمن میں بھی نماز جنازہ
ہوئی، مسافروں نے بیان کیا کہ چین کے ایک بعید ترین
شہر میں جمعہ کے دن نماز جنازہ (غائبانہ) کا اعلان
ان الفاظ میں ہوا کہ "ترجمان قرآن کی نماز جنازہ ہوگی"

(باقی صفحہ ۱۲۷ کا) وائس چانسلر کو تنبیہ کی کہ ابن تیمیہ کی قبر اگر مدرس ہو گئی تو میں سلطان ابن سعود کو کیا جواب دوں گا جن سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں، چنانچہ وہ قبر باقی رکھی گئی جو ابھی تک محفوظ ہے۔

اسے یہ ساری تفصیل ابن کثیر نے شیخ علم الدین البرزالی کے حوالہ سے لکھی ہے، جو شیخ الاسلام کے معاصر اور رفیق درس

نمایاں صفات اور کمالات

خدا داد حافظہ اور ذہانت

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنے دور میں علوم اسلامیہ میں جو بہت بڑا مقام حاصل کیا، اور تفسیر و حدیث و فقہ میں بیک وقت اپنی امامت، تبحر اور غیر معمولی عبور کا جو نقش اپنے زمانہ پر قائم کیا، اس میں بہت بڑا دخل ان کے غیر معمولی حافظہ اور ذہانت کو تھا، جو ایک موہبت خداوندی اور ایک نعمت خداوندی تھی، ابن تیمیہ کے عصر میں اسلامی علوم اتنی وسعت اختیار کر چکے تھے، اور منقولات کا اتنا بڑا ذخیرہ مجتمع ہو گیا تھا کہ جو شخص غیر معمولی حافظہ کا مالک نہ ہوتا، وہ نہ اس وسیع ذخیرہ پر عبور حاصل کر سکتا تھا، مختلف فیہ اور مابہ النزاع مسائل میں اپنے نامور اور متبحر معاصرین کے سامنے لب کشائی کی جرأت کر سکتا تھا، اور نہ کسی مسئلہ میں کسی پیشرو عالم سے اختلاف کا حق رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو جو حافظہ اور قوت استحضار عطا فرمائی تھی، اس کی مدد سے انھوں نے تفسیر حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم اختلاف (اختلافات ائمہ)، علم کلام، تاریخ، سیر و آثار، علم رجال، لغت و نحو کے اس وقت تک کے ذخیرہ پر عبور حاصل کر لیا، جتنی کتابیں اور مآخذ و مواد اس وقت موجود تھا، اور وہاں تک ان کی دسترس تھی، انھوں نے اس کا مطالعہ کیا، اور ان کے قوی اور امانت دار حافظہ نے اس کو محفوظ کر لیا، اور انھوں نے اپنی علمی اور تصنیفی زندگی میں اس سے اس طرح مدد لی، جیسا کہ ایک تجربہ کار جنگ آزما اپنے ترکش کے

ذخیرہ سے مدد لیتا ہے۔

ان کے معاصرین ان کے حافظہ کی غیر معمولی قوت، استحضار اور نمایاں ذکاوت و ذہانت کے مداح اور معترف ہیں، اور اس پر معاصرین و متاخرین سب کا اتفاق ہے کہ وہ نہایت قوی الحفظ، سریع الفہم اور ذہین و ذکی تھے، ان کے رفیق درس علامہ علم الدین البرزالی کہتے ہیں: "قل ان سمع شیئاً الحفظہ وکان ذکیاً کثیراً المحفوظ" (وہ جو کچھ بھی سنتے یاد کر لیتے، کم اس میں تخلف ہوتا، وہ نہایت ذہین تھے اور کثرت سے ان کو چیزیں یاد تھیں) حافظ ذہبی جو فن رجال کے امام اور مورخ اسلام ہیں فرماتے ہیں: "ما رأیت اشد استحضاراً للمتون وعزواً مامناً، وکانت السنۃ بین عینیہ وعلی طرف لسانہ" (میں نے ان سے زیادہ متون (حدیث کے الفاظ اور اصلی عبارات) کا یاد رکھنے والا، اور بروقت ان سے کام لینے والا اور ان کا صحیح حوالہ دینے والا اور نسبت کرنے والا نہیں دیکھا، حدیث کا ذخیرہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے اور زبان کی نوک پر تھا) ان کے حافظہ کے لئے سب سے بڑی شہادت ان کے معاصرین کا یہ قول تھا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں ہے، حدیث کا ذخیرہ جتنا عظیم اور وسیع تھا، اور اس کو ہر وقت مستحضر رکھنا جتنا مشکل کام تھا، اس کے بعد حدیث کے بارہ میں تنہا ان کے حافظہ اور علم پر اعتماد اور ان کے قول پر فیصلہ جب ہی ہو سکتا تھا جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، اور ان کا حافظہ کبھی ان سے بے وفائی اور خیانت نہیں کرتا تھا، حافظ ذہبی کہتے ہیں: "یصدق علیہ ان یقال کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیۃ فلیس بحدیث" (ان کے متعلق یہ کہنا درست ہوگا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے)۔

ان کے بعض معاصرین نے یہاں تک کہا ہے کہ کئی صدی سے ایسا قوی الحفظ انسان پیدا نہیں ہوا، علامہ کمال الدین ابن الزمکانی جو شیخ الاسلام کے ایسے معاصر تھے، جو مجلس مناظرہ میں ان کے

حرایت رہے ہیں، اور بہت سے مسائل میں ان کو ان سے سخت اختلاف رہا ہے، ان کے اس وصف خداداد کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں:-

لعمریہ من خمس مائۃ سنۃ او قال
پانچ سو سال سے یا چار سو سال سے (ناقل کو اس
اربع مائۃ سنۃ - والشک من الناقل۔
میں تردد ہے کہ پانچ سو سال کہے یا چار سو سال) ایسا
الحفظ منہ۔
قوی الحفظ آدمی پیدا نہیں ہوا۔

ذہانت کے متعلق حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں: "کان یتوقد ذکاءاً" (وہ ذہانت کا ایک شعلہ تھے) دوسری جگہ لکھتے ہیں: "کان آیت من الذکاء وسرعة الادراک" (ذہانت اور سرعت فہم میں عجب روزگار تھے)۔

تبحر علمی اور جامعیت

اس خداداد حافظہ اور ذہانت، علم سے خاندانی مناسبت، سخت محنت و مشقت، شوق مطالعہ اور ذوق علم اور سب سے بڑھ کر توفیق خداوندی سے انھوں نے اسلامی علوم اور رائج الوقت فنون و مضامین میں ایسا تبحر اور جامعیت کی شان پیدا کر لی تھی کہ ان کے وہ نامور معاصرین جو سن میں ان سے بڑے اور اپنے زمانہ کے مسلم الثبوت استاد اور امام فن تھے، ان کے تبحر اور جامعیت کو دیکھ کر انگشت بند رہ جاتے تھے، اور اس کی شہادت دیتے تھے کہ وہ علم کا دریا اور اسلام کا بولتا ہوا کتب خانہ ہیں، اور ہر فن میں ان کو ایسا دخل ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی ان کا خاص فن ہے، علامہ تقی الدین ابن دقیق کا پایہ فن حدیث میں مسلم ہے، اس زمانہ کے علماء بالعموم ان کو اپنا استاد اور بزرگ مانتے تھے، ہنرمیں جب ابن تیمیہ مصر گئے تو علامہ ابن دقیق العبد سے ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے بعد علامہ موصوف نے اپنا تاثر ان الفاظ میں ظاہر کیا:-

لما اجتمعت بابن تیمیہ رأیت رجلاً
العلوم کما ین عینیہ یاخذ منها
مایرید ویدع مایریدہ

جب بن تیمیہ سے میری ملاقات ہوئی تو مجھے ایسا
محسوس ہوا کہ تمام علوم اس شخص کی آنکھوں کے
سامنے ہیں جو چاہتا ہے لیتا ہے اور جس کو چاہتا
ہے چھوڑ دیتا ہے۔

علامہ کمال الدین ابن الزمکانی جو خود ایک متبحر عالم اور کثیر الفنون شخص تھے، ان الفاظ میں اپنا
استعجاب ظاہر کرتے ہیں:-

کان اذا سئل عن فن من العلم طرت
الزائی والتامع انه لا یعرف غیر
ذلك الفن وحکم ان احدا لا یعرف
مثله

علامہ تقی الدین ابن السبکی ان کے مشہور حریف ہیں جنہوں نے مسئلہ شذرحال اور بعض دوسرے
فقہی مسائل میں ان کی تردید میں مستقل کتابیں لکھی ہیں اور نظم میں بھی ان کے متعلق اظہار خیال کیا ہے
باین ہمہ حافظ ذہبی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

المملوک یتحقق کبیر قدرہ و زخارۃ
بحرہ و توسعہ فی العلوم الشرعیۃ
والعقلیۃ و فوط ذکاء و اجتہادہ
و بلوغہ فی کل ذلك المبلغ الذی
لا یتجاوز ذلک الوصف والمملوک

فقیر کو اس کا خوب اندازہ ہے کہ ابن تیمیہ ایک
جلیل القدر عالم، بحر زخار اور علوم شرعیہ و عقلیہ
میں متبحر ہیں اس کو ان کی اعلیٰ ذہانت محنت و غور و فکر
کا بھی خوب اندازہ ہے اور معلوم ہے کہ وہ (علمی کمالات)
کے ایسے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں کہ اس کی تعریف

لہ الرواۃ فرماتے ہیں ایضاً: لہ ملاحظہ ہو ترجمہ علامہ تقی الدین ابن السبکی (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تاج الدین ابن السبکی)

یقول ذلك دائماً

مشکل ہے، فقیر اپنی مجلس میں ہمیشہ اس کا اعتراف
اور اظہار کرتا رہتا ہے۔

تاریخ ان کا خصوصی فن نہیں تھا، اور نہ انھوں نے اس کو اپنا موضوع بنایا تھا، اس کے
باوجود ذہبی جیسے مورخ و نقاد کا بیان ہے کہ "ومعرفة بالتاریخ والتیر فحجب عجیب" (ان کی تاریخی
واقفیت حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے)۔

ان کی تاریخ دانی، وسعت نظر اور حاضر دماغی کا ایک حیرت انگیز واقعہ ان کے تلمیذ رشید
حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:-

"ایک سلامی ملک میں (غالباً شام یا عراق میں) یہودیوں نے ایک قدیم دستاویز پیش کی جو دیکھنے
میں کبھی بہت قدیم تحریر اور کاغذ معلوم ہوتا تھا، اس میں یہ درج تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے معاف فرمادیا تھا، اس دستاویز پر حضرت علیؓ سعد بن معاذ اور
صحابہ کرام کی ایک جماعت کے دستخط تھے بعض ناواقف جن کی نظر تاریخ و سیرت اور اس عہد کے
حالات پر وسیع اور گہری نہ تھی، دھوکہ میں آ گئے اور ان کو اس کی صحت کا یقین ہو گیا اور انھوں
نے اس پر عمل کرنے اور یہودیوں سے جزیہ کے ساقط کرنے کا فیصلہ کر دیا، جب یہ دستاویز
شیخ الاسلام کے سامنے آئی تو انھوں نے اس کو بالکل ناقابل اعتبار اور جعلی قرار دیا، اور اس کے
جعلی اور مصنوعی ہونے کے ثبوت میں دس دلیلیں پیش کیں، ان میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ اس پر حضرت
سعد بن معاذ کے دستخط ہیں، حالانکہ جنگ خیبر سے پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی، دوسرے یہ کہ اس میں
ذکر ہے کہ یہودیوں سے جزیہ کو ساقط کر دیا گیا ہے، حالانکہ جزیہ کا حکم اس وقت تک آیا ہی نہ تھا،
اور نہ صحابہ کرام اس سے واقف تھے، اس کا حکم تو خیبر کے تین سال کے بعد تبوک کے سال

نازل ہوا ہے تیسرے یہ کہ اس میں تذکرہ ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لیا جائے گا، یہ ایک نہل بات ہے اس لئے کہ کیا یہودی کیا غیر یہودی کسی سے بیگار لینے کا دستور نہیں تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس ظلم اور زبردستی سے بالکل پاک تھے، وہ کسی سے بیگار نہیں لیتے تھے یہ تو جابر بادشاہوں کی ایجاد ہے جو اس وقت تک چل رہی ہے جو تھی دلیل یہ ہے کہ اہل علم اہل معاشی و سیر، محدثین، و فقہاء و مفسرین میں سے کسی نے اس دستاویز کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ سلف کے زمانہ میں بھی وہ نکالی گئی، بہر حال یہ دستاویز بالکل بناوٹی اور بے اصل ہے، اور جعلی ہونے کی داخلی شہادتیں موجود ہیں، شیخ الاسلام کی اس تحقیق سے یہ ظلم ٹوٹ گیا، اور اس جعل کی قلمی کھل گئی ہے۔

ان کے تبحر علمی اور ذہانت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ ان کے ایک معاصر شیخ صالح تلاج الدین بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوا، ایک یہودی نے تقدیر کا ایک مسئلہ پوچھا تھا، اور اپنا سوال و اعتراض آٹھ شعروں میں لکھ کر بھیجا تھا، شیخ نے تھوڑی دیر تاہل کیا، پھر جواب لکھنا شروع کیا، ہم حاضرین مجلس یہ سمجھتے رہے کہ وہ اس کا نثر میں جواب دے رہے ہیں، جب وہ فارغ ہوئے تو کسی نے کاغذ اٹھا کر دیکھا اور ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ٹھیک سی قافیہ ردیف میں شیخ نے ۱۸۴ اشعار میں بحرستہ اس کا جواب دیا تھا، اس جواب میں اتنے علوم آگئے تھے کہ اگر ان کی شرح و تفصیل کی جائے تو دو ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔

اس تبحر علمی اور جامعیت کو دیکھ کر ان کے معاصرین اور متاخرین نے ان کے متعلق نہایت بلند کلمات کہے ہیں، اور ان کو نادرۃ روزگار، سرآمد محققین، آخر المجتہدین اور ایۃ من آیات اللہ شمار کیا ہے، ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) کہتے ہیں "لم تر عین من رأی مثله ولا رأی عینہ مثل نفسه" (ان کے معاصرین اور دیکھنے والوں نے ان کا جیسا نہیں دیکھا، اور نہ انھوں نے خود اپنی نظیر دیکھی)

لہذا المعادجۃ ۳۳ فصل واماہدیہ فی عقد الذمۃ واخذ الجزیۃ۔ ۱۵۲ انکواکب ۱۵۴ ۱۵۳ ایضاً

حافظ شمس الدین الذہبی جیسے وسیع النظر مورخ اور نقاد مبصر نے یہاں تک فرمایا ہے:-

و حلفت بین الرکن والمقام لحلفت
اگر رکن و مقام ابراہیم کے درمیان مجھے قسم دے کر
اے ما رأیت بعینی مثله ولا والله
پوچھا جائے تو میں حلفیہ کہوں گا کہ نہ میں نے علم میں
راہی ہو مثل نفسه فی العلم۔
ان جیسا دیکھا نہ انھوں نے اپنا جیسا دیکھا۔

شجاعت اور فکری استقلال

ابن تیمیہ کی شجاعت و دلیری اور موت سے بے خوفی ان کے تمام معاصرین حتیٰ کہ ترک سرداروں اور فوجی افسروں کے لئے بھی حیرت انگیز تھی، مغلوں کے مقابلہ میں انھوں نے جس شجاعت و جوانمردی اور جس جرأت و بیباکی کا اظہار کیا اس پر خود قبحی کو جو اپنے زمانہ کا مشہور ترک فوجی افسر اور امیر تھا، سخت حیرت تھی، حافظ سراج الدین کے الفاظ ہیں:-

وکان اذا ركب الخيل يجول في العدو
جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو دشمن کی صفوں
کا عظم الشجعان ويقوم كأثبت
میں اس طرح گھومتے تھے جیسے بڑے سے بڑا بہادر
الفرسان وینکی العدو من كثرة
اور اس طرح کھڑے رہتے تھے جیسے بڑے سے بڑا
القتلہ بهم وینحون بهم خوفاً
ثابت قدم شہسوار وہ دشمن کو اپنے حملوں سے چور
رجل لا یخاف الموت۔
کر دیتے تھے اور اس بے تکلفی سے فوج میں گھس
جاتے تھے جیسے ان کو موت کا کوئی ڈر نہیں۔

لیکن یہاں ان کی اس شجاعت کا تذکرہ مقصود نہیں جو جنگ کے میدان اور سلاطین کے مقابلہ میں کلمہ حق بلند کرنے میں ان سے ظہور میں آئی، اس کی کچھ تفصیل پچھلے اوراق میں گزر چکی ہے

لہ انکواکب ص ۱۶۱

یہاں ان کی اس شجاعت کا اظہار مقصود ہے، جو قلمی معرکوں، علمی میدان اور تحقیق اور اظہار حق میں ان سے ظاہر ہوئی۔

اہل علم ناظرین کو اس کا اندازہ ہے کہ اکثر مسائل میں وہ منفرد نہیں، ان مسائل پر پہلے بھی بحثیں ہوئی ہیں، اور رسائل لکھے گئے ہیں، اور ان کے زمانہ میں بھی ان کے متعدد معاصران کے ہم خیال تھے، مگر جس جرأت و شجاعت اور جس صاف گوئی اور بلند آہنگی کے ساتھ انھوں نے اپنے خیالات و تحقیقات کا اعلان کیا، اور تقریر و تحریر میں بے محابا بیان کیا، وہ ان کا خاص حصہ تھا، توحید خالص کی وضاحت، استغاثہ و استعانت بغیر اللہ کی تردید، بدعات و منکرات زمانہ کی مخالفت، وحدۃ الوجود اور حلول و اتحاد کے خلاف قلمی و لسانی جہاد، مدعیان تصوف اور مبتدعین کی تلبیسات کی پردہ دری میں انھوں نے جس شجاعت و بے خوفی کا اظہار کیا، اور جن مسائل و تحقیقات کو وہ حق سمجھتے تھے، خواہ وہ کلامی مباحث سے متعلق ہوں یا فقہی مذاہب سے، ان کو جس طرح انھوں نے مدلل و پرزور طریقہ پر بیان کیا، اور ان کے ثبوت کے لئے جو مقدمات و دلائل قائم کئے اور آخر دن تک جس طرح اپنے ان خیالات و عقائد پر قائم رہے، اور ان کے راستہ میں تکلیفیں برداشت کیں، اس سے ان کی نہ صرف شجاعت و انتقامت بلکہ عظمت و امامت کا ثبوت ملتا ہے، ذہبی ان کی اس علمی و دینی شجاعت و انتقامت کا ذکر ان مداحانہ الفاظ میں کرتے ہیں:-

الخلق عبارات اجمع غنا الاولون
والآخرون وھالوا وجسرھو علیھا
حتی قام علیہ خلق من علماء مصر
والشام قیاماً لا ینید علیہ ویدعوہ
ویناظروہ وکاتبوہ وھو ثابت
انھوں نے اپنے مفہوم کے لئے ایسی تعبیرات استعمال
کیں جن کی متقدمین و متأخرین کو جرأت نہیں ہو سکی
تھی، یہاں تک کہ نتیجہ نکلا کہ مصر و شام کے علماء کا
ایک نبوہ ان کا مخالف ہو گیا، اور اس نے ان کی
مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، ان علماء نے

لا یدھن ولا یحالی بل یقول الحق المثل
الذی اذا لایہ اجتھادہ وحدۃ ذھنہ
وسعة دائرۃ فی السنن والا قول مع
ما شہر عنہ من الورع وکمال الفکر
وسرعة الادراک والخوف من اللہ
العظیم والتعظیم لحرمت اللہ فجری
بینہ و بینہم جملة حریبہ ووقعات
شامیة ومصریة وکم من نوبة روعة عن
قوس واحدة فینجیہ اللہ لہ

ان پر بدعت کا الزام لگایا، منافرت کئے، مرامت
کی، لیکن وہ ان تمام حالتوں میں اپنے خیال و عقیدے
پر قائم رہے، انھوں نے مابینت کی نہ کسی کی روئے
بلکہ وہی سچی کڑوی بات کہتے رہے تو جو ان کے اپنے
اجتہاد، غور و فکر، ذکاوت اور سنن و اقوال پر وسیع نظر
کی بنا پر سمجھ میں آئی تھی، تنہا یہی بات نہیں تھی، بلکہ
اس کے ساتھ ان کا زہد و ورع، بالغ نظری، ہر قسم
خوف خدا، حدود و احکام الہی کا ادب و تعظیم بھی شامل
تھی، ان کے اور ان کے معاصرین و مخالفین کے
درمیان بڑے بڑے معرکے اور شام و مصر میں بڑے
بڑے مقابلے ہوئے، کتنے بار اس کی نوبت آگئی کہ
سب گروہ ایک طرف تھے، اور وہ تنہا ایک طرف،
پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے مخالفین کے ضرر سے بچالیا۔

ابن تیمیہ اپنے معاصرین میں اپنے علمی تجربے میں ضرور ممتاز تھے، جیسا کہ ان کے معاصرین نے بلند
کلمات میں اس کا اعتراف کیا ہے، لیکن ان کا اصلی امتیاز جس نے ان کو اپنے نامور اور فاضل معاصرین
میں یکانہ، روزگار و تاریخ میں زندہ جاوید اور یادگار بنا دیا، وہ تنہا ان کا علمی تجربہ تھا، بلکہ ان کا فکری
استقلال، ذوق تحقیق اور مجتہدانہ طرز تھا، انھوں نے ان ہی علوم و فنون کا اور انہی کتابوں کا مطالعہ
کیا، جن کا ان کے اکثر معاصرین نے مطالعہ کیا تھا، مگر انھوں نے انہی علوم اور کتابوں کے اندر اپنی

راہ پیدا کر لی، اور جلد خصوصی مقام حاصل کر لیا، نحو سب نے پڑھی تھی، اور سب سیبویہ کو واجب التقلید امام اس کے قول کو حرف آخر مانتے تھے، لیکن ابن تیمیہ نے "الکتاب" کا بھی (جس کو علمائے نحو، نحو کا صحیفہ اور نسخ کتب مانتے ہیں) ناقدانہ مطالعہ کیا تھا، ابوحیان نحوی نے جب سیبویہ کا حوالہ دیا، تو انھوں نے صاف کہا کہ کیا سیبویہ کوئی نبی تھا جس پر نحو اتاری ہے اس نے "الکتاب" میں ۸۰ مقامات پر غلطی کی ہے، یونانی منطق و فلسفہ کے مطالعہ سے ان کے زمانے کے اکثر علماء و فقہاء محتاط تھے، اور جنھوں نے مطالعہ کیا تھا، وہ اس سے کم و بیش متاثر تھے، حدیہ ہے کہ فلسفہ کے سب سے بڑے ناقد اور مسلمانوں میں اس کے نبض شناس حجة الاسلام غزالی اپنی تصنیفات حتیٰ کہ احیاء العلوم کو یونانی الہیات اور فلسفہ اخلاق کے اثرات سے کلی طور پر محفوظ رکھ سکے، اور ان کی بہت سی تصنیفات میں مؤرخین فلسفہ کو یونانی فلسفہ کی جھلک اور پرچھائیاں نظر آتی ہیں، لیکن ابن تیمیہ نے یونانی منطق اور فلسفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور اس سے وہ کہیں سمجھوتہ کرتے نظر نہیں آتے، انھوں نے کتاب "التدعیٰ المنطقیین" میں یونانی منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت مسائل و مقدمات پر ناقدانہ بحث کی ہے، اور ان پر عمل جراحی کر کے اس کے پورے نظام کو مجروح اور اپنے اعتراضات کے تیروں سے چھلنی کر کے رکھ دیا ہے، فقہ و حدیث میں بحث و نظر کے عرصہ سے کچھ محدود دائرے بن گئے تھے، جن سے باہر قدم نکالنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا، اور عرصہ دراز سے اس ذخیرہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، ابن تیمیہ نے بہت سے فقہی مسائل پر جو طے شدہ سمجھے جا رہے تھے، از سر نو غور کیا، اور اپنی تحقیقات کے نتائج پوری شجاعت اور علمی سنجیدگی کے ساتھ پیش کئے جس کا اثر یہ ہوا کہ دماغوں اور علمی حلقوں کی ساکن سطح میں پھر جنبش پیدا ہوئی، اور غور و فکر کا دروازہ کھلا، آخر میں انھوں نے استقلالاً محض کتاب سنت اور آثار صحابہ کی بنا پر فتوے دینے شروع کئے، حافظ ذہبی ان کی زندگی میں لکھتے ہیں:

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فلسفہ الاخلاق فی الاسلام و صلاہا بالفلسفۃ الاغریقیۃ، اور تاریخ الاخلاق، از ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ

وله الآن عدة سنين لا يفتي بذهب
معين بل بما قام الدليل عليه، ولقد
نصر السنة المحضة والطريقة
السلفية ببراہین ومقدمات
وامور لم يسبق اليها۔
ادھر وہ کئی سال سے (مذہب راجعین سے) کسی
مذہب معین کے مطابق فتوے نہیں دیتے بلکہ جس
مذہب کی دلیل پاتے ہیں اس کے مطابق فتویٰ دیتے
ہیں انھوں نے سنت خالصہ اور طریقہ سلف کی
نصرت میں ایسے دلائل مقدمات اور وجوہ قائم
کئے جن میں وہ مفرد ہیں کسی نے اس سے پہلے ایسے
دلائل و مقدمات قائم نہیں کئے۔

ان اجتہادات میں وہ کبھی کبھی مفرد بھی نظر آتے ہیں، ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں، جیسے کہ ہر غیر معصوم سے ہوتی ہیں، ان کے دلائل ہر مسئلہ میں ضروری نہیں کہ قوی اور واجب التسلیم ہی ہوں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے مقصد میں مخلص تھے، وہ نفس پرستی، خواہشات کی پیروی، ہولت پسندی یا کسی مصلحت کی خاطر کسی امام کے مسلک کسی مذہب فقہی یا جمہور کے قول کو ترک و کسی مسئلہ کا استنباط نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ طالب حق، دلیل کے پابند اور کتاب سنت کے تابع تھے، اس بارہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی صاحب "فتح الباری" کا یہ ارشاد قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، وہ فرماتے ہیں:-

انه شيخ مشايخ الاسلام في عصره
بلا ريب والمسائل التي أنكرت عليه
ما كان يقولها بالتشكي ولا يصير على
القول بها الا بعد قيام الدليل عليه
غالباً فالذي اصاب فيه وهو الاكثر
وهو بلا شبهة اپنے زمانہ کے شیخ المشايخ تھے جن مسائل
میں ان پر اعتراض ہوا ہے، وہ بھی انھوں نے نفساً
کی بنا پر نہیں کئے، عموماً جب ان کو اس کی دلیل
پر اطمینان ہو جاتا تھا، جب وہ ان پر اصرار کرتے
تھے، جن مسائل میں وہ برسر حق ہیں اور وہ تندر

سیستفاد منه ویترحم علیہ سبہ
والذی اخطأ فیہ لا یقلد فیہ بل هو
معدود لان ائمة عصره شهدوا له
بأن ادوات الاجتهاد فیہ حتی کان
أشد المتعصبین علیہ والعالمین فی
ایصال الشرائع وهو الشیخ جمال الدین
الزمکالی شهد له بذالک
میں زیادہ بھی ہیں اس میں ان سے استفادہ کرنا
چاہئے اور ان کی بنا پر ان کے حق میں دعائے خیر
کرنی چاہئے جن مسائل میں ان سے غلطی ہوئی ان
میں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہئے وہ ان میں معذور
ہیں اس لئے کہ ان کے زمانہ کے اکابر علمائے اس کا
اعتراف کیا ہے کہ ان میں شرائط اجتہاد موجود تھے
یہاں تک کہ ان کے ایک بہت بڑے حریف جو
ان کے درپے آزار بھی رہتے تھے یعنی شیخ جمال الدین
الزمکالی وہ بھی اس کے معترف ہیں۔

اخلاص وانہماک

ابن تیمیہ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ علم دین کی خدمت کے لئے ہمہ تن وقف تھے
انہوں نے زندگی بھر کسی اور چیز سے سروکار نہیں رکھا، ان کے اکثر معاصرین، رفقاء اور ہم عمر جن میں
بڑے بڑے مخلص، بڑے بڑے فاضل تھے، حکومت کے مختلف عہدوں پر سرفراز رہے، یا انہوں نے کوئی
دینی منصب یا انتظامی ذمہ داری قبول کی، یا عطیہ سلطانی یا خلعت شاہانہ یا انعام و اکرام سے سرفراز
ہوئے، یا حکومت کے وظیفہ خوار رہے، لیکن ابن تیمیہ کا دامن ساری عمران آلائشوں سے پاک رہا،
انہوں نے علم و دین کے اشتغال، افتاء، درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف اور
تحقیق و تدقیق کے سوا کسی مشغلہ سے تعلق ہی نہیں رکھا، ان کے ایک معاصر ان کی اس علمی کیوٹی

دینی انہماک اور دنیا سے بے لوثی و بے تعلقی کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں:-

مخالط الناس فی بیع و لا شراء ولا
معاملۃ ولا تجارۃ ولا مشارکۃ ولا مزارعۃ
ولا عمارۃ ولا کان ناظر او مباشر المال
وقت ولم یقبل جرایۃ ولا صلۃ لنفسه
من سلطان ولا امیر ولا تاجر ولا کان
مداخر او دینار او لاد رہما ولا متاعا ولا
طعاما و اتما کانت بضاعته مدۃ حیاتہ
ومیراثہ بعد وفاتہ رضی اللہ عنہ
العلم اقتداً أبید المرسلین فانه قال
ان العلماء ورتۃ الانبیاء ان الانبیاء
لم یورثوا دینار او لاد رہما و لکن
ورثوا العلم فمن أخذ به أخذ بحظ
واخبرہ
انہوں نے لوگوں کے ساتھ بیع و شراء معاملہ
تجارت، شرکت، زراعت، عمارت وغیرہ کی قسم کا
تعلق نہیں رکھا، نہ کبھی کسی مال وقف کے نگران
یا منتولی رہے، نہ کبھی انہوں نے حکومت کا وظیفہ یا کسی
سلطان، حاکم یا تاجر کی پیشکش قبول کی، نہ کبھی انہوں
نے دینار و درہم یا سامان یا خوراک جمع کی، ان کا
سرمایہ اور ان کی پونجی جب تک وہ زندہ رہے
اور جب انتقال کیا تو ان کی میراث ہی علم
تھا اور یہ سنت نبوی ہے، کیونکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، علماء و رثین
انبیاء ہیں انبیاء نے دینار و درہم کبھی اپنی میراث
میں نہیں چھوڑے، انہوں نے علم کی میراث چھوڑی
جس کو میراث ملی وہ بڑا خوش نصیب ہے۔

صاحب الکواکب الدریۃ معتبر لوگوں سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

انه کان قد قطع جُل وقتہ وزمانہ
فی العبادۃ حتی انه لم یجعل لنفسه
شاغلۃ تشغله عن اللہ وما یزاولہ
انہوں نے اپنا سارا وقت اور پورا زمانہ عبادت
میں مصروف کر رکھا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے
اپنی ذات کے لئے کوئی دوسرا مشغلہ ہی اختیار

نہیں کیا، جو ان کو اللہ تعالیٰ سے مشغول کرے اور
جس میں وہ منہمک ہوں، نہ گھر والے نہ مال۔

ان کے مشاغل و افکار علم و دین کے انہماک اور مصروف زندگی نے (جس کا خاصہ حصہ جیل و
نظر بندی میں گذرا) ان کو اس کی بھی مہلت نہ دی کہ وہ نکاح کریں، انہوں نے ساری عمر تہجد اور
طالب علمانہ و مجاہدانہ زندگی میں گزار دی، صاحب الکواکب الدریتہ "ان کے روزمرہ کے معمولات
اور نظام الاوقات اس طرح بیان کرتے ہیں:-

ولا يزال تارة في افتاء الناس وتارة في
قضاء حوائجهم حتى يصلي الظهر مع
الجماعة ثم كذا لك بقية يومه ثم يصلي
المغرب ويقرأ عليه الدرس ثم يصلي
العشاء ثم يقبل على العلوم الى ان
يذهب طویل من الليل وهو في
خلال ذلك كله الليل والنهار لا يزال
يذكر الله تعالى ويوحده ويستغفره
وہ کبھی فتویٰ دینے میں مشغول ہوتے کبھی لوگوں کی
ضرورتیں پوری کرنے میں یہاں تک کہ ظہر کی نماز جماعت
کے ساتھ پڑھتے، پھر دن کا باقی حصہ اسی طرح گزرتا،
پھر مغرب پڑھتے اور اسباق شروع ہو جاتے، پھر عشاء
پڑھتے پھر درس و مطالعہ شروع ہو جاتا یہاں تک کہ
بڑی رات گزر جاتی، وہ اس اثناء میں دن میں بھی
اور رات میں بھی برابر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور کلمہ توحید
واستغفار میں مشغول رہتے۔

علم اگر کسی مدرس یا مفتی کے لئے ایک ضرورت، وقتی مشغلہ اور خدمت کی حیثیت رکھتا ہو، تو
ابن تیمیہ کی وہ غذا اور اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، اور ان کی طبیعت ثانیہ ہو گیا تھا، شیخ سراج الدین
ابو حفص البزار فرماتے ہیں:-

وكان العلم كأنه قد اختلط بجمعه ودمه
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم ان کے رگ و ریشہ میں ہر رات

وسائرہ فانہ لم یکن مستعاراً بل کان لہ
شعاراً و دناراً۔
گر گیا ہے اور گوشت پوست بن گیا ہے، علم
ان کے لئے کوئی عارضی اور وقتی مانگے کی چیز نہیں

تھی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

ان کے اخلاص و تلہبیت کی ایک بڑی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے اپنے حریفوں اور بدخواہوں کو
ہر موقع پر معاف کیا اور صاف اعلان کر دیا کہ "احللت کل مسلم عن ایذا علی" السلطان الناصر
کی واپسی کے بعد اس کے اصرار کے باوجود انہوں نے اپنے سب سے بڑے حریف قاضی ابن مخلوف کو
جس طرح معاف کیا، اور سلطان سے ان کی اور تمام شرکاء و علمائے سلطنت کی جس طرح تعریف
و سفارش کی، اس سے ان کی بے نفسی، عالی ظرفی اور اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ
ان کا سارا اختلاف علمی و دینی بنیاد پر تھا، اس میں نفسانیت اور ذاتیات کا شائبہ بھی نہ تھا، اس
اخلاص و انہماک کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے ۶۷ سال کی مصروف اور پُر از حوادث واقعات اور
تلاطم خیز زندگی میں تصنیفات و تحقیقات اور علمی آثار کا ایک بسا ذخیرہ چھوڑا جو اہل علم کی ایک پوری
جماعت کے لئے سرمایہ فخر بن سکتا ہے، اسی اخلاص و انہماک کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے زمانہ پر ایسے
دیر پا اثرات چھوڑے کہ وہ بجا طور پر ایک نئے دور کے بانی اور ایک عہد آفرین شخصیت کے مالک
کہے جاسکتے ہیں۔

ان کی تصنیفی خصوصیات

ابن تیمیہ کی تصنیفات کچھ منفرد خصوصیات رکھتی ہیں، جو اس عصر کی عام تصنیفات سے ان کو
نمایاں طور پر ممتاز کرتی ہیں، اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد اور بڑے اہم علمی

ذہنی انقلابات کے باوجود وہ ابھی تک نئی نسل کے دل و دماغ کو متاثر کرتی ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس عقلیت پسند اور جدت طلب دور میں وہ از سر نو مقبول ہو رہی ہیں ان خصوصیات میں چار چیزیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

۱۔ ابن تیمیہ کی تقریباً ہر تصنیف کے ناظر پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف مقاصد شریعت اور روح دین کا راز داں ہے اس کے ہاتھ میں دین کے سرے (اطراف و اصول) آگے ہیں اس لئے ہر بحث میں اس کی بحث اصولی و مرکزی تشفی بخش، اطمینان آفریں اور موجب یقین ہوتی ہے وہ جزئیات کے بجائے اصول پر زور دیتے ہیں اور بحث کا اس طرح آغاز کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی دین کا مزاج اور اس کی روح ہے اور بدلتے و اضطراباً شریعت محمدی کا تقاضا ہے اپنے معاصرین اور دوسرے مصنفین کے مقابلہ میں ان کے تفوق کا راز یہی مقاصد شریعت اور روح دین کی واقفیت اور ان کی کامیاب ترجمانی ہے جو ان کی ہر چھوٹی بڑی تصنیف میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے خصوصاً جب وہ عقائد اور اہم کلامی و فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔

۲۔ ان کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں زندگی نظر آتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کتابیں کسی علمی گوشہ یا الگ تھلگ جزیرہ میں نہیں لکھی گئی ہیں بلکہ عین زندگی کے میدان اور عوام کے بیچ میں لکھی گئی ہیں ان کی کتابوں سے آسانی کے ساتھ ان کے زمانہ کا تعین کیا جاسکتا ہے اور اس سوسائٹی کے ذہن و اخلاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے ان کا مصنف متعلق تھا۔ پھر ان کتابوں سے ان کے جذبات، ہوش، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مصنف دل و دماغ اور انسانی احساسات و جذبات رکھنے والا

۱۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم"

انسان تھا محض آلاء کتابت یا عقل محض نہ تھا۔

ان کے طریقہ تفسیر کی بھی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا زندگی سے ربط ہے، ان کا مصنف آیات الہی کو اپنی گرد و پیش کی زندگی اور اپنے معاصر انسانوں پر منطبق کرتا ہے اور ان آیات کے نقطہ نظر سے زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اپنے ہم عصروں اور امت کے مختلف طبقوں کا احتساب کرتا ہے وہ بتلاتا ہے کہ ان آیات و حقائق سے زندگی میں کہاں انحراف ہو رہا ہے اور اس کے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں زندگی کے اس وصف نے ان کی تصنیفات کو ایک طویل زندگی، تاثیر اور دل آویزی بخش دی ہے، جو دوسری تصنیفات میں کمیاب اور اکثر نایاب ہے۔

۳۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس پر اتنا مواد اور سالہ جمع کر دیتے ہیں جو بیسیوں کتابوں اور سیکڑوں صفحات میں منتشر ہوتا ہے ان کا یہ طرز تصنیف (جو انسائیکلو پیڈیا کی طرز کہلایا جاسکتا ہے) ان کی تمام تصنیفات کا نمایاں وصف ہے خواہ وہ نقلی مباحث پر ہوں یا عقلی مباحث پر اس طرح ان کی کتابوں میں یکجا اتنا مواد مل جاتا ہے کہ ان کی ایک کتاب اکثر ایک کتب خانہ کی قائم مقام بن جاتی ہے اور طالب علم کو بہت سی کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہے، اکثر اس مواد اور نقول کے پیش کرنے میں بحث کا سراہا تھ سے جاتا رہتا ہے اور مطالعہ کرنے والا اقوال و نقول کی کثرت میں گم ہو جاتا ہے اور اس کو بحث کا سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے اس دشواری کے باوجود ان کی کتابوں کے اس افادی پہلو کی تحقیر نہیں کی جاسکتی کہ وہ متقدمین و معاصرین کے اقوال و آراء کا ایک مخزن اور اپنے موضوع پر ایک چھوٹا سا "دائرة المعارف" ہیں یہ ان کا بڑا علمی احسان ہے کہ انہوں نے بہت سا قدیم مواد و سالہ محفوظ کر دیا اور بہت سے آراء و افکار کو اپنی کتابوں میں نقل کر کے ضائع ہونے سے بچا لیا۔

۱۔ ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ النور سورۃ الاخلاص وغیرہ ۱۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو منہاج السنۃ اور الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح

۴۔ ان کی کتابیں عام کلامی و فقہی تصنیفات سے اس لحاظ سے بھی ممتاز ہیں کہ ان میں اس موضوع کی کتابوں کی طرح خشکی، پیچیدگی، اور متون کی شان نہیں ہے، جن میں بالعموم ہر لفظ بندھا ہوا اور قانونی ہوتا ہے، ابن تیمیہ کی تصنیفات میں سلاست، زور، عربیت اور کہیں کہیں (بلا قصد) بلاغت و ادبیت اور خطابت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، جو ان کی کتابوں کو (جو اکثر ضخیم دفتر ہیں) دلچسپ، جاندار اور پر زور بنا دیتی ہے، خصوصاً جب وہ سلف کے طریق کی ترویج اور ان کی دینی و علمی و فکری فضیلت و تفوق پر بحث کرتے ہیں، تو ان کے قلم میں بڑا زور اور ان کی بحث میں "رجز" کی شان پیدا ہو جاتی ہے، ان کے معاصرین اور سوانح نگاروں نے ان کے حالات و کمالات کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کی بلاغت و خطابت کا تذکرہ کیا ہے، حافظ ابو حفص کہتے ہیں:-

یحییٰ کما یجری التیار ویفیض کما فیض
ان کے کلام میں سیلاب کی سی روانی اور سمندر کی سی
البحر ویصیر منذ یتکلم الی ان یفرغ کالغائب
طغیانی ہوتی ہے گفتگو کے آغاز سے لے کر اختتام تک
عن الحاضریں، معترضاً عینیہ و یقع
وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نہیں ہیں وہ آنکھیں
علیہ اذالہ من المہابة ما یبعد القلوب
بند کر لیتے ہیں اور تقریر فرماتے ہیں اس وقت ان پر
ویجتد الابصار والعقول
ایسا وقار و جلال سا طاری ہوتا ہے کہ مجلس پر ایک

رعب سا چھایا ہوا ہوتا ہے۔

ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کی روانی اور علم کی طغیانی ان کی مجلسوں سے مخصوص نہیں، ان کا قلم بھی ان کی زبان کا شریک ہے، اقشہری نے اپنے سفرنامہ میں اپنا یہی تاثر ظاہر کیا ہے، وہ لکھتا ہے "وقلمہ وسانہ متقاربان" (ان کا قلم اور ان کی زبان ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں) ان محاسن کے ساتھ ساتھ ایک مؤرخ و نقاد کے لئے اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان کی کتابوں

اور مباحث میں انتشار ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال اور ادنیٰ مناسبت سے ایک دوسری بحث کا آغاز اور طوالت و اطناب بہت پایا جاتا ہے، جو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے کے لئے (خصوصاً ان کے طرز تصنیف اور اسلوب کلام کا عادی نہ ہو) سخت اجتلا و امتحان کا سبب بن جاتا ہے، اس کا بڑا سبب تو ان کی حدت ذہن، فرط ذکاوت و فور علم اور جوش طبعیت ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ذہن اور قلم بحث کرتے وقت ایک نقطہ پر جمے نہیں پاتا، مضامین کا ورود اور انتقال ذہن اس شدت و سرعت کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ محدود نہیں رہ سکتے، یہی ان کے درس کی خصوصیت تھی، ان کے شاگرد ابو حفص البزار کہتے ہیں:-

کان ابن تیمیۃ اذا شرع فی الدرس یفتح
ابن تیمیہ جب درس کا آغاز کرتے تو اترتے تھے
اللہ علیہ اسرار العلوم وغوامض و لطائف
ان پر علم کے اسرار، باریک باتیں، لطیف نکات،
ودقائق و فنون و نقول و استدلالات
دقیق مسائل، فنون، علماء کے اقوال و نقول اور
بیانات و احادیث و استشادات با شعار
کلام عرب کے شواہد و امثال کا دہانہ کھول دیتا
العرب و هو مع ذالک یجہی کما یجہی
اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ ایک سیلاب اور ایک
التیار ویفیض کما فیض البیہ
دریا منڈر رہا ہے۔

اسی انتقال ذہنی، و فور مضامین و دلائل اور ذہنی تموج کی وجہ سے ان کے مناظرین کو مجلس مناظرہ میں بڑی دقت پیش آتی تھی، وہ اپنے بحث و مناظرہ میں اتنے مسائل چھیڑ دیتے اور اتنے علوم داخل کر لیتے کہ ان کے حریف کو ایک مرکز و منصب بحث کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی، اسی وجہ سے شام اور مصر میں علماء و فقہاء عمومی مجلسوں میں ان سے بحث و مناظرہ کرنے سے احتراز کرتے، اور اکثر معذرت کر دیتے، اس دشواری کو ان کے ایک فاضل ہم عصر اور مناظر شیخ صفی الدین الہندی

نے ان الفاظ میں بیان کیا :-

ما را دیا ابن تیمیہ الا کالعصفور حیث
اروت ان اقبضه من مکان فخر لی
مکان الخور
ابن تیمیم ایک چھوٹی چڑیا یا (کنجشک) کی طرح ہو
جب میں اس کو ایک جگہ سے پکڑنا چاہتا ہوں وہ
اڑ کر دوسری جگہ جا پہنچتی ہے۔

ان کی یہ مزاجی خصوصیت (جو کسی کمی کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک زیادتی اور کمال، و فور ذکاوت و
علم کا نتیجہ ہے) ان کی تصنیفات میں بھی پائی جاتی ہے، طالب صادق اگر صبر و ہمت سے کام لے
اور اس دشواری پر عبور حاصل کر لے تو اس بحر موج سے بڑے قیمتی موتی نکال سکتا ہے۔



مخالفت کے اسباب اور ان کے ناقدین و مدافعین

ان غیر معمولی علمی و ذہنی کمالات اور مسلم اخلاص و تدین کے ساتھ ایک سلیم الطبع انسان کے
دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور بعض متاخرین نے کیوں اس شدت سے ان کی
مخالفت کی، اور ان کی ذات ان کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کیوں موضوع بحث بنی ہوئی
ہے؟ ایسے جامع کمالات انسان کی عظمت و قبولیت پر تو سب کا اتفاق ہونا چاہئے، یہ سوال
حق بجانب ہے، اور اس کا مستحق ہے کہ ان کی سیرت اور ان کی معاصر تاریخ کی روشنی میں سنجیدگی سے
اس کا جواب دیا جائے۔

۱۔ اولاً تو یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ ان کی ذات کے بارے میں شروع سے دو فریق
بنے ہوئے ہیں، اور ان میں حریفانہ کشمکش جاری ہے، تاریخ میں جو شخصیتیں بہت ممتاز، غیر معمولی اور
خارق عادت کمالات کی حامل ہیں، ان کے بارے میں ہمیشہ سے یہی طرزِ عمل رہا ہے کہ ایک گروہ
ان کے معتقدین کا بن گیا ہے، جو ان کی تعریف میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے، دوسرا گروہ ناقدین
لے یا در ہے کہ مخالفت اور اختلاف میں فرق ہے، اختلاف اہل علم اور اہل تحقیق کا حق ہے، اور یہ حق کسی دور میں علماء سے
سلب نہیں کیا جاسکتا، یہاں اختلاف سے نہیں، بلکہ مخالفت و تکفیر کے اسباب سے بحث ہے۔

مخالفین کا ہے، جو ان کی تنقید بلکہ تنقیص میں انتہا پسند اور غالی نظر آتا ہے، عظیم الشان اور غیر معمولی شخصیتوں کے بارے میں تاریخ کا یہ ایک ایسا مسلسل اور متواتر تجربہ ہے کہ بعض فلاسفہ تاریخ اور نفسیات "عظمت و عبقریت" کے مبصرین نے اس کو قاعدہ کلیہ اور شرط عظمت و عبقریت قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن تیمیہ کی ذات میں ان کے معاصرین کے لئے سب سے بڑا ابتلا اور امتحان یہ تھا کہ وہ اس زمانہ اور اس نسل کی عام ذہنی و علمی سطح سے بلند تھے، اپنے زمانہ کی سطح سے بلند ہونا ایک نعمتِ خدا داد اور ایک قابلِ رشک کمال ہے، مگر اس کمال کی صاحبِ کمال کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، وہ صاحبِ کمال اپنے معاصرین کی طرف سے ایک مسلسل ابتلاء اور آزمائش میں رہتا ہے، اور وہ معاصرین اس صاحبِ کمال کی طرف سے زندگی بھر ایک مصیبت اور زحمت میں مبتلا رہتے ہیں، وہ اس کی تازگی، فکر، بلندئی، نظر، قوتِ اجتہاد کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور اس کے آفاقِ علم و فکر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی، اور وہ ان کے معین و محدود اصطلاحات اور مددِ حد و حد میں مفید نہیں رہ سکتا، وہ علم و نظر کی آزاد فضا اور قرآن و حدیث کے بلند اور وسیع آفاق میں آزادانہ پرواز کرتا ہے، ان کا مبلغِ علم متقدمین اور اہلِ درس کی کتابوں کا سمجھ لینا ہوتا ہے، وہ واضح علوم اور بہت سے فنون کا مجتہد و مجدد ہوتا ہے، غرض مدارک اور استعدادوں کا یہ تفاوت اس کے اور اس کے مخلص معاصرین کے درمیان ایسی کشمکش پیدا کر دیتا ہے کہ یہ گتھی کبھی سلجھتی نہیں، اور وہ کبھی اپنے معاصرین کو مطمئن نہیں کر سکتا، ہر زمانہ کے صاحبِ کمال اور مجتہد الفن علماء نے اس کی شکایت کی ہے کہ ان کی تحقیقات اور علوم و مضامین ان کے زمانہ کی علمی و نصابی سطح سے بلند اور ان اہلِ علم کی دسترس سے باہر ہیں، جن کی پروازِ فکر متداول کتابوں سے آگے نہیں، اور یہی بہت سے اہلِ علم کی مخالفت کا

سبب اور محرک ہے۔

۳۔ مخالفین کا ایک گروہ اس بنا پر مخالفت تھا کہ وہ اپنی غیر معمولی ذہانت و علم، اپنی شخصیت کی دلاویزی اور بلندی کی وجہ سے عوام و خواص میں مقبول اور حکومت کے اشخاص پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں، اور ان کے علم و تقریر کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلتا، وہ جہاں رہتے ہیں، سب پر چھا جاتے ہیں، درس دیتے ہیں تو درس کی دوسری محفلیں بے رونق ہو جاتی ہیں، تقریر کرتے ہیں تو علم کا دریا منڈتا نظر آتا ہے، ذہبی نے اس معنی خیز فقرہ میں دلوں کی اس چھپی ہوئی بات کو آشکارا کر دیا ہے۔

غیر ائمة یختر من یحی و غیرہ من
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو سندر سے پانی لیتے
الائمة یختر فون من السواقی
ہیں، اور دوسرے اکابر علماء چھوٹی چھوٹی نہروں
اور نالیوں سے پانی لیتے ہیں۔

ہر زمانہ کے علماء بہر حال بشر تھے، اور انسانوں ہی کا دل و دماغ اور انسانی احساسات رکھتے تھے، اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بہت سے لوگوں کے لئے ان کی مخالفت کا موجب یہی احساسِ کہتری اور انسانی طبیعت کی قدیم کمزوری تھی، جس سے بچنا بڑا مشکل کام ہے، امام ابو حنیفہ سے شدید اختلاف و عناد رکھنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین نے یہ شعر لکھا ہے جو ہر زمانہ پر صادق ہے۔

حسد و الفتی اذ لم ینا الواسعہ
فالناس اعداء لہ و خصوم

۱۔ افضل المتأخرین حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تصنیفات میں جا بجا اس طرف اشارے کئے ہیں، ایک جگہ "ازالۃ الخفاء" میں فرماتے ہیں "چوں میں مقدمہ بایں آب و تاب در کتب کلامیہ خواندہ پیمائل کہ وحشت بخاطر تو راہ یابد" دوسری جگہ فرماتے ہیں "لیکن فہم این محنی بغایت دقیق است جمیع کہ سرمایہ علم ایشان شرح وقایہ و ہدایہ باشد کجا" ادراک میں سر دقیق تو انہی ذکر کرد "ج ۲ ص ۸۴" ۲۔ الکواکب الدریہ ص ۱۲۵

۴۔ بہت سے معاصرین کی مخالفت کا ایک قدرتی سبب شیخ الاسلام کی ایک مزاجی خصوصیت بھی تھی، جو بہت سے اہل کمال میں ہوتی ہے جو غیر معمولی طور پر ذہین، وسیع النظر اور کثیر المعلومات ہوتے ہیں، یعنی طبیعت کی تیزی اور ذکاوت جس، جو بعض اوقات ان کو اپنے بعض حریفوں کی سخت تنقید اور ان کے جہل اور غباوت اور قلت علم کے اظہار پر آمادہ کر دیتی ہے اور شدت تاثر میں ان کی زبان سے بعض ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جس سے ان کے اہل علم معاصرین اور ان کے معتقدین تلامذہ کی دل شکنی اور تحقیر ہوتی ہے اور ان کے دل میں مستقل نفرت و عناد کے بیج پڑ جاتے ہیں، جو علمی و فقہی اصطلاحات، کفر و ضلال کے فتوے اور مسلسل مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں شیخ الاسلام کے معاصرین اور سوانح نگاروں نے ان کے فضائل و مناقب اور حالات بیان کرنے میں اس "مزاجی کیفیت" کو جو بہت حد تک ان کے حالات زندگی اور کمالات علمی و ذہنی کا نتیجہ تھی، نظر انداز نہیں کیا، علامہ ذہبی جو ان کے علمی و دینی کمالات سے بے حد متاثر ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

تعتبره حدة في البعث، وغضب
وصدمة للخصوم، تنزع له عداوة
في النفوس، ولولا ذلك لكان كلمته
اجماع فان كبارهم خاضعون
لعلومه معترفون باقة بحج لاسلح
له ولكن ليس له نظير
بحث کے اثناء میں کبھی کبھی ان کی طبیعت میں تیزی اور غصہ پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے مقابل و مناظر پر اپنا وار کرتے ہیں جس سے طبیعتوں میں عداوت کا بیج پڑ جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے فضل و کمال پر سب کا اتفاق اور اجماع ہوتا اس لئے کہ ان کے نامور معاصرین اور اکابر علماء ان کی علمیت و قابلیت کے سامنے سراسر انگدہ ہیں اور خاصاً اعتراف کرتے ہیں کہ وہ ایک دریائے ناپید کنارا اور مخزن علوم ہیں جس کی کوئی نظیر نہیں۔

ان کی زندگی میں متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں کہ کسی علمی و دینی مسئلہ میں اپنے معاصر کی کم فہمی یا اس کے

مطالعہ اور نظر کی کوتاہی ان سے برداشت نہ ہو سکی، اور انھوں نے برملا اس کا اظہار کر دیا اور اس اظہار کی وجہ سے ان کا وہ صاحب علم معاصر ان کا مستقل حریف اور معاند بن گیا چنانچہ مسئلہ زیارت میں جب تقی ابن الاخنائی مالکی نے ان کا رد کیا، اور انھوں نے ان کا تردیدی رسالہ پڑھا تو انھوں نے اس کا جواب لکھا جس میں ظاہر کیا کہ موصوف نہایت کم علم اور قلیل المعلومات شخص ہیں، اور وہ اس مسئلہ میں خامہ فرسائی کی لیاقت نہیں رکھتے، ان کا یہ تبصرہ ان کے لئے آزمائش کا باعث اور مزید تکلیفوں کا سبب بن گیا، ان کے بعض سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ ان کی آخری نظر بندی اور اسارت کی طوالت اور سامان تحریر کی ضابطی کا سبب ان کا یہی تبصرہ اور اظہار خیال تھا۔

اسی طرح ابو حیان مفسر جو اپنے زمانہ کا امام نحو سمجھا جاتا تھا، ابن تیمیہ کی خدمت میں مقتداً و نیاز مندانہ حاضر ہوا اور ان کی منقبت میں ایک زوردار قصیدہ لکھ کر لایا جس کا مطلع تھا۔

لما اتانا تقی الدين لاح لنا
داع الى الله فرددنا له
(جب ہمارے پاس تقی الدین (ابن تیمیہ) آئے تو ہم کو اکیلا سیاداعی الی اللہ نظر آیا جو اپنی خصوصیات میں مکیا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں)۔

اور جس کا ایک شعر ہے:-

يا من يحدث عن علم الكتاب اصغ
هذا الامام الذي قد كان يشتر

(اے وہ شخص جو علم کتاب کی باتیں کرتا تھا، غور سے سن یہی وہ امام ہے جس کا مدت سے انتظار تھا)

اشناء کے گفتگو میں نحو کے کسی مسئلہ پر بات چیت شروع ہو گئی، ابو حیان نے اپنے قول کی تائید میں سیبویہ کا حوالہ دیا، اس کی توقع تھی کہ ابن تیمیہ سیبویہ کا نام سن کر خاموش ہو جائیں گے، اور تسلیم خم کر دیں گے لیکن اس کی توقع کے بالکل خلاف اس کو جواب ملا کہ سیبویہ کوئی نحو کا نبی معصوم تو نہیں تھا

اس نے "الکتاب" میں ۸۰ جگہ غلطی کی ہے جن کو تم سمجھ بھی نہیں سکتے، یہ سن کر ابو حیان کی طبیعت ایسی منغص ہوئی کہ اس نے اس قصیدہ کو اپنے دیوان سے خارج کر دیا، اور ابن تیمیہ کا نہ صرف غیر معتقد بلکہ ہمیشہ کے لئے مخالف اور ناقدر بن گیا۔

۵۔ مخالفت کا ایک سبب ان کی بعض وہ تحقیقات اور ترجیحات ہیں، جن میں وہ متفرد اور مذاہب مشہورہ اور ائمہ اربعہ سے بھی بعض اوقات الگ نظر آتے ہیں، جن لوگوں کی فقہ و خلاف کی تاریخ اور ائمہ و مجتہدین کے اقوال و مسائل پر وسیع نظر ہے ان کے لئے تو یہ "تفردات" کوئی وحشت کی چیز اور ابن تیمیہ کے فضل و کمال کے انکار کا موجب نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر ائمہ مشہورین اور اولیاء مقبولین کے تفردات اور مسائل غریبہ جمع کر دیئے جائیں تو یہ تفردات بہت ہلکے اور معمولی نظر آنے لگیں، اور ان لوگوں کا حسن اعتقاد جو "تفرد" کو مقبولیت اور حقانیت کے منافی سمجھتے ہیں، اور ان کے لئے عظمت و ولایت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی قول اور کوئی تحقیق مشہور تحقیقات کے خلاف نہ ہو، تزلزل میں پڑ جائے گا، خود شیخ محی الدین ابن عربی جن کی عظمت و ولایت کا ایک عالم قائل ہے، ایسے بہت سے فقہی اور کلامی مسائل میں متفرد ہیں، جن میں وہ بالکل تنہا نظر آتے ہیں، اور ان سے پہلے کسی نے ان آراء اور تحقیقات کا اظہار نہیں کیا، ان کے یہ "تفردات" ان کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے علمائے سنت کے لئے موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔

لیکن جن لوگوں کی نظر "خلافت" پر اتنی وسیع نہیں، یا جو "متقدمین" کے لئے تو تفرد اور "مشذوذ" کی اجازت دے سکتے ہیں، لیکن کسی صاحب کمال اور صاحب نظر معاصر کے لئے ان کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں، ان کے لئے یہ تفرد بھی موجب مخالفت اور فساد عقیدہ اور ضلالت اور خرق اجماع کی دلیل بن گیا، اس سلسلہ میں امیر المؤمنین فی الحدیث حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ قول

لے علامہ نعمان آلوسی نے جلاء العینین میں ان تفردات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، ملاحظہ ہو جلاء العینین ص ۴۳

(جو اوپر نقل ہو چکا ہے) بڑا معتدل و متوازن اور افراط و تفریط سے پاک ہے، وہ فرماتے ہیں:-

فَالَّذِي اصَابَ فِيهِ وَهُوَ الْكَثَرُ
جَنِّ مَسَائِلَ فِيهِ وَهُوَ اجْتِهَادُ صَحِيحِ نَقْطَةٍ
يُسْتَفَادُ مِنْهُ وَيَتَرَحَّمُ عَلَيْهِ بِسَبَبِ
يُحَوِّجُ كُنْهُنَّ هِيَ اَوَّلُ تَعَادُلٍ فِي مَسَائِلَ زِيَادَةٍ
وَالَّذِي اخْطَا فِيهِ لَا يَقْلُدُ فِيهِ بَلْ
هِيَ اَنْ تَوَانِ مِنْهُ اسْتِفَادَةٌ كَيْفَ جَاءَتْ اَوَّلَانِ كِي
هُوَ مَعْدُودٌ
وجہ سے ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور
جن میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے ان میں ان کی
تقلید نہ کی جائے بلکہ ان کو معذور سمجھا جائے۔

۶۔ ان کی مخالفت کا ایک قوی سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس طرز کلام اور صفات متشابہات کی تاویل کے اس طریقہ کی مخالفت کی، جو "عقیدہ اشعریہ" بلکہ عقیدہ اہل سنت کے نام سے موسوم تھا، اور اس سے عدول یا توجہالت پر محمول کیا جاتا تھا، یا مخالفت اہل سنت پر اوپر تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ امام ابن تیمیہ نے اس سے پوری جرأت و قوت کے ساتھ اختلاف کیا، اور صفات کے بارے میں صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین متکلمین متقدمین امام ابو الحسن اشعری، قاضی ابوبکر الباقانی اور امام احرار تک کا مسلک ان کے اقوال اور ان کی تصانیف سے بیان کیا، اور ان کی کتابوں کے اقتباسات سے ثابت کیا کہ سب حضرات ان صفات پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں، ان کی وہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق "لیس کمثلہ شیء" کے لائق اور تشبیہ و تحسین نہ نفی و تعطیل سے منزہ اور پاک ہے، وہ دعوے سے کہتے ہیں کہ اس کے خلاف نصاً و ظاہراً ایک لفظ بھی صحابہ تابعین و سلف سے ثابت نہیں۔

اس وقت تمام عالم اسلام پر اشعری العقیدہ علماء و متکلمین کا اثر تھا، امام ابن تیمیہ کا یہ اختلاف جو خالص علمی بنیادوں پر تھا، ایک بدعت اور "بیعت خیر" سبیل المؤمنین کا مرادف

سمجھا گیا، اور ان پر تجسیم کا الزام لگایا گیا، اس وقت چونکہ تاویل ہی پر زور دیا جا رہا تھا، اس لئے ان کا سارا زور قلم اسی کے مقابلہ میں صرف ہوا "تاویل" کی تردید میں ان کی اس بلند آہنگی سے لوگوں کو ان پر تجسیم کا شبہ ہوا، اس سلسلہ میں یہاں تک غلو کیا گیا کہ ان کی طرف وہ روایات منسوب کی گئیں جن سے ان کا صاف صاف فرقہ مجسمہ میں ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ جامع اموی دمشق میں خطبہ دے رہے تھے، انھوں نے منبر کے ایک زینہ سے دوسرے زینہ پر قدم رکھا، اور کہا کہ جس طرح میں نے نزول کیا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نزول فرماتا ہے، امام ابن تیمیہ نے اور ان کے تلامذہ نے اس الزام کی پر زور تردید کی ہے، اور بار بار کہا ہے کہ جس طرح وہ تعطیل کے منکر ہیں، اسی طرح وہ تجسیم کے دشمن ہیں، پھر بھی تاویل کے خلاف انھوں نے ضرورتاً جس شد و مد سے لکھا اور کہا ہے اس کو مخالفین نے تجسیم کے ثبوت میں پیش کیا ہے، بہت سے علماء اور ان کے متبعین کی مخالفت کے اسباب میں سے ایک قوی سبب یہ بھی تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ تاویل و تجسیم کے درمیان کا یہ راستہ اتنا ہی نازک ہے کہ ہر شخص کی گرفت میں آنا مشکل ہے، پھر جبکہ حنابلہ اور منکرین تاویل میں سے متعدد اشخاص "تجسیم" کی سرحد میں داخل ہو گئے، امام ابن تیمیہ پر تجسیم کا الزام لگنا خلاف قیاس و مستبعد نہیں، اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

۱۔ مخالفت کا ایک سبب شیخ اکبر شیخ محی الدین بن عربی کی مخالفت ہے، بہت سے

۱۔ یہ روایت ابن بطوطہ نے ایک چشم دید واقعہ کے طور پر اپنے سفر نامہ میں لکھی ہے، راقم موطور نے علامہ شامی شیخ ہیچہ البیضا سے اس کا ذکر کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ تاریخی حیثیت سے یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے، خود ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ وہ دمشق رمضان ۷۴۳ھ میں آیا ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ شیخ الاسلام شعبان ۷۴۳ھ میں مجبوس ہو چکے تھے، پھر ابن تیمیہ کبھی بھی جامع اموی کے خطیب نہیں رہے، اس زمانہ میں جامع اموی کے خطیب شیخ جلال الدین قزوینی تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو ابن بطوطہ کو اشتباہ ہو یا غلط بیانی سے کام لیا۔

لوگوں کے نزدیک خصوصاً جو تصوف کا مذاق رکھتے ہیں، ابن تیمیہ کا یہ جرم ناقابل معافی ہے، اور ان کے تمام محاسن و کمالات پر پانی پھیر دیتا ہے کہ انھوں نے شیخ اکبر کے مشہور آراء و تحقیقات اور ان کے مسلک وحدۃ الوجود کی پر زور تردید کی ہے، اور وہ ان کے مخالفین میں سے ہیں۔

اس سلسلہ میں اگرچہ ہمارا مسلک اور ذوق بعینہ وہ ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ سرسندیؒ نے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

عجائب کار و بار است، شیخ محی الدین از
عجب عالم ہے شیخ محی الدین مقبولین میں نظر آتے
مقبولان نظری آید و اکثر علوم او کہ مخالف
ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہل حق کے مسلک کے
آرائے اہل حق اند، خطا و ناصواب ظاہر می شود
مخالفت ہیں خطا اور نادرست معلوم ہوتے ہیں۔
اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:-

اکثر معارف کشفیہ او از علوم اہلسنت
ان کے اکثر کشفی علوم جو اہل سنت کے علوم
جد افتادہ است از صواب و درست
سے اختلاف رکھتے ہیں، صحت سے دور
بس متابعت نہ کند آن را، مگر کسے کہ دش
ہیں ان کی پیروی یا تو وہ کرے گا جس کا
مرض است یا مقلد صرف ہے۔
دل بیمار ہے یا مقلد محض۔

لیکن جہاں تک شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تردید و اختلاف کا تعلق ہے، وہ اس میں منفرد نہیں، صاحب "جلاء العینین" نے ان لوگوں کی فہرست دی ہے، جو اس مسئلہ میں ابن تیمیہ کے ہمنوا ہیں، ان میں سے متعدد نے اس موضوع پر مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں، اس فہرست میں ہم کو علامہ سخاوی، علامہ سعد الدین تفتازانی، ملا علی قاری، حافظ ابن حجر عسقلانی، ابو حیان، مفسر شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام، حافظ البوزرعہ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی جیسے نامور علماء و ائمہ فن نظر آتے ہیں۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مخالفت، شیخ اکبر سے ذاتی اور جذباتی نہیں، وہ دینی حمیت اور شرعی غیرت کی بنا پر ہے اور سلف اور خلف میں اس کی بیشمار نظیریں ملتی ہیں کہ اہل حمیت اور محافظین شریعت نے جب کسی شخص کا کوئی ایسا قول دیکھا جو اس کو سنت و شریعت کے نصوص اور اس کے متواتر قطعی عقائد کے خلاف نظر آیا، تو انھوں نے اس قول کی تردید کی، اور صاحب قول کی عظمت و شہرت اور اس کی ولایت و مقبولیت کے آثار بھی اس کو اس تردید سے باز نہ رکھ سکے، اس لئے کہ ان کے نزدیک شریعت کی حرمت اور مقام نبوت کی عظمت ہر حرمت سے مقدم اور ہر عظمت سے بالاتر تھی، خود حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے مواقع پر اپنے فاروقی جوش اور حمیت دینی کے خروش کو روک نہیں سکے، اور بڑی قوت سے ایسے اقوال کی تردید کرتے ہیں، ان کو کسی نے لکھا کہ شیخ عبدالکبیر مبنی اس کے قائل ہیں کہ اللہ عالم الغیب نہیں ہے اس پر تحریر فرماتے ہیں:-

مخدوم! فقیر تائب تسمع امثال این سخاں ہرگز
نہست بے اختیار رگ فاروقی در حرکت می آید
و فرصت تاویل و توجیہ آن نمی دہد قائلین سخاں
شیخ کبیر مبنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی
علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در کار است
نہ کلام محی الدین عربی و صدر الدین قونوی
و عبد الرزاق کاشانی مارا بنص کار نیست
نہ بفض فتوحات مدینہ از فتوحات مکہ

لے خواہ وہ حقیقت میں نہ ہو، لیکن انسان اپنی نظر بعد بصیرت و فہم ہی کا مکتف ہے، عالم السرائر اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

لے نصوص کتاب و سنت مراد ہیں، شیخ اکبر کی مشہور کتاب فصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے، لے تعلیمات کتاب و سنت۔

مستغنی ساختہ است۔

نے ہم کو فتوحات مکہ سے مستغنی کر دیا ہے۔

یہ حمیت و جوش اور یہ اختلاف و انکار جس کا باعث و محرک دینی حمیت اور کتاب و سنت کی حمایت نصرت کے سوا کچھ نہ ہو، اور یہ اللہ اور اس کے رسول کو اسوا پر ترجیح دینا اور جس سے محبت کرنا انہی کے لئے محبت کرنا، کسی شخص کے معائب میں شمار ہونے کے لائق نہیں، اس کے اعلیٰ فضائل و مناقب میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، اس لئے کہ وہ اس حدیث کا صحیح مصداق ہے۔

ثَلَاثٌ مِنْ كَتَبَ فِيهِ وَجَدَ فِيهَا حِلَاوَةً
الْإِيمَانُ مِنْ كَاتِبِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ أَحَبُّ
إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُ، وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا
لَا يَحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ، وَمَنْ يَكْرِهْهُ إِلَّا يَكْرَهُهُ
الْكَفَرُ يَعْدُو أَنْ تَقْذَاهُ اللَّهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ
أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ

تین باتیں جس میں ہوں گی، اس کو ان کی وجہ سے
ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی، ایک یہ کہ اللہ اور اس کا
رسول، ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ
آدمی کسی شخص سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے
تیسرے یہ کہ اس کو کفر کی طرف واپس جانے سے
اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے نجات
دے دی ہو ایسی ہی نفرت معلوم ہوتی ہو جیسے آگ
میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔

۸. ایک گروہ کو ان کی طرف سے شدید غلط فہمیاں اور مغالطے تھے، بعض غیر محتاط و متعصب مفسرین نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی، جو عام عقیدہ اہل سنت اور جمہور کے مسلک کے مطابق موجب کفر ہیں، اور بعض ایسے اقوال ان کی طرف منسوب کئے گئے جن سے مقام رسالت میں سوء ادب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہے (اعاذنا اللہ وجميع المسلمين منہ) یہ معاملہ تنہا امام ابن تیمیہ کے ساتھ نہیں کیا گیا، دوسرے اکابر امت بھی معاندین کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں، ان کی طرف نہ صرف ان

لے مکتوبات امام ربانی، مکتوب مقدم جلد اول۔ لے شیخ اکبر کی مشہور کتاب۔ لے بخاری و مسلم۔

اقوال و عقائد کی نسبت کی گئی جن سے وہ بالکل بری تھے، بلکہ ان کی کتابوں میں ایسے مضامین شامل کئے گئے جو موجب کفر و ضلال تھے، ایک قدم اس سے بڑھ کر مستقل کتابیں (جو کفریہ اقوال پر مشتمل تھیں) تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کر دی گئیں، اور ان کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی گئی، حجة الاسلام امام غزالیؒ کے ساتھ یہی سلوک ہوا، ایک بڑے گروہ علماء کا خیال ہے کہ المصنوعون بہ علی غیر اہلہ للمصنوعون بہ علی اہلہ "معارض القدس مشکوٰۃ الانوار" بے اصل اور منحول کتابیں ہیں جو امام غزالیؒ کے دشمنوں اور بدخواہوں نے تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کر دی ہیں، شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی کتابوں میں بھی امام شعرانیؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ عمل ہوا ہے، اور مضامین و مواد کی آمیزش کی گئی ہے، امام شعرانیؒ خود اپنی کتابوں کے متعلق ایک دھچپ اور عبرت انگیز تجربہ لکھتے ہیں: "الاجوبة المرفوعة" میں فرماتے ہیں کہ:-

"میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعهود" میں بعض حاسدوں نے ایسے مضامین شامل کر دیئے جو مخالف شریعت تھے، اور جامع ازہر وغیرہ میں ان کو خوب گشت کرایا، اس سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ میں نے اپنا صحیح اور محفوظ نسخہ علماء کے پاس بھیجا، جس پر بڑے بڑے علماء و مشائخ اسلام نے تقریظ و توثیق لکھی تھی، اس وقت ان کو ان الحاقی مضامین کی حقیقت معلوم ہوئی، اور فتنہ فرو ہوا؛

ابن تیمیہ کے ساتھ شروع سے ان کے معاصرین اور بعض متعصبین کا جو معاملہ رہا ہے، اس کی بنا پر یہ بات قطعاً محل تعجب نہیں کہ ان کی طرف بھی اقوال کفریہ اور اہانت آمیز مضامین کا ایک طواغیر منسوب کر دیا گیا ہو، اور بہت سے مخلصین اور اہل حمیت علماء اس سے متاثر ہو کر ان کی مخالفت بلکہ تفسیل تکفیر پر آمادہ ہو گئے ہوں، خود آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کی ابتداء میں متعصبین و مخالفین کا ایک گروہ اس بارے میں اتنا غلو اختیار کر چکا تھا کہ وہ اس کا فتویٰ دیتا تھا کہ جو ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہے وہ کافر ہے، اس کی تردید اور ان کی صداقت و عظمت اور امامت کے ثبوت میں حافظ شام شمس الدین

الشافعی (م ۸۲۲ھ) نے اپنی مشہور کتاب الرد الواسع علی من زعم ان من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام

کا "لاکھی" جس میں تاشی اکابر و مشاہیر علماء و ائمہ فن کی رائے اور تاثرات و اعتراضات اور ان کی عظمت و امامت کے متعلق ان کی شہادتیں نقل کیں، اس کتاب چرس میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ عینیؒ نے تقریظیں لکھیں، اور ان کی تائید اور شیخ الاسلام کی دل کھول کر تعریف و تحسین کی اور ظاہر کیا کہ وہ بلاشبہ صحیح العقیدہ سنی المسلک اور مسلم شیخ الاسلام تھے، علامہ عینیؒ نے یہاں تک لکھا کہ من سبہ الی الزندقۃ فهو زندقۃ وقد سارت تصانیفہ الی الآفاق ولیس فیہا شیء مما یدل علی الذیغ والشقاق (جو ان پر زندقہ کا الزام لگائے وہ خود ملحد و زندقہ ہے، ان کی تصنیفات دنیا میں پھیل گئی ہیں، ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو ضلالت اور مخالفت اہل سنت پر دلالت کرے)۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہا، اور ان بے اصل اقوال و نقول کی نقل و نقل ہوتی رہی اور لوگ اس سے متاثر ہو کر ان کے خلاف قلم اٹھاتے رہے، اس سلسلہ میں سب سے پیش پیش دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم اور مصنف علامہ ابن حجر مکیؒ ہیں، جنہوں نے ابن تیمیہ کے خلاف بہت سخت فتویٰ لکھا، اور ان کے متعلق ان کے قلم سے "عبد خذله اللہ تعالیٰ واملہ واعمالہ"

لے یہ کتاب ایک مجموعہ میں جس کی جمع و ترتیب فرج الشریکیؒ نے کی ہے، شیخ عبد القادر تمسانی کے اہتمام سے مطبعہ کردستان مصر میں ۱۳۲۹ھ میں شائع ہوئی، یہ شیخ کے حالات کا ایک بہت بڑا قیمتی ذخیرہ ہے۔

۲۵ ولادت ۹۰۹ھ (مصر) وفات ۹۷۳ھ (مکہ معظمہ) تصنیفات میں تحفۃ المحتاج (۲۰۱-۲۰۳ھ) الزواجر عن اقتراف الکبائر الصواعق المحرقة اور الفتاویٰ الفقہیۃ والحدیثیہ خاص طور پر مشہور ہیں یہ ابن حجر مکیؒ، علامہ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری کے علاوہ اور ان سے متاخر ہیں، ابن حجر عسقلانی حدیث کے مشہور راہم اور نہایت محقق اور وسیع النظر عالم ہیں، متاخرین میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، ابن حجر مکیؒ علم و وسعت نظر و وسعت قلب اور تحقیق میں اپنے نامور ہم نام کو نہیں پہنچتے۔

واضحہ واذلہ جیسے الفاظ نکلے۔

لیکن اسی فتوے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود علامہ ابن حجر نے ابن تیمیہ کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، اور ان کے معلومات ذاتی اور براہ راست نہ تھے، ان کا سارا اعتماد اور فتویٰ کی بنیاد ان منقولات و مشہورات پر ہے، جو اس زمانہ میں ان کے مخالفین اپنی کتابوں میں نقل کرتے اور اپنی مجلسوں میں ذکر کرتے تھے، وہ اسی فتویٰ میں شیخ الاسلام کے کلامی و فقہی تفردات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وقال بعضهم ومن نظر الى كتبه لم ينسب اليه اكثر هذه المسائل" (بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جس شخص نے ان کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا ہے، وہ مذکورہ بالا مسائل میں اکثر کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں مانتا) فتوے کے آخر میں اپنا تردد ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں: "فان متعمده مكفرا ومبتدع يعامله الله تعالى بعدله والا يغفر الله لنا وله" (اگر ان سے کوئی ایسا عقیدہ ثابت ہو گیا، جو موجب کفر یا بدعت ہے تو اللہ اپنے عدل کے ساتھ ان سے معاملہ کرے، ورنہ ہماری اور ان کی بخشش فرمائے)۔

اس فتویٰ کا جواب اور ابن تیمیہ اور ابن حجر کا فاضلانہ محاکمہ بغداد کے مشہور علمی خاندان کے رکن، فخر عراق علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے نامور فرزند علامہ خیر الدین نعمان آلوسی زادہ نے اپنی ضخیم تصنیف "جلاء العينين في محاکمة الاحمديين" میں کیا ہے، اور علامہ موصوف کے ایک ایک لفظ کا مفصل جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان منقولات کا ایک حصہ تو بالکل بے اصل اور بے بنیاد اور افتراء محض ہے، اور شیخ الاسلام کی کتابوں میں بالکل اس کے خلاف اور برعکس تصریحات اور بیانات ملتے ہیں، ایک حصہ (جو بہت ہلکا) ہے، وہ تفصیل کا محتاج ہے، اس کی یا تو وہ حقیقت نہیں جو بیان کی گئی ہے، یا وہ اس میں متفرد نہیں، اس کے علاوہ انھوں نے اس کتاب میں شیخ الاسلام کی سیرت اور حالات کا بھی ایک گراں قدر اور قیمتی ذخیرہ جمع

کر دیا ہے۔

ابن حجر کی کے بعد سے اس وقت تک علماء محققین اور وسیع النظر اور منصف مصنفین علامہ ابن حجر سے اس بارے میں اپنا اختلاف ظاہر کرتے رہے، اور اپنی تصنیفات و رسائل میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی برأت اور ان کی عظمت اور علوم مرتبت کا اظہار کرتے رہے، خود علامہ ابن حجر کی کے شاگرد رشید ملا علی قاری کو شیخ الاسلام کے بارے میں اپنے استاد کی رائے سے اختلاف ہے، وہ اپنی تصنیفات میں بڑے بلند تعریفی کلمات میں ان کا ذکر خیر کرتے ہیں، شرح شمائل ترمذی، اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

ومن طالع شرح منازل السائرين تبين

جو شخص منازل السائرين کی شرح (مراجعات السائرين)

لذا انهم كانوا من اكابر اهل السنة

کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن تیمیہ

والجماعة ومن اولياء هذه الامة

اور ابن قیم اہل سنت و الجماعت کے اکابر اور

اس امت محمدی کے اولیاء الثمرین سے تھے۔

آخر میں امام المتأخرین شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف سے پر زور دفاع کیا ہے، اور صاف لکھا ہے کہ وہ نہ صرف سنی العقیدہ اور سلفی المسک عالم تھے، بلکہ شریعت کے بہت بڑے ترجمان اور وکیل اور کتاب سنت کے مخلص خادم اور امت محمدیہ کے ایک حلیل القدر عالم تھے، ان کا وجود نوادروں و زکاروں سے تھا، جو صدیوں میں پیدا ہوتا ہے، یہ کتاب جو باریک مصری ٹائپ کے ۳۶۲ صفحات میں ہے، ۱۲۹۵ھ میں مطبع بولاق مصر میں طبع ہوئی ہے۔

۱۲۹۵ھ ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے، اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں شمار تھا، مکہ معظمہ کا سفر کیا، اور وہیں سکونت اختیار کر لی، مناسک حج اور فقہ و حدیث کے ممتاز ترین علماء میں تھے، تصنیفات میں مرقاۃ، شرح فقہ اکبر، شرح شفاء، شرح شمائل ترمذی، شرح نخبہ، شرح شاطبیہ، شرح جزیریہ، خلاصۃ قاموس، وغیرہ مشہور ہیں، تصوف و معرفت کے بھی لذت آفاقی تھے، ۱۲۹۵ھ کو وفات ہوئی، جامع اذہر مصر میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

جن لوگوں نے ان کی مخالفت اور ان کا تعقب کیا ہے ان کو علم و نظر میں ان سے کوئی نسبت نہیں ہے، شاہ صاحب حاملین کتاب سنت اور علمائے اسلام کی تعدیل فرماتے ہوئے اور حدیث مشہور بحمل هذا العلم من كل خلف عدوله (اس علم کتاب سنت کے حامل ہر نسل میں سے عادل لوگ ہوں گے) سے استدلال کرتے ہوئے شیخ الاسلام کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وعلى هذا الاصل اعتقدنا في شيخ
الاسلام ابن تيمية رحمه الله تعالى
فانا قد تحققنا من حاله انه عالم بكتاب
الله ومعانيه اللغوية والشرعية
وحافظ لسنة رسول الله صلى الله عليه
وسلم واثار السلف عارفا بمعانيهما
اللغوية والشرعية، استاذ في النحو
واللغة محقق لمذهب الحنابلة فروع
واصوله فائق في الذكاء ولسان
وبلاغة في الذب عن عقيدة
اهل السنة لم يؤثر عنه فسق
ولا بدعة اللهم الا هذه الامور
التي ضيق عليه لاجلها وليس شيء
منها الاومعه دليله من الكتاب
والسنة واثار السلف فمثل

اسی بنیاد پر ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں
عقیدہ رکھتے ہیں ہم پر ان کے حالات سے ثابت
ہو چکا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے عالم اس کے لغوی
اور شرعی معانی سے بخوبی واقف، نحو و لغت
میں ماہر مذہب حنابلہ کے فروع و اصول
کی تنقیح و تدوین کرنے والے، ذکاوت میں
یگانہ، بڑے زبان آور اور عقیدہ اہل سنت
کی حمایت و مدافعت میں بڑے فصیح و بلیغ
تھے،.....
ان کوئی فسق یا بدعت کی بات ثابت نہیں
بس یہی چند مسائل ہیں جن کے بارے میں
ان کے ساتھ سختی کی گئی، ان میں بھی کوئی
ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں ان کے
پاس کتاب و سنت و آثار سلف میں سے
کوئی دلیل نہ ہو، ایسے فاضل کی نظیر علم میں

هذا الشيخ عزيز الوجود في العلم
ومن يطبق ان يلحق شائعه في
تقريبه وتقريبه، والذين ضيقوا
عليه ما بلغوا معشار ما اتاه الله تعالى
وان كان تضيقه ذلك ناشئا
من اجتهاد ومشاجرة العلماء
في مثل ذلك ما هي الا مشاجرة
الصحابة رضي الله تعالى عنهم
فيما بينهم والواجب في ذلك كشف
اللسان الابحار

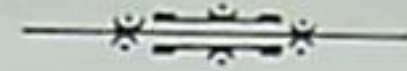
یعنی مشکل ہے، اور کس کی مجال ہے کہ تحریر و
تقریر میں ان کے پایہ کو پہنچے اور جن لوگوں
نے ان پر تشدد کیا، ان کو ان سے ان کے
کمالات و خصوصیات میں کوئی نسبت نہیں
تھی، اگرچہ یہ تشدد ایک اجتہادی امر تھا
علماء کا اختلاف اس بارے میں مشاجرات
صحابہ ہی کی طرح ہے اس میں مناسب
یہی ہے کہ زبان کو روکا جائے اور خیر کے
سو اچھے منہ سے نہ نکالا جائے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے اس تزکیہ و شہادت اور ان بلند تو صیفی کلمات کے بعد
کسی ایسے عالم یا مصنف کی جرح جس کی ابن تیمیہ کے آفاق علم و فکر تک رسائی نہ ہو کوئی

۱۔ یہ اس عربی مکتوب کا ایک حصہ ہے، جو حضرت شاہ صاحب نے اپنے ایک فاضل معاصر مخدوم معین الدین
ٹھٹھوی (ٹھٹھ صوبہ سندھ) کے جواب میں لکھا تھا، فاضل موصوف نے شاہ صاحب سے امام ابن تیمیہ کے بعض
تفرقات اور ان کے مخالفین کے اختلافات کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے بارے میں آپ کی رائے پوچھی تھی،
یہ مجموعہ مکاتیب شاہ صاحب کے مشہور تلمیذ و سرشد خواجہ محمد امین کشمیری کا مرتب کیا ہوا ہے، یہ مجموعہ مکتوبات
مع مناقب ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری و فضیلت ابن تیمیہ کے نام سے مطبع احمدی میں چھپا ہے، جلاء العین

میں بھی یہ عبارت بحکمہ منقول ہے۔ (۲۵-۲۶)

علمی وزن نہیں رکھتی، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی، تنوع کمال، مجتہدانہ فکر و نظر، اختلافات میں مسلک اعتدال اور علمائے اسلام کی مرتبہ شناسی کا ملکہ عطا فرمایا تھا، اس کے بعد ان کا قول اس بابے میں قول فیصل ہے۔ ع۔
داستانِ فضل گلِ خوش می سراید عند لیب



شیخ الاسلام ایک عارف باللہ اور محقق

عموماً لوگ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو ایک تکلم و مناظر و محدث اور فقیہ (جدلی) کی حیثیت سے جانتے ہیں، ان کے علمی کمالات اور ان کی مناظرانہ تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے اپنے ذہن میں ان کا جو تصور قائم کرتے ہیں، وہ ایک نہایت ذہین و ذکی، وسیع العلم، قوی الحجّت اور ایک عالمِ ظاہر سے کچھ اور زیادہ نہیں ہوتا، ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ کو مستثنیٰ کر کے (جنہوں نے شیخ الاسلام ہر وی کی کتاب منازل السائرین کی شرح مدارج السالکین میں اپنی اور اپنے محبوب استاد کی زندگی کا باطنی پہلو محفوظ کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ دونوں اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ اور صاحبِ ذوق و معرفت بزرگ تھے) جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے یا ان کے متأخر متبعین منتسبین کو دیکھ کر ان کے متعلق قیاس کیا ہے، وہ ان کو ایک محدث خشک اور ایک عالمِ ظاہر میں سے زیادہ مقام نہیں دے سکے، لیکن مدارج السالکین میں ابن قیمؒ نے جستہ جستہ شیخ الاسلام کے جو اقوال و احوال پیش کئے ہیں، اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں بسبیل تذکرہ ان کے اخلاق و اذواق، عادات و شمائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہے، اس کو سامنے رکھنے سے ایک منصف شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل الشریعہ میں کیا جانا

چاہئے، اور اس کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ان منازل پر فائز اور ان مقاصد بہرہ مند تھے جن کے حصول کے لئے سالہا سال ریاضت، مجاہدہ، ائمہ فن سلوک کی صحبت اور دوام ذکر و مراقبہ کا راستہ بالعموم اختیار کیا جاتا ہے، اور جس کو متاخرین صوفیہ نسبت مع اللہ سے تعبیر کرتے ہیں "وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ"

اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ذوق و معرفت، ایمان حقیقی اور یقین، اخلاص و استقامت، تزکیہ باطن اور تہذیب اخلاق، کامل اتباع سنت اور فنا فی الشریعت وہ حقیقی مقاصد ہیں، جن کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، محققین ان مقاصد کے حصول کو کسی ایک سلسلہ میں منحصر نہیں مانتے، بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے (اور کچھ غلط نہیں کہا) کہ طرق الوصول الى الله بعدد انفس الخلائق، ابتداء میں ان مقاصد کے حصول کے لئے سب سے مؤثر اور طاقتور ذریعہ صحبت نبوی تھی جس کی کیمیا اثری عالم آشکارا ہے، اس نعمت سے محرومی کے بعد اطباء امت اور خلفائے نبوت نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف بدل تجویز کئے، آخر میں مختلف اسباب کی بنا پر صحبت اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا جس کا ایک منفتح اور مدون طریقہ وہ نظام ہے جو تصوف و سلوک کے نام سے مشہور ہو گیا ہے، لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ان مقاصد کا حصول ان وسائل پر منحصر نہیں، اجتناب و موہبت کے علاوہ ایمان و احتساب، محاسبہ نفس، سنتوں کا تتبع، کتب حدیث و شمائل سے محبت و عظمت کے ساتھ اشتغال، کثرت نوافل و دعا، کثرت درود، نیت و احتساب کے ساتھ خدمت خلق، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی استحضار و اہتمام کے ساتھ تقرب کا ذریعہ اور حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے، وسائل مختلف

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "صراط مستقیم" ملفوظات حضرت سید احمد شہید جمع کردہ مولانا اسماعیل شہید و مولانا عبدالحی باخصوص حصہ سلوک راہ نبوت۔

ہو سکتے ہیں، لیکن مقصود ایک ہے، شیخ الاسلام کے حالات کے مجموعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ مقصود حاصل تھا، اور اسی کا اظہار یہاں مقصود ہے۔

کسی شخص کے متعلق اس کے بے تکلف حالات و اذواق، اخلاق و عادات اور کیفیات دیکھ کر اس بات کی شہادت دی جاسکتی ہے کہ وہ عارفین و محققین اور مقبولین و کاملین میں سے تھا، اس کا کوئی ظاہری مقیاس اور پیمانہ اور کوئی منطقی دلیل نہیں ہوتی، اہل اللہ اور عارفین کے حالات بکثرت پڑھنے اور ان کی صحبت میں رہنے سے ایک سلیم الفطرت اور صحیح الذوق انسان کو ایک ملکہ اور وجد حاصل ہو جاتا ہے، جس سے وہ اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن پھر بھی کچھ حالات و علامات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی دینی سطح میں عوام سے بلند اور دین کی صحیح کیفیت و اذواق اور اہل اللہ کے اخلاق سے بہرہ مند ہے، مثلاً ذوق عبودیت و انابت (توجہ الی اللہ) کی ایک خاص کیفیت، عبادت کا ذوق و انہماک، ذوق دعا و ابتهال، زہد و تجرید و تحقیر دنیا، سخاوت و انثار، فروتنی اور بے نفسی، سکینت و سرور، کمال اتباع سنت، صاحبین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت، تبعین و محبین کی دینداری اور حسن سیرت وغیرہ وغیرہ ہم اس موقع پر انہی عنوانات کے ذیل میں شیخ الاسلام کے معاصرین اور مورخین کی شہادت اور ان کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

ذوق عبودیت و انابت

ذوق عبودیت و انابت الی اللہ کی حقیقی کیفیت اس بات کی بین شہادت ہے کہ اس شخص کا باطن یقین سے معمور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے بھرپور، اپنی بے بسی، بیچاریگی اور مالک الملک کی قدرت و جلال کے مشاہدے سے پر نور ہے، یقین و مشاہدہ جب باطن میں پیدا ہو جاتا ہے، تب الفاظ اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے، اس سلسلہ میں حقیقت و تکلف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

یہ فرق صاحب نظر اور صاحب وجدان سے چھپ نہیں سکتا۔

لیس التکل فی العینین کالتکل

ابن تیمیہ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کو یقین و مشاہدہ حاصل تھا، اور اس نے ان کے اندر ایک فقر و اضطراب اور ایک انابت و عبودیت کی کیفیت پیدا کر دی تھی، گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی، تو وہ کسی سنان مسجد میں چلے جاتے تھے، اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ یا معلم ابراہیم فہمنی (اے ابراہیم کو علم عطا کرنے والے مجھے اس کی سمجھ عطا فرما) ذہبی کہتے ہیں :-

لم أر مثله فی اہمالہ واستغاثہ میں نے گریہ زاری الشرحا لے سے استمداد فرمایا
و کثرة تعجبه اور توجہ الی الشرح ان کی نظیر نہیں دیکھی۔

وہ فرماتے ہیں :-

انہ لیقف خاطری فی المسئلة والشیء کسی وقت کسی مسئلہ میں میری طبیعت بند ہو جاتی
والحالۃ التی تشکل علی فاستغفر ہے یا کسی معاملہ میں مجھے اشکال پیش آ جاتا ہے تو میں
اللہ تعالیٰ الف مرة واکثرا وقل حتیٰ ایک ہزار بار استغفار کرتا ہوں، یا اس سے کم یا زیادہ
ینشرح الصدر وینجلی اشکال ما شکل۔ یہاں تک کہ طبیعت کھل جاتی ہے اور بدلی چھٹ جاتی ہے اور اشکال رفع ہو جاتا ہے۔

اس کیفیت میں جلوت، مجمع، بازار، شور و شغب کوئی چیز مانع نہ ہوتی، فرماتے ہیں :-

واکون اذ ذلک فی السوق والمسجد ایسی حالت میں کبھی بازار میں کبھی مسجد میں یا گلی یا مدرسہ
اوالدرب والمدرسة لا یمنعنی ذلک میں ہوتا ہوں لیکن ذکر و استغفار میں کوئی رکاوٹ نہیں

لہ العقود الدریہ ص ۱

من الذکر والاستغفار الی ان اُمال مطلوبیٰ ہے
پیش آتی، اور برابر مشغول رہتا ہوں یہاں تک کہ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ یقین اور ذوق عبودیت جب پیدا ہو جاتا ہے اور باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو انسان میں اپنی بے بسی و بیچارگی اپنی تہی دستی و بے بضاعتی کا ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ آستانہ شاہی پر شکوہ گدائی لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور خدائی کا صدقہ اور رحمت کی بھیک مانگتا ہے، اس وقت اس کے رومیں رومیں سے یہ صدا آتی ہے کہ

مفلسانیم آمدہ در کوے تو شیا لشر از جمال روے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بردست و بر بازوے تو

ابن تیمیہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت فقر اور یہ عزت تذل حاصل تھی، ابن قیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس بارہ میں ایسا حال دیکھا ہے جو کسی کے یہاں نظر نہیں آیا، وہ فرماتے تھے، نہ میرے پاس کچھ ہے نہ میرے اندر کچھ ہے، وہ اکثر یہ شعر پڑھتے۔

انا المکدّی انا المکدّی وھکذا کان الی وجہی
(ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! اور کوئی نیا بھکاری نہیں،
خاندانی بھکاری ہوں، اور پستی سائل، میرا باپ بھی تیرے در کا بھکاری تھا، اور میرا دادا بھی)

ذوق عبادت و انہماک

عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کو اس کی لذت اور اس کا حقیقی ذائقہ نہ نصیب ہوا اور وہ اس کے درد کی دوا، قلب کی غذا اور روح کی قوت نہ بن جائے

لہ الکواکب الدریہ ص ۱۲۵

اور اس کو مقام "جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ" اور "احیا بلال" سے مناسبت نہ بخشی جائے ابن تیمیہ کے معاصرین اور واقفین حال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس دولت بیدار سے حصہ ملا تھا، اور ان کو خلوت و مناجات اور نوافل و عبادات کا خاص ذوق تھا، اور ان کا انہماک اس سلسلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا، الکواکب الدرّیہ میں ہے :-

وكان في ليلة متفردا عن الناس
كلهم خاليًا بربه عز وجل ضارعا
اليه مواظبا على تلاوة القرآن العظيم
مكثرا لانواع التعبدات الليلية والنهارية
وكان اذا دخل في الصلاة يتوعد فرائضه
واعضاءه حتى يميل يمينه ويساره
رات کو وہ تمام لوگوں سے علیحدہ رہتے تھے اس
وقت خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ تھے اور
گریہ و زاری، برابر قرآن مجید پڑھتے رہتے رات
اور دن مختلف قسم کے نوافل و عبادات میں مشغول
رہتے جب نماز شروع کرتے تو ان کے شانے اور
اعضاء کا اپنے لگتے یہاں تک کہ ان کو دائیں بائیں لرزنا پڑتی

ایسے اہل قلوب اور اہل ذوق کی طاقت اور نشاط، ذکر و عبادت سے قائم ہوتا ہے اگر اس میں فرق واقع ہو تو ان کی قوت جواب دے جاتی ہے اور ان کو محسوس ہوتا ہے کہ فاقہ ہوا، ابن قیم لکھتے ہیں :-

وكان اذا صلى الفجر يجلس في مكانه حتى
يتعالى النهار جدا يقول هذه غدا وتي
لولا تغد هذه الغدا سقطت
قواحي
نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھ رہتے یہاں تک کہ دن
اچھی طرح سے چڑھ آتا، کوئی پوچھتا تو فرماتے کہ یہ میرا
ناشتہ ہے، اگر میں یہ ناشتہ نہ کروں تو میری قوت میں
سقوط ہو جائے اور میرے قوی کام نہ کریں۔

اس ذوق و اہتمام کے بعد اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمادیتا ہے اور ذکر و عبادت و معمولات طبعیت ثانیہ بن جاتے ہیں، ذہبی لکھتے ہیں :-

له الكواكب ص ۱۵۲ الرد الوافر ص ۳۳

له الرد الوافر ص ۱۵۲ الرد الوافر ص ۳۳
وہ اپنے اور اذکار و اذکار کی پوری پابندی کرتے تھے
اور ہر حالت میں جمیعت خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

زہد و تجرید و تحقیر دنیا

زہد اور دنیا کی تحقیر کی سچی کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی حقیقت پوری طرح منکشف اور ان الدار الآخرة لہی الحیوان اور ما عند اللہ خیر و انفعی کا حال پوری طرح طاری نہ ہو جائے اور یقین اور معرفت صحیحہ او تعلق بالشرک کے بغیر ممکن نہیں ان کے معاصرین نے ان کے زہد و تجرید اور فقر اختیار کی کا جا بجا تذکرہ کیا ہے ان کے رفیق درس اور ہم عصر شیخ علم الدین البرزالی (م ۷۳۸ھ) فرماتے ہیں :-

وجری علی طریقة واحدة من
اختیار الفقر والتقلل من الدنیا
وردمایفتح بہ علیہ
شرع سے آخر تک ان کی حالت یکساں رہی کہ
انہوں نے ہمیشہ فقر کو ترجیح دی دنیا سے بقدر ضرورت
اور برائے نام تعلق رکھا اور جو ملا اس کو واپس کر دیا۔

جب کسی کا حال بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو غنائے قلب کی دولت سرمدی سے نوازتا ہے تو اس کو کسریٰ و قیصر کی سلطنت ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری سمجھتا ہے اس وقت وہ بخود ہی کے عالم میں کہتا ہے :-

من دلق خود بافسر شاہان نمی دہم
از رنج فقر در دل گنجی کہ یافتم
این رنج را براحت شاہان نمی دہم
اس کے مقام سے بے خبر کبھی اس کے متعلق بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ سلطنت پر طمع کی

له الرد الوافر ص ۱۵۲ الرد الوافر ص ۳۳

نگاہ ڈالتا ہے اور وہ ان کی بے خبری اور بدذوقی پر ماتم کرتا ہے کہ اس دولت جاوید کے بعد بھی اس ملک فانی پر نگاہ کی جاسکتی ہے؟ ابن تیمیہ کا یہی حال تھا، الملک الناصر نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بہت سے لوگ آپ کے مطیع ہو گئے ہیں اور آپ کے دل میں سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال ہے! شیخ نے بڑے اطمینان کے ساتھ بلند آواز سے جس کو تمام حاضرین نے سنا جواب دیا:-

انا فعل ذلك؟ والله ان ملكك و
ملك المغل لا يساوي عندي فلساً
میں کیا کروں گا؟ خدا کی قسم تمہاری اور تارکوں کی
سلطنت مل کر بھی میری نگاہ میں ایک پیسے کے برابر نہیں۔

سخاوت و ایثار

اہل اللہ اور اخلاق نبوی کی میراث میں حصہ پانے والوں کی خاص صفت سخاوت و ایثار ہے ابن قیم نے زاد المعاد میں "المنشج" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرح صدر کی دولت اور ایمان یقین کا نتیجہ سخاوت و ایثار ہے اس لئے جس کو اس دولت سے حصہ ملے گا سخاوت و ایثار اس کا شعار ہوگا، شیخ الاسلام کے معاصرین و احباب ان کی سخاوت کے بے حد معترف اور ثنا خواں ہیں "الکواکب الدریہ" میں ہے "وهو احد الاجواد الاسخفاء الذين يضرب بهم المثل" (وہ ان محدوے چند اہل سخاوت میں سے ہیں جن کی سخاوت ضرب المثل ہے) الحافظ ابن فضل اللہ العمری جو ان کے معاصر ہیں اس سخاوت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:-

كانت تأتيه القناطير المقتطرة من
الذهب والفضة والخيل المسومة
والانعام والمحرمات فيهب ذلك باجمعه
ان کے پاس ڈھیروں سونا چاندی، اعلیٰ اخیل
گھوڑے، جانور مالک و اموال آتے، وہ سب کا
سب اٹھا کر دوسروں کو دے دیتے یا اہل ضرورت

ويضعه عند اهل الحاجة في موضعه لا
ياخذ منه شيئاً الا ليهبه ولا يحفظ الا ليدفعه
کے پاس رکھ دیتے اور صرف دوسروں کو دینے کے لئے
لے لیتے اور صرف عطا کرنے کے لئے اٹھا رکھتے۔

ان کی سخاوت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو کپڑا اتار کر دے دیتے:-

كان يتصدق حتى اذا لم يجد شيئاً
نزع بعض ثيابه فيصل به الفقراء
وہ صدقہ کرتے تھے جب کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنا کوئی کپڑا
ہی اٹھا کر دے دیتے اور اہل حاجت کی کار باری کرتے۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں:-

وكان يتفضل من قوته الوغيف
والتغيفين فيوثر بهن على نفسه
کھانے سے ایک روٹی، دو روٹیاں بچا لیتے اور
اپنے اوپر ایثار کر کے دوسروں کو دے دیتے۔

ایثار کا ایک نازک مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ فراخ دلی بلکہ عفو و احسان اور اس سے آگے بڑھ کر دعا و خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے، یہ مقام ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو انانیت اور حظوظ نفس سے بہت آگے بڑھ چکے ہوں اور ان پر نچائے الہی کی ایسی بارش ہو اور سکینت و سرور اس درجہ کا حاصل ہو کہ وہ ان سب مخالفتوں کو ان کے مقابلہ میں بیچ اور پرکھا سمجھتے ہوں اور جن کے اندر اپنے دشمنوں اور مخالفین کے لئے بھی خیر طلبی و رحم کا جوش پیدا ہوتا ہو اور پرگندہ چکا ہے کہ شیعہ میں جب وہ دوسری بار رہا ہوئے تو سلطان نے تنہائی میں ان سے ان قضاۃ کے قتل کے بارے میں فتوے لینا چاہا جنہوں نے جانشکری کی حمایت کی تھی اور سلطان کی معزولی کا فتویٰ دیا تھا، اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے آپ کے خلاف شورش برپا کی اور آپ کو تکلیف پہنچائی، اس کے جواب میں ابن تیمیہ نے ان لوگوں کی بڑی مدح و توصیف کی، اور پیر و الفاظ میں سلطان سے ان کی سفارش کی، اور اس کو ان کے قتل کے ارادہ سے باز رکھا، ان کے سب سے بڑے

حریف و مد مقابل قاضی ابن مخلوف مالکی کا یہ مقولہ بھی گزر چکا ہے کہ ہم نے ابن تیمیہ جیسا عالی ظرف و فراخ حوصلہ نہیں دیکھا کہ ہم نے تو ان کے خلاف سلطنت کو آمادہ کیا لیکن ان کو جب قدرت حاصل ہوئی تو ہم کو صاف معاف کر دیا، اور اٹے ہماری طرف سے وکالت و مدافعت کی۔

ان کے تلمیذ رشید اور ہر وقت کے ساتھی حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کے لئے دعائے خیر کرتے تھے، میں نے نہیں دیکھا کہ وہ ان میں سے کسی کے لئے بد دعا کرتے ہوں، میں ایک وز ان کے سب سے بڑے حریف اور ایک ایسے صاحب کی خبر وفات لے کر آیا جو عداوت اور ان کو ایذا پہنچانے میں سب سے آگے تھے، انھوں نے مجھے جھڑک دیا اور منہ پھیر لیا، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی، پھر فوراً ان کے مکان پر گئے، ان کی تعزیت کی اور فرمایا کہ مجھے ان کی جگہ پر سمجھنا جس چیز کی تم کو ضرور پڑے گی میں تمہاری اس میں مدد کروں گا، اسی طرح ان سے ایسی ملاطفت و دجوبائی کی باتیں کہیں جن سے وہ نہایت مسرور ہوئے اور ان کو بڑی دعائیں دیں اور ان کو اس پر سخت استعجاب ہوا۔

عفو و احسان، اعداء و مخالفین کے ساتھ شفقت و مرحمت کا یہ مقام مالی ایشار سے بہت بلند اور آگے کا مقام ہے، یہ وہ مقام ہے جو صدیقین و خواص اولیاء کو ملتا ہے، ابن تیمیہ اس مقام پر فائز تھے اور گویا زبان حال سے وہ کہتے تھے، جو اسی مقام کے کسی صاحب حال شاعر نے فارسی میں کہا ہے۔

ہر کہ مار یار نبود ایزد اور یار باد ہر کہ مار رنج دادہ راحتش بسیار باد
ہر کہ اندر راہ ما خائے نہد از دشمنی ہر گلے کز باغ عمرش بگنجد بے خار باد

فروتنی و بے نفسی

فروتنی و بے نفسی اہل اللہ کی خاص صفت اور وہ مرتبہ کمال ہے جو ہزار کرامتوں سے بلند اور

ہزار فضیلتوں سے بالاتر ہے، یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی مٹ جاتی ہے اور نفس کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہے، شیخ الاسلام کو اپنے کمالات علمی اور عروج دینی و دنیاوی کے ساتھ یہ کمال بھی حاصل تھا، ان کے اقوال پتہ دیتے ہیں کہ وہ بے نفسی و لہیت اور مضمر نفس اور انکار ذات کے درجہ علیا پر پہنچے ہوئے تھے، ابن قیم فرماتے ہیں کہ وہ اکثر کہتے تھے کہ مالی شئی، دلامنی شئی، ولا فی شئی، اگر کوئی ان کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تو فرماتے:۔

واللہ الی الآن اجدة اسلامی کلّ خدا کی قسم میں بھی تک برابر اپنے اسلام کی تجدید کرتا رہتا

وقت و ما سلحت بعد اسلاماً جیداً۔ ہوں اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کامل طور پر سلطان ہوں

کبھی کوئی تعریف کرتا تو یوں بھی فرماتے کہ انا رجل ملۃ لا رجل دولة (میں امت کا ایک عام آدمی ہوں، سلطنت و حکومت کا آدمی نہیں)۔

بے نفسی اور عبودیت کے اس درجہ پر پہنچ کر آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا نہ کسی پر کوئی حق سمجھتا ہے، نہ اس کا کوئی مطالبہ کرتا ہے، نہ اس کو کسی سے شکایت ہوتی ہے، نہ اپنے نفس کا انتقام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا، ابن قیم فرماتے ہیں:۔

سمعت شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ سے سنا

اللہ روحہ، یقول العارف لا یبوی لہ ہے کہ فرماتے تھے کہ عارف اپنا کسی پر کوئی حق نہیں

علی احد حقاً ولا یشہد علی غیرہ فضلاً سمجھتا، اور یہ جانتا ہے کہ اس کو کسی پر کوئی فضیلت

ولذلک لا یعاتب ولا یطالب ولا حاصل ہے اسی لئے نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہے،

یضارب۔ نہ مطالبہ کرتا ہے نہ مار پیٹ کرتا ہے۔

ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ حدیث دیگران میں وہ اپنا ہی حال

لہ مدارج الشاکین جلد ۱ ص ۶۹۶ ۲۵ الکواکب الدریہ ص ۱۶۳ ۳۵ مدارج السالکین جلد ۱ ص ۴۹۶

بیان کر رہے ہیں۔

سکینت و سرور

اس ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس صحیح تعلق اور مخلوق سے آزادی اور قلب کی وارستگی اور بے تعلقی کے بعد انسان کو وہ سکینت و سرور حاصل ہوتا ہے کہ اس زندگی ہی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے، شیخ الاسلام نے (جیسا کہ ابن قیم نے نقل کیا ہے) خود ایک بار فرمایا کہ:-

اتّٰ فی الدّٰنیا جنة من لم یدخلها لم یدخل جنة الآخرة۔
دنیا میں (مومن کے لئے) ایک ایسی جنت ہے کہ جو اس میں یہاں داخل نہیں ہوا آخرت کی جنت بھی محروم رہے گا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مخلص بندوں کو اس زندگی میں بھی "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" کی دولت عطا فرماتا ہے اور وہ اس کا نمونہ (بقدر وسعت دنیا) یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں، شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت حاصل تھی، خود بھی ایک بار جوش میں آکر فرمایا:-

ما یصنع اعدائى لی ان جنتی وبتانی
میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں میری جنت اور
فی صدری ان رحت فہی معی
میرا باغ میرے سینے میں ہے جہاں جاؤں گا وہ
لا تفارقنی۔
میرے ساتھ ہے۔

یہ نسبت سکینت و رضا زندگی میں اور بعد وفات ان کے ساتھ رہی، ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے بعض اعمالِ قلبیہ کا ذکر کیا، اس پر شیخؒ نے فرمایا:-
اما انا فطریق الفرح والسرور۔
بھائی میری نسبت تو فرحت و سرور کی ہے۔

۱۔ الرد والافرم ۳۶ ۲۔ الوابل الصیب ص ۶۶ ۳۔ اغاثۃ اللہفان۔

ابن قیم لکھتے ہیں:-

وهكذا كانت حاله فی الحیاة بید وذلک
یہی حالت ان کی زندگی میں تھی کہ ان کے چہرہ پر
علی ظاہرہ وینادی بہ علیہ حالہ۔
فرحت و سرور کے آثار نظر آتے تھے، اور ان کی
کیفیت اس کا اعلان کرتی تھی۔

کمال اتباع سنت

اس مقام (قبولیت و صدیقیت) کی ابتداء اتباع سنت سے ہے اور اس کی انتہا بھی کمال اتباع سنت پر ہے، حدیث و سنت کے ساتھ ابن تیمیہ کا شغف و انہماک ان کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے لیکن یہ شغف و انہماک محض علمی و نظری نہ تھا، علمی اور ظاہری بھی تھا، ان کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب احترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہ کے یہاں دیکھا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا، حافظ سراج الدین البزازیؒ لکھتے ہیں:-

لا والله ما رأیت احدا اشد تعظیما
خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا
لرسول الله صلی الله علیہ وسلم ولا
ادب احترام کرنے والا اور آپ کے اتباع اور
احرص علی اتباعہ ونصر ما جاء به
آپ کے دین کی نصرت کی حرص رکھنے والا ابن تیمیہ
سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

یہ چیز ان پر اتنی غالب اور ان کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب شہادت دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہے، علامہ عماد الدین الواسطیؒ فرماتے ہیں:-
ما رأینا فی عصرنا هذا من تسبیحی التبت
ہم نے اپنے زمانہ میں بن تیمیہؒ ہی کو ایسا پایہ نبوت محمدؐ

۱۔ مدارج النسا لکین ۲۔ الکواکب الدریۃ ص ۱۲۹

المعمدية وسننهم اقواله وافعاله
الآخذنا الرجل يشهد القلب الصحيح
كانوران کی زندگی میں اور سنتوں کا اتباع ان کے
اقوال وافعال میں عیاں تھا قلب سلیم اس کی شہادت
دیتا تھا کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی اس کا نام ہے۔
هذا هو الاتباع حقيقة

صالحین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت

کسی انبوه اور عوام کی بھیر کا کسی شخص کی تعریف کرنا مقبولیت عند اللہ واستقامت اور
علوم مرتبت کی دلیل نہیں، دلیل اس کے زمانہ کے اہل صلاح واستقامت اور اہل علم اور اہل بصیرت کی
شہادت اور توصیف ہے، نیز یہ کہ اس کے پیروں، اس سے محبت و تعلق رکھنے والوں اور اس کے پاس
اٹھنے بیٹھنے والوں میں صلاح و سداد، حسن اعتقاد، تقویٰ و احتیاط اور آخرت کی فکر و اہتمام پایا جائے،
اور وہ اپنے ابناء کے زمانہ سے اپنی دینداری اور سلامت روی میں ممتاز ہوں، ابن تیمیہ کا معاملہ یہی تھا کہ
اس زمانہ کے ممتاز ترین اہل صلاح و رشد اور اصحاب علم و نظر ان کی عظمت و فضیلت و صحت اعتقاد و
سلامت عقیدہ کے قائل و معترف اور ان کے مدح تھے، اور ان کے مخالفین میں بڑی تعداد حکومت کے متسلین
اور ابناء دنیا کی تھی جو جاہ طلبی کے مرض اور دولت و عزت کے خواہاں تھے، صاحب کو اکب لکھتے ہیں:

قالوا من امعن النظر بصيرة لحر
علمائنا من اهل اى بلد شاء موافقاه
الاوراء من اتباع علماء بلد لا للكتاب و
السنة واشغالهم بطلب الآخرة والرغبة
لوگ بیان کرتے ہیں کہ جو ذرا غور سے کام لے گا وہ
دیکھے گا کہ ان کا جو موافق جس شہر میں بھی ہے وہ اس
شہر کے علماء میں سب سے زیادہ کتاب و سنت کا متبع
اور طلب آخرت میں مشغول اور سب سے زیادہ اس کا

لہ علماء العینین ص ۷۷ اس کلیہ سے وہ حضرات مستثنیٰ ہیں جن کو کوئی غلط فہمی تھی، یا ان کا اختلاف خالص علمی و اصولی

تھا، و ما من عام الا وقد خُص منه البعض

فيها وبلغهم في الاعراض عن الدنيا
والاهمال لها ولا يرى عالما مخالفا لمعوقا
عنه الا وهو من الكبرم نعمة في جمع الدنيا
والكثرهم رياء وسمعة والله اعلم

علامہ ذہبی کے یہ الفاظ بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں :-

واخيف في نصر السنة المحفوظة حتى
اعلى الله تعالى منارة وجمع قلوب
اهل التقوى على محبته والدعاء له
سنت کی نصرت کے جرم میں ان کو بہت ڈرایا
وہم کا یا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سرخرو
اور محرز کیا، اور اہل تقویٰ کے قلوب کو ان کی
محبت اور دعا کے لئے مجتمع کر دیا۔

فراست و کرامت

ہر چند کہ کشف و کرامت نہ بزرگی و مقبولیت کا جز ہے، نہ اس کی دلیل محققین نے صاف
لکھ دیا ہے کہ "الاستقامة فوق الكرامة" اور یہ مسئلہ اب کسی بحث کا محتاج نہیں لیکن یہ بھی واقعہ
ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے مقبول بندوں کو بطریق انعام یہ دولت بھی عطا فرماتا ہے، اور
ان کے ہاتھوں یا زبان سے ایسے واقعات کا ظہور ہوتا ہے جو ان کی مقبولیت و وجاہت کے
مؤیدات و آثار میں سے ہوتے ہیں، اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ کرامات الاولیاء حق اور
قرآن و حدیث میں اس کے متعدد شواہد و واقعات ہیں، اور خود شیخ الاسلام کی کتابوں میں اس
مسئلہ کی تقریر اور اس حقیقت کا اثبات ہے۔

لہ الکواکب الدریہ ص ۱۷۱ لہ علماء العینین ص ۷۷

ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت و خرق عادت پیش آئے ان کے تلامذہ و احباب و معاصرین نے دی ہے اور متاخرین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اس قدر مشہور اور بکثرت منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں، علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری شرح البخاری، تفریط الرد الوافر میں لکھتے ہیں:-

وهذا الامام مع جلالة قدره في العلوم
نقلت عنه على لسان جمر غفير من الناس
كروايات ظهرت منه بلا التباس
في احوالهم من شجرة في ارضهم
في احوالهم من شجرة في ارضهم

انہی کرامات کا ایک شعبہ "فراست صادقہ" ہے جو اکابر مومنین و اولیاء متقین کو حاصل ہوتی ہے، اس فراست کے عجیب و غریب اقعات نقل کئے جاتے ہیں، حافظ ابن قیم نے "مدارج السالکین" اور دوسری کتابوں میں اس "فراست" کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں، "مدارج السالکین" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

ولقد شاهدت من فرائد شيم الاسلام
امور اعجبية وعالم نشاهد منها اعظم
واعظم ووقائع فراسته تستدعي
سفر اصحما

مسئلہ وحدۃ الوجود، فنا، بقا، معرفت، اعمال قلبیہ وغیرہ پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عملی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے، اور اس سلسلہ میں ان کو "اذواق عالیہ" اور "احوال صحیحہ" حاصل تھے اور جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ محض عام ذہانت، قوت علم یا

زور قلم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کے تجربات و مشاہدات ہیں، ان مسائل و مباحث میں بعض مرتبہ ان کا کلام اور تحقیقات محققین صوفیہ اور مجتہدین فن سلوک (مثلاً مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی) کے کلام و تحقیقات سے مل جاتی ہیں، رسالۃ العبودیۃ میں فنا کے اقسام اور اس کے مراتب و مقامات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"فنا کی تین قسمیں ہیں، ایک فنا کا مقام وہ ہے جو انبیاء و اولیاء کاملین کو حاصل ہوتا ہے ایک وہ مقام ہے جو ان اولیاء و صالحین کو حاصل ہوتا ہے جو کمال و ترقی کے اس درجہ پر نہیں ہوتے ایک مقام منافقین و لمحدین اہل تشبیہ کا ہے پہلا مقام یہ ہے کہ ماسوی الشریسے ایسی فنا ثبوت حاصل ہو جائے کہ صرف الشری کے لئے محبت اور الشری کی عبادت، الشری پر توکل، اور الشری ہی کی طلب رہ جائے ماسوا کا کوئی گذر نہ رہ جائے، شیخ بایزید بسطامی کا یہ فقرہ جو منقول ہے کہ "لا اريد الا ما يؤيد" (میں نہیں چاہتا مگر وہی جو وہ چاہتا ہے) کا یہی مطلب لینا چاہئے یعنی میری مراد وہی ہے جو خدا کا منشا و مرضی ہے، اور اس سے مراد دینی ارادہ ہے، عباد کا کمال یہی ہے کہ اس کے اندر اسی کا ارادہ اسی کی محبت اور اسی سے رضا مندی رہ جائے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو، اور جس کو وہ پسند فرمائے اور اس سے مراد وہ اوامر الہی ہیں جن میں امر و حجب یا استجاب ہو، یہ ملائکہ انبیاء و صالحین کا مقام ہے جس کو یہ مقام حاصل ہو، اس کو قلب سلیم کی دولت حاصل ہے "الْأَمِنْ إِلَى اللَّهِ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" علماء نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ غیر الشری کی عبادت یا غیر الشری کے ارادے یا غیر الشری کی محبت سے پاک ہو، اس کا نام فنا رکھا جائے یا نہ رکھا جائے یہی اسلام کی ابتداء و انتہا اور یہی دین کا باطن و ظاہر ہے۔

فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ ماسوا کے شاہدے سے بالکل استغناء و غیبت کلی ہو جائے، یہ ایک مقام ہے جو بہت سے سالکین کو پیش آتا ہے، ان کے قلوب کا ذکر و عبادت اور محبت الہی

کی طرف ایسا انجذاب اور ایسی زور کی کشش ہوتی ہے کہ ان کے قلوب ماسوا کے مشاہدے کی تاب نہیں لاسکتے، اور اپنے مقصود کے سوا کچھ دیکھ نہیں سکتے، غیر اللہ کا ان کے دل میں گذر بھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا احساس تک باقی نہیں رہتا، اس مقام میں جس طرح اس کشش اور انجذاب کو دخل ہے اسی طرح کسی درجہ میں ان کے قلوب کے ضعف کو بھی دخل ہے قرآن مجید میں ہے "وَأَصْبَحَ قَوْمٌ مِّنْ مَّوْسَىٰ فَذَرَعَانِ كَاذِبٌ لِّتَبَدِّلَ بِهِ لَوْلَا أَن رَّبُّنَا عَلٰی قُلُوبِنَا" مفسرین نے لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کا دل سوائے حضرت موسیٰ کے خیال و یاد کے ہر چیز سے خالی ہو گیا، یہ بات اکثر ان لوگوں کو پیش آتی ہے جن پر اچانک کسی محبت یا خوف یا امید کا حملہ اور غلبہ ہوتا ہے اس وقت ان کا دل سوائے اس محبوب یا دشمن یا مطلوب کے ہر چیز سے سادہ اور خالی ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس محبت یا خوف یا طلب میں ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اس کے سوا کسی چیز کا احساس باقی نہیں رہتا جب کسی ایسے شخص پر جو فنا کے اس مقام پر ہے اس حال کا پورا پورا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ اس موجود کے استغراق سے خود اپنے وجود سے بے خبر ہو جاتا ہے اس ایک شہود کے شہود کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنا شہود نہیں رہتا، اس ایک مذکور کے ذکر کا ایسا تسلط ہو جاتا ہے کہ اپنا ذکر و فکر بالکل جاتا رہتا ہے، ایک کی معرفت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ اپنی معرفت باقی نہیں رہتی، اس وقت اس ایک وجود کے سوا تمام موجودات اس کی نظر میں معدوم اور فانی ہو جاتے ہیں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا معرفت میں یہ مقام حاصل ہو جائے اس کو تمام مخلوقات معدوم اور فانی نظر آنے لگتی ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کا وجود باقی رہ جاتا ہے اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ مخلوقات حقیقتاً معدوم اور فنا نہیں ہوتیں، بلکہ اس شخص کے شہود اور ذکر میں فنا اور کم ہو جاتی ہیں اور وہ ان کے ادراک یا شہود سے فانی ہو جاتا ہے جب اس چیز کا غلبہ ہو جاتا ہے

اور محب میں ایسا ضعف پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی قوت تمیز جواب دینے لگتی ہے تو بعض اوقات وہ اپنے کو عین محبوب سمجھنے لگتا ہے، واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص دریا میں کود پڑا، اس کا عاشق کھڑا دیکھ رہا تھا، وہ بھی اس کے پیچھے دریا میں کود پڑا، محبوب نے کہا کہ میں تو دریا میں کودا تھا تم میرے پیچھے کیوں کود پڑے اس نے کہا کہ تمہاری محبت میں مجھے اپنا ہوش نہ رہا، یہاں تک کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ تم اور میں ایک ہی ہوں۔

اس مقام میں پہونچ کر بہت سے لوگوں کے قدم کو لغزش ہوئی ہے انہوں نے خیال کیا کہ یہ اتحاد ہے اور محب محبوب سے مل کر ایک ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اصل وجود میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا، یہ بالکل غلط ہے، خالق کے ساتھ کوئی چیز بھی مل کر ایک نہیں ہو سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی چیز بھی کسی چیز سے مل کر ایک نہیں ہو سکتی، دو چیزوں میں اتحاد کئی اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ دونوں چیزیں بدل جائیں یا بگڑ جائیں یا ان کے اتحاد سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے جو نہ وہ ہوتی ہے نہ یہ ہوتی ہے جیسے پانی اور دودھ پانی اور شراب مل کر ایک تیسری چیز بن جاتی ہے البتہ ارادہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اتحاد ہو سکتا ہے دوستیاں ارادے میں پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں متحد ہو سکتی ہیں، ایک جس سے محبت کرے دوسرا بھی اس سے محبت کرے ایک جس سے بغض رکھے دوسرا بھی اس سے بغض رکھے، ایک جس چیز کو پسند کرے دوسرا بھی اس کو پسند کرے، اسی طرح ایک جس سے دشمنی کرے دوسرا بھی اس سے دشمنی کرے، لیکن وہ فنا کے کلی جس میں دوسری موجودات بالکل معدوم ہونے لگیں اور ان کا شہود و احساس بھی باقی نہ رہے یہ ایک ناقص مقام ہے البکر و عمر جیسے اکابر و اولیاء اور مہاجرین و انصار میں سے جن کو بسبقت اور اولیت حاصل تھی، وہ اس فنا میں مبتلا نہیں ہوئے جب وہ اس سے بالاتر تھے تو انبیاء کرام کا کیا ذکر اس طرح کے اذواق و حالات صحابہ کرام کے بعد کے لوگوں کو پیش آئے ہیں ان کے

قلب پر بعض مرتبہ ایسی ایمانی کیفیات وارد ہوئیں کہ ان کو عقل و ہوش اور تمیز باقی نہیں رہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بڑے کامل الاحوال بڑے قوی القلب تھے ایمانی کیفیات کے وقت نہ تو ان کی عقلیں معطل ہوتی تھیں نہ ان میں حجاب، ضعف، شک و بے خودی، فنا، بامستی، دیوانگی کی کیفیات پیدا ہوتی تھیں اس سلسلہ کی ابتدا و تالیفین میں ہوئی، اور بصرہ کے متراسن اور کثیر العبادت لوگوں کے یہ حالات پیش آئے ان میں سے بعض بعض لوگ قرآن مجید سن کر بے ہوش ہو جاتے بعض کو موت بھی واقع ہوئی جیسے ابو جہر بن ابی اوفی قاضی بصرہ اسی طرح مشائخ صوفیہ کو بھی فنا اور شکر کی ایسی کیفیتیں حاصل ہوئیں کہ ایسی حالت میں ان میں عقل و تمیز باقی نہیں رہی اکثر ایسی حالت میں ان کی زبان سے ایسے کلمے بھی نکل جاتے جو ہوش میں آنے کے بعد ان کو صریحاً غلط معلوم ہوتے، شیخ بایزید بسطامی، شیخ ابوالحسن نوری اور شیخ ابوبکر شبلی کو یہ چیزیں پیش آئیں اور ان سے ایسے واقعات نقل کئے جاتے ہیں لیکن ابوسلیمان دارانی معروف کرخی فضیل بن عیاض، بلکہ جنید بغدادی وغیرہ سے اس طرح کی باتیں منقول نہیں ایسے احوال میں بھی ان کی عقل اور قوت تمیز ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی تھی اور وہ اس طرح کے فنا و شکر میں مبتلا نہیں ہوتے تھے ان کا ملین کے ذہن میں سوا اللہ کی محبت اور اس کے ارادے کے کچھ نہیں ہوتا، ان کا علم اتنا وسیع اور وہ ایسے صاحب تمیز ہوتے ہیں کہ ان کو اشیاء اور امور اپنی اصل حالت اور صورت میں نظر آتے ہیں بجائے اس کے مخلوقات ان کے لئے معدوم یا غیر مشہود ہو جائیں، وہ اللہ کے حکم و ارادے کے ساتھ قائم اس کی مشیت کے تابع اور سخر نظر آتی ہیں، بلکہ تسبیح و اطاعت میں مشغول اس طرح یہ مشاہدہ ان کی بصیرت اور زندگی کو بڑھاتا ہے اور ان کی معرفت، اخلاص، توحید و عبادت میں اضافہ کرتا ہے یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے دعوت دی، اور یہی مومنین و محققین اور عارفین و کاملین کا مقام ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے امام و سرگروہ ہیں اور

ان میں سب اکمل و اعلیٰ ہیں اس لئے جب آپ کو معراج ہوئی، اور آپ نے وہاں آیات الہی کا مشاہدہ کیا اور آپ سے ہم کلامی اور سرگوشیاں ہوئیں، پھر جب آپ اس عالم میں تشریف لائے تو آپ کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، اور نہ کسی نے اس کا اثر محسوس کیا حالانکہ حضرت موسیٰ پر ایسے مواقع میں ایک بے خودی اور بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔

ایک اور حالت ہے جس کو بھی کبھی کبھی فنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وہ یہ کہ آدمی اس بات کی شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہیں، اور یہ کہ خالق کا وجود ہی مخلوقات کا وجود ہے اس لئے رب و عبد کے درمیان کوئی فرق نہیں یہ ان اہل ضلال و اسحاق کا فنا ہے جو حلول و اتحاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں صاحب استقامت مشائخ میں اگر کوئی کہتا ہے کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا، یا میں غیر اللہ کی طرف نہیں دیکھتا، یا اسی طرح کے کلمے تو اس سے مراد یہ ہوا کرتی ہے کہ مجھے اس کے سوا کوئی رب نظر نہیں آتا، یا مجھ کو اس کے سوا کوئی خالق یا اس کے سوا کوئی مدبر یا اس کے سوا کوئی معبود نہیں نظر آتا، یا میں محبت سے یا خوف کے ساتھ یا امید و رجاء کے ساتھ اس کے سوا کسی پر نظر نہیں ڈالتا، اس لئے کہ قاعدہ یہی ہے کہ آنکھ ہمیشہ اس کو دیکھتی ہے جس سے قلب متعلق ہوتا ہے جس شخص کو کسی چیز سے محبت ہو یا امید ہو یا اس کا خوف ہو، وہ اسی طرف متوجہ رہے گا، اگر اس کے دل میں اس کی محبت یا امید یا خوف یا بغض یا قلب کے تعلق کی کوئی ایسی بات نہیں ہے تو قلب میں اس کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہوگا، اور نہ وہ اس کی طرف نگاہ اٹھائے گا، اور نہ وہ اس کو دیکھے گا، اور اگر کبھی اس پر نظر پڑے گی تو محض اتفاقاً و محض نگاہ جیسے کوئی شخص کسی دیوار کو یا کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جس سے اس کا قلب متعلق نہیں، مشائخ صاحبین کبھی کبھی خالص توحید اور اخلاص کامل کے متعلق کلمات ارشاد فرماتے ہیں ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ غیر اللہ کی طرف ملتفت ہی نہ ہو اور نہ

ماسوا پر محبت یا خوف یا امید کے ساتھ نظر ڈالے بلکہ قلب تمام مخلوقات سے بالکل خالی اور فارغ ہو، ان کی طرف وہ اللہ کے نور کے ساتھ نظر کرے، حق ہی کے ذریعہ وہ سنے، حق ہی کے ذریعہ وہ دیکھے، حق ہی کے ساتھ وہ ہاتھ اٹھائے اور حق ہی کی قوت سے وہ چلے جس سے اللہ کو محبت ہے اس سے وہ محبت رکھے جس سے اللہ کو بغض ہے، اس سے وہ بھی بغض رکھے جس کو اللہ دوست بنائے اس کو وہ بھی دوست بنائے جس سے اللہ دشمنی کرے اس سے وہ بھی دشمنی کرے، ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرے اور اللہ کے معاملہ میں ان سے نہ ڈرے، یہی وہ قلب سلیم، حنیفی، موحد، مسلم، مومن ہے جس میں انبیاء مرسلین والی معرفت تحقیق و توحید پائی جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جس پر انبیاء کے پیرو فائز ہوتے ہیں اور یہی فنائے محمود ہے، اسی مقام کے فائزین کی اللہ تعالیٰ نے مدح و توصیف کی ہے اور ان کو اولیاء متقیین، حزب مغلین اور جند غالبین میں شمار کیا ہے۔

باقی فنا فی الوجود والی قسم (توحید و جود یا وحدۃ الوجود) تو وہ قرامطی جیسے آل فرعون کی تحقیق و توحید کی معرفت ہے، مشائخ و صاحبین میں سے کسی کی بھی یہ مراد نہیں تھی، مخلوقات میں سے میں جس چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہوں وہی رب الارض و السموات ہے، یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو پرلے درجہ کا گمراہ ہو، اور فساد عقل یا فساد اعتقاد میں مبتلا ہو یا جنون اور اسحاق میں سے کسی کا شکار ہو، تمام مشائخ جودین میں مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ سب اسی مسلک پر متفق ہیں جو اس امت کے سلف اور پیشواؤں کا مسلک تھا کہ خالق سبحانہ و تعالیٰ مخلوقات سے بالکل الگ ایک وجود رکھتا ہے، نہ تو اس کی مخلوقات میں اس کی ذات کا کوئی جز ہے، اور نہ اس کی ذات میں اس کی مخلوقات کا کوئی جز، وہ سب اس پر متفق ہیں کہ قدیم کو حادث سے الگ اور خالق کو مخلوق سے ممتاز سمجھنا چاہئے، اس بارہ میں ان کے جو اقوال و ارشادات منقول ہیں اس مختصر سے مضمون میں ان کی گنجائش نہیں، انھوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ قلوب کو کبھی کبھی ایسے امراض

و شہات پیش آتے ہیں، اور بعض لوگوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ ان کو مخلوقات کے وجود کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور وہ قوت تمیز کی کمزوری یا فقدان کی وجہ سے ان کو خالق الارض و السموات سمجھنے لگتے ہیں، جیسے ایک شخص آفتاب کی ایک شعاع دیکھتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی وہ آفتاب ہے جو آسمان میں ہے۔

یہاں پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ خالق و مخلوق میں تفریق کے دو مقام ہیں، ایک مقام وہ ہے کہ بندہ تفرق کا مشاہدہ کرے، اور کثرت اس کو پریشان کرے اس کا قلب اس کثرت و تفرق کی وجہ سے انتشار میں رہے، وہ قلب نظر کے انتشار میں گرفتار رہے کبھی محبت کبھی خوف اور کبھی رجاء کی وجہ جو ان مخلوقات کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے اس کو کیسوئی اور توحید حقیقی حاصل نہ ہو، جب انسان اس تفریق سے جمع کی طرف اور کثرت سے وحدت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس قلب کو جمعیت اور اس وحدۃ لاشریہ کی توحید و عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کا قلب مخلوقات کی طرف متوجہ رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف کلیۃ ملطف ہو جاتا ہے، اس کی محبت اس کا خوف، اس کی امید، اس کی استعانت سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے، اس حالت میں بعض اوقات اس کے قلب میں مخلوقات کی طرف نظر کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی جس کے ذریعہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان امتیاز کرے، اس کو حق تعالیٰ کی طرف التفات کلی اور خلق کی طرف سے امراض کلی حاصل ہوتا ہے، ہم نے فنا کی جس دوسری قسم کا اوپر ذکر کیا ہے، یہ حالت بھی اس سے ملتی جلتی ہے، لیکن اس کے بعد تفریق کا ایک دوسرا مقام ہے، جو اس سے بلند و برتر ہے، وہ یہ کہ بندہ مشاہدہ کرے کہ مخلوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اس کے امر کے تابع، اور اس کے ارادہ سے مستحضر، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سامنے وہ ان کی کثرت کو معدوم دیکھے، وہ یہ مشاہدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مصنوعات کا رب، الا خالق اور مالک ہے ایسی حالت میں کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ

کی طرف کیسہ ہوتا ہے اور اس کو اخلاص و محبت، خوف و رجا، استعانت و توکل علی اللہ، حب فی اللہ و بغض فی اللہ کی جیسی کیفیات حاصل ہوتی ہیں، وہ خالق و مخلوق کے درمیان فرق کو بھی صاف صاف دیکھ رہا ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان صاف صاف تمیز کرتا ہوتا ہے وہ مخلوقات کے تفرق و کثرت کو بھی دیکھتا ہوتا ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب اس کا مالک اور خالق ہے (ان اللہ رب کل شیء و مالک و خالق و ۱۰۰۰ ہوا اللہ لا الہ الاہو) یہی صحیح اور مستقیم شہود ہے اور یہی "لا الہ الا اللہ" کی تحقیقی شہادت ہے ان کی تصنیفات میں اس طرح کی تحقیقات اور علوم صحیحہ بہت ہیں، حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین میں ان کی تحقیقات و کیفیات کا بہت سا ذخیرہ جمع کر دیا ہے ان کے انہی معارف و احوال کو دیکھ کر ملا علی قاری نے استاد و شاگرد کے متعلق لکھا ہے :-

ومن طالع شرح منازل السائرين
تبين له انهما كانا من اكارا هل
السنه والجماعة ومن اولياء هذه
الامة
بشخص منازل السائرين کی شرح (مدارج السالکین)
کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ ابن تیمیہ
ابن قیم اہل سنت و الجماعت کے اکابر اور امت
محمدی کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔

— — — — —

لے رسالة العبودية في تفسير قوله تعالى "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ" ۳۵-۳۸ شامل مجموعہ رسائل مطبوعہ حنیہ مصریہ۔

لے مرقاة شرح مشکوٰۃ، ج ۴ ص ۴۷۷

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تجریدی اصلاحی کام

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں جو اہم کارنامہ انجام دیا، وہ اگرچہ بہت سے علمی و علمی شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہے لیکن اس کو ان چار حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے جو ان کی تاریخ اصلاح و تجدید میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں، یہ چار اہم شعبے حسب ذیل ہیں :-

- ۱۔ عقیدہ توحید کی تجدید اور شرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال۔
- ۲۔ فلسفہ و منطق اور علم کلام کی تنقید اور کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترمیم۔
- ۳۔ غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید اور ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ۔
- ۴۔ علوم شریعت کی تجدید اور فکر اسلامی کا احیاء۔

عقیدہ توحید کی تجدید اور شرکانہ عقائد و رسوم کا ابطال

امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں شرکانہ عقائد و رسوم

غیر مسلم اور عجمی اقوام کے اختلاط، اسمعیلی و باطنی حکومت کے نفوذ و اثر، نیز جاہل اور گمراہ صوفیوں کی تعلیم و عمل سے عام مسلمانوں میں شرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو چلا تھا، بہت سے مسلمان اپنے دینی پیشواؤں، مشائخ طریقت اور اولیاء و صالحین کے بارے میں اسی طرح کے

غایبانہ اور شرکانہ خیالات اور عقیدہ رکھنے لگے تھے، جو یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور اپنے
اجار اور رہبان کے متعلق رکھتے تھے، بزرگان دین کے مزارات پر جو کچھ ہونے لگا تھا، وہ ان سب
اعمال و رسوم کی ایک کامیاب نقل تھی، جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مقدس شخصیتوں کی قبروں پر
ہوتے تھے، اہل قبور سے صاف صاف استعانت و استغاثہ کا معاملہ ہونے لگا تھا، ان سے فریاد اور
ان کی دہائی دینے، سوال و دعا کرنے کا رواج ہو گیا تھا، ان کی قبور پر بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کرنے اور
خود قبور کو سجدہ گاہ بنانے، ان پر سال بسال میلہ لگانے اور دور دور سے سفر کر کے وہاں آنے کا عام
دستور تھا، ساتویں صدی کے آخر میں یہ غلو اور عقیدہ اور عمل کا فساد جس حد تک پہنچ گیا تھا، اس کا کچھ
اندازہ ان اقتباسات سے ہو سکتا ہے، جو خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصنیفات اور تحریروں سے ماخوذ
ہیں، ان اقتباسات میں انھوں نے کسی جواب کے سلسلہ یا کسی بحث کے ضمن میں اپنے زمانہ کی بعض گمراہیوں
کا ذکر کیا ہے، اور اس سے ان کے زمانہ کے دینی انحطاط اور قلب اسلام پر جاہلیت کے حملہ کی شدت
کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے:-

”بہت سے لوگوں نے مردے کو بالکل خدا کا درجہ اور اس زندہ پیر کو جو اس کی قبر کا مجاور یا اس کا
جانشین ہے، پیغمبر کا مرتبہ دے رکھا ہے، وہ مردے سے اپنی کار برآری اور شکل کشائی کا مطالبہ کرتے
ہیں، انھوں نے اپنے اس زندہ پیر یا بزرگ کو یہ مرتبہ دے رکھا ہے کہ جس چیز کو وہ حلال کر دیں، وہی
حلال، اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیں وہی حرام ہے، انھوں نے درحقیقت اپنے حساب سے اللہ تعالیٰ
کو خدائی کے منصب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے مرتبہ سے سبکدوش کر دیا ہے، اکثر
ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نو مسلم یا ان کا پیر و عقیدت مندی کی بنا پر آتا ہے اور صاحب مزار سے کسی
بادشاہ کے ظلم کو دفع کرنے یا کسی اور مطلب کی کار برآری کے لئے دعا کرتا ہے تو یہ مجاور اندر
جاتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نے حضرت صاحب سے عرض کر دیا، حضرت صاحب نے پیغمبر صاحب سے

فرمایا، پیغمبر صاحب نے اللہ تعالیٰ تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ نے فلاں بادشاہ کے پاس اپنا قاصد بھیج دیا کہ
(خبردار فلاں آدمی پر زیادتی نہ ہونے پائے) کیا یہ کھلا ہوا مشرکین و نصاریٰ کا دین نہیں ہے؟ اس میں
تو اتنی غلط بیانی اور ایسا جہل صریح ہے، جس کو ہر مشرک اور ہر نصرانی بھی گوارا نہیں کر سکتا، اور
وہ بھی اس فریب میں نہیں آسکتے، یہ مجاور لوگ جس طرح بے تکلف نذر و نیاز اور ان قبروں کے چڑھاؤ
کھاتے ہیں، وہ قرآن مجید کی اس آیت کی پوری تفسیر و تصویر ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا
الْمَوْتِ لِيَاكُلُوا مَالَكُم بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّكُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ“ (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ
کے۔ بہت سے علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔)

کھلی قبر پرستی

”ان جہلمیں سے بہت سے لوگ صاف صاف قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں بعض بعض لوگوں
کو اس طرح دعا کرتے سنا گیا ہے کہ ”حضرت میری مغفرت فرما دیجیے، مجھ پر رحم کھائیے“ بعض آدمی قبر کو
سامنے رکھ کر اور کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قبر تو خواص کا قبلہ ہے، اور کعبہ عوام کا
یہ بھی ان لوگوں کا مقولہ ہے، جو عبادت و زہد میں ممتاز ہیں اور جن کے سیکڑوں ہزاروں مرید و متقلدین
اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے شیخ کے پیروؤں میں سب سے بہتر ہوں، اس شخص کا اپنے شیخ کے بارے میں قول
ہے، بعض ایسے شیوخ اور مفتد اکھمی ہیں جو بڑی ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں، جب مریدان کے ہاتھ پر
توبہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے ان کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ شیخ کی قبر پر جا کر چلے کھینچے جیسے کربت پرست
اپنے اپنے بتوں پر آسن جہاں سے بیٹھے ہوتے تھے، ان قبر پرستوں میں بہت سے لوگوں کو ان قبروں کی
پرستش میں وہ رقت و خشوع، دعا کی کیفیت اور حضور قلب حاصل ہوتا ہے، جو ان کو مساجد میں حاصل

نہیں ہوتا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فِي بُيُوتٍ اٰذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ" (ترجمہ۔ ان گھروں (مساجد) میں جن کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ بلند کئے جائیں اور ان میں اس کا نام یاد جائے)

خدائے بے خوفی اور صاحب مزار سے خوف و خشیت

"ان لوگوں کا اعتقاد اور قبور سے تعلق اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ بے تکلف کبار اور منہیات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں لیکن جب وہ مزار کا گنبد یا کلس دیکھ لیتے ہیں تو ڈرک جاتے ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے 'خبردار یہ گنبد کا کلس نظر آ رہا ہے' ان کو اس کلس کے نیچے دفن ہونے والے انسان کا تو خیال خطرہ ہوتا ہے اور اس خدا کا ذرا بھی لحاظ نہیں ہوتا جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور جس کے حکم سے چاند گھٹتا اور بڑھتا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی بحث کرے تو اپنے حریف کو ان بزرگوں کے جلال اور قدرت سے ڈراتے ہیں بالکل جس طرح مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا تھا قرآن شریف میں ہے:-

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ اَتَمَلِكُوْنِيْ فِي الْاَرْضِ وَقَدْ
خَدَمْتُكُمْ مَا تَشْكُرُوْنَ ۚ اِلَّا اَنْ تَقَالُ
رَبِّیْ شَیْئًا وَّسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا مَا فَلاَ
مَتَدَلُّوْنَ ۚ وَكَيْفَ اَخَافُ مَا اَشْرَكْتُمْ
وَلَا تَخَافُوْنَ اَنْتُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ
یُنَزَّلْ بِہِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَتٰی الْفَرِیْقَتَیْنِ
اَخٰی بِالْاٰمِنِۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۚ الَّذِیْ

اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا، اس نے کہا
کیا تم مجھ سے اللہ کے لیک ہونے میں جھگڑتے ہو اور اس نے
میری رہنمائی کی ہے اور میں تم شرک کرتے ہو میں اس سے
نہیں ڈرتا، مگر بے میرا رب مجھے کوئی تکلیف پہنچانا
چاہے میرے رب نے علم کے لحاظ سے سب چیزوں پر
احاطہ کر رکھا ہے کیا تم سوچتے نہیں ہو اور میں تمہاری
شرکیوں سے کیوں ڈروں حالانکہ تم اس بات سے

اَمْشُوا وَلَمْ یَلْبِسُوْا الْاِیْمَانَ بِہُمْ یُظْلَمُوْا وَلَیْسَ
لَہُمْ الْاٰمِنُوْنَ وَہُمْ مُّہْتَدُوْنَ ۚ

نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کا شرک ٹھہراتے ہو اس چیز کو
جس کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری اگر تم کو کچھ سمجھ

ہے تو بتاؤ دونوں جماعتوں میں سے امن کا زیادہ
مستحق کون ہے جو لوگ ایمان لئے اور انھوں نے اپنے
ایمان میں شرک نہیں ملا یا، امن ان ہی کے لئے ہے
اور وہی راہ راست پر ہیں۔

اللہ اور شعائر اللہ سے استہزاء و استخفاف

"یہ قبر پرست توحید اور خدائے واحد کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں اور جن خدا کو چھوڑ کر
اپنا شفیع اور کارساز بنا رکھا ہے ان کی بڑی تعظیم کرتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ
حج بیت اللہ اور حجاج کی تحقیر کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ائمہ اور شیوخ کی
زیارت حج بیت اللہ سے افضل ہے یہ عقیدہ اہل تشیع اور بہت سنی کہلانے والوں میں بھی
پایا جاتا ہے کچھ لوگ مساجد اور نماز پنجگانہ کی تحقیر کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے شیخ کی
دعا اس سے افضل و اعلیٰ ہے یہ عقیدہ ان شیعوں میں ابھی تک موجود ہے جو یونس قیسی کی طرف
اپنی نسبت کرتے ہیں ان کی اس گیت سے اندازہ ہوگا۔

تَعَالَوْا نَحْرِبِ الْحَبَاحِ وَنَجْعَلُ فِیْہِ خُمَارَہ
وَنُکْسِرُ الْمُنْبِرَ وَنَجْعَلُ مِنْہِ طَبَارَہ
وَنُخْرِقُ الْمَصْحَفَ وَنَجْعَلُ مِنْہِ زَمَارَہ

مشرکین کی بیباکی و شوخ چشتی

”ان کی بیباکی کا حال یہ ہے کہ بے تکلف جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں لیکن اپنے شیخ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے ان میں بعض بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو رزق میرے پیر کی طرف سے نہ ملے وہ مجھے قبول نہیں ان میں سے بعض بکری ذبح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”میرے آقا کے نام سے“ بعض ضا صاف کہتے ہیں کہ ان کے شیخ انبیاء و مرسلین سے افضل تھے ان میں سے بعض ان کے متعلق الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہیں جیسے کہ نصاریٰ حضرت مسیح کے متعلق رکھتے تھے جب وہ اپنے شیخ کا ذکر کرتے ہیں تو بڑی تعظیم و تکریم سے کرتے ہیں اور ان کی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں انھوں نے اپنے اپنے بزرگوں کی طرف سے بڑے بڑے شعر بنا رکھے ہیں جن میں صاف صاف خدائی کا دعویٰ ہے اور بڑی بڑی من ترانیاں ہیں کوئی کہتا ہے کہ موسیٰؑ طور پر مجھ سے ہمکلام ہوئے تھے اور میری ہی تجلی دیکھ کر بیہوش ہو گئے تھے کوئی کہتا ہے کہ عرش پر میں نے ہی چرخ ماری تھی جو عالم میں شور مچ گیا اور سات سمندر میری ہی ہیبت سے تلاطم میں ہیں۔“

بزرگوں کی الوہیت کا اعتقاد

”بہت سے جہلاء و مشرکین پیغمبروں اور بزرگان دین کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہی دنیا کا

۱۔	آوہم لوگ مسجد کو: ویران کر دیں	اور اس میں شراب کی دوکان قائم کر دیں
	اور منبر کو توڑ کر.....	اس سے ساز و مزامیر بنائیں
	اور قرآن کو پھاڑ کر.....	اس سے بانسری بنائیں
	اور قاضی کی داڑھی اکھاڑ کر	اس سے اس کے تانت بنائیں

انتظام کرتے ہیں پیدائش اور رزق کی ضرورتوں کا پورا کرنا، مصیبتوں کا دور کرنا ان ہی کا کام ہے یہ قطعاً مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہو سکتا نصاریٰ بھی صرف حضرت مسیح کے متعلق ایسا اعتقاد رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ اتحاد و حلول کے قائل ہیں اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کے متعلق بھی ان کا اعتقاد نہیں باوجودیکہ وہ پرلے درجہ کے جاہل ہیں۔

بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جس شہر یا بستی میں کسی بزرگ کا مزار ہوتا ہے اسی کی برکت سے ان کو رزق ملتا ہے ان کی مدد ہوتی ہے اور دشمنوں سے حفاظت ہوتی ہے اور ملک محفوظ رہتا ہے جس شخص سے ان کو اعتقاد ہوتا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ فلاں شہر کا پاسان ہے مثلاً سیدہ نفیسہ مصر و قاہرہ کی پاسان ہیں فلاں و فلاں بزرگ دمشق وغیرہ کے محافظ ہیں فلاں و فلاں بغداد وغیرہ کے پیریدار ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ان ہی صاحبین و انبیاء کی قبروں کی برکت سے ان شہروں اور بستیوں سے بلا دفع ہوتی ہے۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب دشمن نے دمشق کا رخ کیا تو یہ (قبر پرست) بزرگوں سے فریاد کرنے کے لئے مقابر و مزارات کی طرف روانہ ہوئے جن سے ان کو اس خطرہ کے دفع کرنے کی امید تھی اور بعض شعراء نے کہا:-

یا خائفین من التتر لو ذوا بقبر الی عمر
اے تاتاریوں سے ڈرنے والو ابو عمرؑ کی قبر کی پناہ میں آ جاؤ
دوسرے نے کہا:-

عوذوا بقبر الی عمر ینجی کم من الضر
ابو عمرؑ کی قبر سے پناہ حاصل کرو تم کو وہ تکلیف سے نجات دیں گے

مشاہد کا فتنہ

اس اویلا پرستی اور قبر پرستی کا قدرتی و لازمی نتیجہ یہی ہے کہ مساجد کے مقابلہ میں "مشاہد" کی اہمیت بڑھ جائے اور وہ "زیارت گاہ خلائق" اور عوام و جہال کا قبلہ حاجات بن جائیں چنانچہ عالم اسلام کے چپے چپے پر ان مشاہد و مزارات کا جال بچھ گیا، ہزاروں لاکھوں صحیح اور جعلی قبریں بن گئیں، امراء و سلاطین نے بڑی فراخ دلی اور جوصلہ مندی سے ان کے لئے املاک زمین و وقت کی ان مزاروں و بزرگوں کی جگہوں پر سرفیلک عمارتیں اور طلائی گنبد تعمیر ہوئے، مجاورین جاروب کشوں اور خادموں کی ایک مستقل قوم اور امت وجود میں آئی، دھوم دھام اور بڑے بڑے تزک اختشام کے ساتھ ان کی طرف سفر کار و اج ہوا، اور بڑے بڑے قافلے در دراز مقامات سے اس طرح سفر کر کے جانے لگے کہ حجاج کے قافلوں کے ہمسریاں ان سے کچھ بڑھے ہوئے نظر آنے لگے، مساجد سے عام مسلمانوں کی توجہ ہٹ کر مشاہد کی طرف ہو گئی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں "مشاہد و مزارات" نے دینی زندگی میں پوری مرکزیت اور مرجعیت اختیار کر لی تھی اور وہ بیت اللہ کے حریف و رقیب بن گئے تھے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تصنیفات و تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ "مشاہد کا فتنہ کتنا بڑا پکڑ چکا تھا، اور جہال و اہل غرض مسلمانوں کو اس سے کتنا تعلق ہو گیا تھا، اس فتنہ کے طاقت پکڑنے اور وسیع ہونے میں اس بات کو بھی بڑا دخل تھا کہ باطنی سلطنت نے صدیوں بڑے کروفر سے مغربِ قضیٰ سے مصر و شام تک حکومت کی تھی، اہلِ رخص و تشیع کو شروع سے مساجد سے زیادہ مشاہد سے اور حرمین سے زیادہ نجف و کربلا و شہد سے تعلق رہا ہے، امام ابن تیمیہ کی ولادت سے پیشتر اگرچہ مصر کی "فاطمی" سلطنت ختم ہو چکی تھی لیکن اس کے ذہنی و تہذیبی

لہ یہ عام طور پر فاطمی سلطنت کے نام سے معروف ہے، یہ درحقیقت عبیدیوں کی سلطنت ہے، ملاحظہ ہو تاریخ دعوت

وعزیمت حصہ اول ص ۳۴۹ دوسرا ایڈیشن۔

اثرات ابھی باقی تھے، خاص طور پر شام میں بڑی تعداد میں شیعہ و اسماعیلی موجود تھے جن کی صحبت کا اثر عام اور جہل مسلمانوں پر پڑ رہا تھا، پھر غلط قسم کے تصوف نے جس میں بزرگوں کے مزارات و مشاہد خاص اہمیت اور تقدس رکھتے تھے، اور ان پر سالانہ اجتماعات (عرس) وغیرہ کا رواج ہو چلا تھا، ان مشاہد و مزارات کو اور زیادہ چمکا دیا تھا، اور اب وہ شرک و بدعات کا ایک بڑا ذریعہ بن گئے تھے، امام ابن تیمیہ ان مشاہد و مزارات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مشاہد و مزارات کا حج

"کچھ لوگ ہیں جو قبروں کا حج کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے اس سفر کے آداب احکام پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جن کا نام انھوں نے مناسک حج المشاہد رکھا ہے، چنانچہ ایک شیعہ عالم ابو عبد اللہ محمد بن نعمان الملقب بالمفید کی اسی نام کی مستقل تصنیف ہے جس میں ایسی بہت سی بے سرو پا روایات اہل بیت کی طرف منسوب کی ہیں جن کا بے اصل ہونا اہل نظر سے مخفی نہیں، کچھ لوگ بڑی دھوم دھام کے ساتھ مشائخ کے قبور کی زیارت کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں اگرچہ وہ اس کو مناسک یا حج تو نہیں کہتے، لیکن دونوں میں کوئی فرق نہیں، ان میں سے بعض بعض لوگ جب تم کھاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دحیٰ النبی الذی فتح الیہ المطایا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حج کا ذکر کرتے ہیں، بیت اللہ کی طرف حج کا ذکر نہیں کرتے، بعض حجاج کا حج سے بڑا مقصد قبر مبارک کی زیارت ہوتی ہے نہ کہ حج بیت اللہ،

حج بیت اللہ پر ترجیح

"بعض بعض لوگ مقابر کے حج کو حج بیت اللہ پر ترجیح دیتے ہیں، بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر

لہ الرد علی البکری ص ۲۹۵

فلاں بزرگ کی قبر کی زیارت دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر لی جائے تو ایک حج بن جائے گا بعض کسی بزرگ کے مزار کو میدان عرفات قرار دیتے ہیں اور حج کے زمانہ میں سفر کر کے وہاں جاتے ہیں اور اسی طرح وقوف کرتے ہیں جیسے مسلمان میدان عرفات میں کرتے ہیں اور مغرب مشرق میں ایسا ہوتا رہتا ہے بعض لوگوں کے اعتقاد میں اس مقدس مقام یا اپنے بزرگ کی قبر کا سفر حج سے بھی افضل ہے ایک مرید نے جس نے سات حج کئے تھے دوسرے مرید سے کہا کہ شیخ کی قبر کی زیارت ان سات حج کے بدلے میں فروخت کرتے ہو؟ اس نے اپنے پیر سے مشورہ کیا اس نے اس سے کہا کہ اگر تم نے یہ سودا کر لیا تو تم بڑے گھٹے میں رہو گے ان میں بعض کو کہتے سنا گیا ہے کہ جو شیخ کی قبر کے سات پھرے کر لے اس کو ایک حج کا ثواب ملے گا۔

مساجد کی ویرانی و کس مہر سی اور مشاہد کی رونق و اہتمام

ان میں سے بہت سے لوگ مساجد کو ویران رکھتے ہیں اور مشاہد کو بڑا آباد و پر رونق ان کی مسجد جو جو نماز پنجگانہ کے لئے بنائی گئی ہے بالکل ویران اور بے چراغ نظر آتی ہے غریب ہل محلہ اگر درمی فرس کا انتظام کر دیں تو کر دیں ورنہ بھی نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی سرائے ہے جس کا کوئی پرسان حال نہیں اس کے مقابلہ میں مزار و مقبرہ کا حال یہ نظر آتا ہے کہ پردے اس پر پڑے ہوئے ہیں سونے چاندی سے اس کو مرتع کیا گیا ہے سنگ مرمر کا فرش ہے صبح و شام نذر و نیاز آرہی ہے کیا یہ الشراور اس کی آیات اور اس کے رسول کی کھلی ہوئی تحقیر اور شرک کی علامت عظیم نہیں ہے یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صاحب مزار کی دعا اور اس کی دہائی الشکر کے گھر میں الشکر سے مانگنے اور اس کے نام کی دہائی دینے سے زیادہ مؤثر و مفید ہے اس لئے قدرتی طور پر خدا کے گھر (مسجد) کے مقابلہ میں اس گھر کو ترجیح حاصل ہوئی جو مخلوق سے دعا کے لئے بنایا گیا ہے اگر مسجد کے لئے بھی کوئی وقف ہے اور مزار کے لئے بھی

کوئی وقف ہے تو مزار کا وقف ان کے نزدیک زیادہ اہم اور متم باشان ہوگا اور مسجد سے بڑھا ہوگا اس بارے میں وہ شریکین عکس قدم بہ قدم ہیں جن کا حال اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مَعَادَرًا مِّنَ الْعِزَّةِ وَالْأَنْعَامِ
وَصَيَّبْنَا فَقَالَ هَذَا لِلَّهِ بِرِجَالِهِمْ وَهَذَا
لِشُرَكَائِهِمْ كَانُوا لَشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى
اِحْدِهِمْ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ
سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

اور الشکر کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ
اس کے لئے مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے
ہیں کہ یہ الشکر کا حصہ ہے اور یہ ہمارے شرکیوں کا حصہ
حصہ ان کے شرکیوں کا حصہ وہ الشکر کی طرف نہیں جاسکتا
اور جو الشکر کا حصہ وہ ان کے شرکیوں کی طرف جاسکتا

ہے کیسا بڑا فیصلہ کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ساتویں اور آٹھویں صدی میں باوجود اس کے کہ طاقتور اسلامی سلطنتیں قائم تھیں اور بڑے بڑے ائمہ فن کبار محدثین و فقہاء موجود تھے بڑے بڑے مدارس اور علمی مرکزوں کا وجود تھا عوام و جہلما کن اعتقادی اور علمی گمراہیوں میں مبتلا تھے اور کس درجہ کے مشرکانہ عقائد و اعمال مسلم معاشرہ اور عام مسلمانوں کے مزاج میں درخور پائے گئے تھے عوام اور جہلاء سے قطع نظر بہت سے علماء اور فقہاء بھی ان عقائد و اعمال کے بارے میں بہت سے شبہات میں گرفتار تھے اور ان کی تحریروں اور فتاویٰ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شرک توحید کے بارے میں ان کا ذہن بھی اتنا صاف اور کیوں نہیں تھا جتنا ایک ایسے شخص کا ہونا چاہئے جس نے عقیدہ توحید کو براہ راست قرآن و حدیث سے اخذ کیا ہے اور جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت اور صحابہ کرام کے دور خیر و برکت کے نمونے اور اقوال و اعمال ہیں اس طبقہ کے طرز فکر کا اندازہ جو اپنے زمانہ کے رسوم مروجہ اور عادات قدیمہ سے متاثر تھا امام ابن تیمیہ کے معاصر شیخ علی بن یعقوب البکری اور الاخوانی کی تحریروں

سے ہوتا ہے جس کی تردید میں امام ابن تیمیہ نے وہ دو مبسوط کتابیں لکھیں جن کے اقتباسات اوپر پیش کئے گئے۔

امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کام اور شرکانہ عقائد کی تردید و مخالفت

امام ابن تیمیہ نے ان شرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف جہاد و تجدید کا علم بلند کیا، اور عوام کی رضامندی و ناراضگی نیز خواص کا عوام کے قہر و عتاب سے بالکل بے نیاز ہو کر مروجہ اعمال و رسوم اور شرکانہ عقائد و خیالات کی تردید کی، اور ان عقائد و تخیلات پر تشبیہ چلا یا، جو اس شرکانہ طرز عمل کی بنیاد تھے۔

ان مزارات پر عوام کے ہجوم اور شرکانہ اعمال و رسوم کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عوام ان اصحاب مزارات سے اپنے مقاصد و اغراض کے لئے دعا کرتے تھے، ان کے نام کی دہائی دیتے تھے، ان کی پناہ میں آتے تھے، امام ابن تیمیہ نے اپنی تحریروں میں صاف صاف لکھا کہ دعا غیر اللہ سے بالکل جائز نہیں، اور یہ شرک صریح ہے جو مسلمانوں کی جہالت یا غیر مسلم اقوام کی مخالفت سے مسلمانوں میں داخل ہو گیا ہے، اللہ علی البکریؒ میں لکھتے ہیں:-

غیر اللہ سے دعا و استغاثہ کی ممانعت

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور اس کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یقینی اور بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی امت کو کسی مرنے پھرنے یا صاع آدمی سے دعا کرنے کی اجازت نہیں دی، نہ استغاثہ کے طور پر نہ استغاثہ کے طور پر، اسی طرح آپ کی امت کے لئے کسی مردہ یا زندہ کا سجدہ کرنا جائز نہیں، اور اسی طرح کے وہ اعمال جو عبادات میں شامل ہیں، ہم کو

لے تلخیص کتاب الاستغاثہ المعروف بالرد علی البکری مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۴۱ھ اور کتاب الرد علی الاخوانی و استغاثہ

نیارۃ خیر البریۃ زیارۃ الشرعیۃ ایضاً مطبوعہ سلفیہ ۱۳۴۱ھ آخر الذکر کتاب اول الذکر کے حاشیہ پر ہے۔

خوب معلوم ہے کہ آپ نے ان تمام امور سے منع فرمایا ہے، اور یہ سب سب شرک میں داخل ہے جس کو اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے، لیکن چونکہ پچھلے زمانہ میں جہالت بہت عام ہو گئی اور تعلیمات نبوت اور آثار رسالت سے واقفیت بہت کم تھی، اس لئے بہت سے علماء نے اس وقت تک ان جہالت کی تکفیر کرنے سے احتیاط کی ہے، جب تک کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور دین کے احکام واضح نہ ہو جائیں۔

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:-

”میت سے اپنی ضرورت کا سوال یا اس سے استغاثہ جیسا کہ بہت جگہ رواج ہے شریعت محمدیؐ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، یہ بھی درحقیقت بت پرستی کی ایک قسم ہے اسی لئے ان دعا کرنے والوں کے سامنے کبھی کبھی شیطاں صاحب مزار کی صورت میں یا کسی غائب کی شکل میں آتے ہیں جیسا کہ بت پرستوں کو اکثر ایسا پیش آتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے، بت پرستی کی ابتداء قبروں ہی سے ہوئی۔“

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:-

”کسی میت یا غائب سے سوال خواہ وہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر ان اعمال میں سے ہے، جن کی حرمت پر تمام ائمہ مسلمین متفق ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ نے نہ تو اس کا حکم دیا، اور نہ صحابہ و تابعین میں سے کسی نے ایسا کیا، اور نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اس کو پسند کیا، جو دین اس وقت ہمارے سامنے ہے، اور محفوظ چلا آ رہا ہے اس سے بدانتہی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرون خیر میں بالکل اس کا رواج نہیں تھا کہ اگر کوئی شخص کسی شکل میں یا مصیبت میں گرفتار ہو یا اس کو کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ کسی گذشتہ بزرگ یا پیغمبر کا نام لے کر کہتا یا سیدی فلان انا فی حبک (حضور اللہ)

لے الرد علی البکری ص ۳۷۷ ایضاً ص ۵۷

میں آپ کے ذمہ میں ہوں) میں نے آپ کا دامن پکڑا ہے، یا فلاں بزرگ میری ضرورت پوری کر دیجئے، جیسے کہ اس زمانہ کے بعض مشرکین اپنے ایسے بزرگوں کا نام لے کر کہتے ہیں، جو یا تو انتقال کر چکے ہیں یا وہاں موجود نہیں ہوتے، نہ کہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی یا کسی اور پیغمبر کی قبر شریف کے پاس یا قبر شریف سے فاصلہ پر دہائی دی ہو، صحابہ کرامؓ کے مشرکین و کفار کے ساتھ بڑے بڑے معرکے ہوئے اور بارہا وہ ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے، بڑے گھمسان کارن پڑا، اور بعض اوقات بڑی پریشانی پیش آئی، اس کے باوجود ان میں سے کسی نے نہ کسی نبی کی دہائی دی، اور نہ غیر نبی کی، اور نہ خدا کو کسی مخلوق کی قسم دی نہ یہ حضرات انبیاء اور غیر انبیاء کی قبور پر دعا کرنے کے لئے جاتے نہ نماز پڑھنے کے لئے، امام مالکؒ اور بعض علماء نے تو اس کو بھی ناپسند کیا ہے کہ کوئی شخص قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر بھی اپنے لئے دعا کرے، اور انھوں نے تصریح کی ہے کہ یہ ان بدعات میں سے ہے، جن کا عہد سلف میں سراغ نہیں ملتا۔
اپنے مشہور رسالہ التوسل والوسیلہ میں لکھتے ہیں:-

• ملائکہ اور انبیاء سے (ان کے انتقال کے بعد یا ان کی غیر موجودگی میں) دعا کرنا، ان سے مانگنا، ان کی دہائی دینا، اور ان سے یا ان کے مجسموں سے سفارش چاہنا ایک نیا دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا، اور نہ کسی نبی کو اس کے ساتھ معبود فرمایا، اور نہ کوئی آسمانی کتاب اس کی تائید میں نازل فرمائی۔

غیر اللہ سے دعا کی حرمت کی حکمت

اس کتاب میں وہ ایک جگہ اس حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
• اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ بیان فرمایا ہے کہ ملائکہ ہمارے لئے دعا و استغفار کرتے ہیں، ہم کو

ملائکہ سے دعا کرنے کی ممانعت فرمائی، اسی طرح انبیاء و صالحین اگرچہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے، وہ زندوں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں، لیکن کسی کو خود ان سے دعا کرنا جائز نہیں اور نہ سلف سے ایسا منقول ہے، اس لئے کہ فیصل ذریعہ بن جاتا ہے، شرک اور ان کی مستقل پرستش کا بخلاف اس کے اگر زندگی میں ان سے کچھ مانگا جائے، یا سوال کیا جائے تو وہ شرک تک نہیں پہنچاتا دوسری بات یہ ہے کہ ملائکہ اور انبیاء و صالحین انتقال کے بعد زندوں کے لئے جو کچھ دعا و استغفار کرتے ہیں، وہ ایک تکوینی امر ہے، جس میں دوسروں کے سوال و دعا کا کوئی دخل نہیں، برخلاف زندگی کے کہ اس میں سائل کا سوال کرنا مشروع ہے، انتقال کے بعد وہ ان چیزوں کے مکلف نہیں رہتے۔

اہل قبور سے دعا کرنے والوں کی قسمیں اور صورتیں

ایک دوسری جگہ وہ قبر پر دعا و سوال کرنے والوں کی قسمیں اور حالات لکھ کر الگ الگ حکم بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

• جو شخص کسی پیغمبر یا مرد صالح کی قبر کے پاس آتا ہے، یا کسی ایسی قبر کے پاس جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یہ کسی پیغمبر یا مرد صالح کی قبر ہے (حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے) وہاں سوال و سجدہ کرتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہے مثلاً اس سے اپنے یا اپنے جانوروں کے مرض کا ازالہ، یا اپنے قرض کی ادائیگی، یا اپنے دشمن سے انتقام یا اپنی یا اپنے گھر والوں اور جانوروں کی صحت کی درخواست کرتا ہے، اور اسی طرح کے وہ امور جن پر خدا کے سوا اور کسی کو قدرت نہیں تو یہ کھلا ہوا شرک ہے، ایسے شخص سے توبہ کرانی چاہئے اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ قتل

کر دیا جائے۔

اگر وہ کہتا ہے کہ میں ان صاحب مزار سے یا اس پیغمبر یا ولی سے اس لئے سوال کرتا ہوں کہ اس کو میرے مقابلہ میں خدا سے زیادہ تقرب حاصل ہے یہ ان امور میں میری سفارش کر دے اس لئے میں اللہ کے لئے یہاں اس کو وسیلہ بناتا ہوں جیسے کہ سلطان کے یہاں اس کے خواص و عوام کو وسیلہ بنایا جاتا ہے تو یہ عمل مشرکین و نصاریٰ کا ساعل ہے اس لئے کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ اپنے اجداد و رہبان کو صرف شفع بناتے ہیں اور ان سے اپنے اغراض و مقاصد کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش چاہتے ہیں اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے متعلق اطلاع دی ہے کہ وہ کہتے ہیں مَا نَعْبُدُ هُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔ الزمر - ۳)

اور ارشاد ہوتا ہے :-

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ
أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ
قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ مُلْكُ
السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ
(سورہ زمر - ۳۳-۳۴)

کیا انھوں نے اللہ کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں
کہہ دو کیا اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور
عقل رکھتے ہوں کہہ دو ہر طرح کی حمایت اللہ ہی کے
اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین میں اسی کی حکومت
ہے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اور ارشاد ہوتا ہے کہ :-

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ قَوْلٍ وَلَا شَفِيعٍ
أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (السجدة - ۴)

تمہارے لئے نہ اس کے سوا کوئی کار ساز ہے نہ
سفارشی، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔

اسی طرح ارشاد ہے :-

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ
ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے سوا اس کے
(البقرہ - ۲۵۵) یہاں سفارش کر سکے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس بزرگ یا صاحب مزار سے فعل کو طلب نہ کیا جائے نہ اس سے دعا کی جائے اس سے صرف یہ درخواست کی جائے کہ وہ حصول مقصد کے لئے دعا کرے جیسے کسی زندہ انسان سے کہا جاتا ہے کہ میرے لئے دعا کر دیجئے اور جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرتے تھے تو معلوم ہونا چاہئے کہ زندہ انسان کے معاملہ میں تو یہ جائز اور مشروع ہے باقی ایک فوت شدہ مرد صالح یا پیغمبر کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس سے دعا کی درخواست کرنا شریعت میں نہیں آیا یہ کوئی مشروع فعل نہیں کہ ہم کسی بزرگ یا پیغمبر سے انتقال کے بعد کہیں کہ ہمارے لئے دعا کر دیجئے یا اپنے رب سے ہمارے لئے یہ مانگ دیجئے، اور نہ کسی صحابی یا تابعی سے ایسا ثابت ہے اور نہ کسی امام کا یہ مسئلہ ہے نہ اس کے ثبوت میں کوئی حدیث ہے اس کے برخلاف صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قحط پڑا تو انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی اور ان کو وسیلہ بنایا اور کہا اے اللہ! جب ہم پہلے قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اور تو بارش نازل فرماتا تھا اب ہم اپنے پیغمبر کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو باران رحمت بھیج، چنانچہ بارش ہوئی انھوں نے اس ضرورت اور مصیبت کے وقت یہ نہیں کیا کہ قبر انور کے پاس آئیں اور عرض کریں کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے دعا کر دیجئے، اور بارش بھیجائیے، ہم آپ سے فریاد کرتے ہیں کبھی کسی صحابی نے اس طرح نہیں کیا، یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ زائر یوں کہے کہ اے اللہ فلاں شخص کے طفیل جس کا تیرے یہاں

بڑا مرتبہ ہے یا فلاں کی برکت سے یا بحر مت فلاں و فلاں مجھے فلاں چیز عطا فرما میرے ساتھ ایسا معاملہ فرما تو یہ بہت سے لوگوں کا معمول ہے لیکن ایسا کرنا کسی صحابی یا تابعی یا سلف میں سے کسی سے منقول نہیں ہے کہ وہ اس طرح دعا کرتے ہوں بعض علماء اور اکابر نے اس کی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجازت دی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تھا، ہمیشہ کے لئے نہیں!

زندہ ہستی سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو اسبابِ نبی و ی سے ماورا ہو جائز نہیں

امام ابن تیمیہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ یا پیغمبر اور صاحبِ مزار سے سوال و طلب اور دعا کرنا جائز نہیں بلکہ کسی زندہ انسان سے بھی کسی ایسی چیز کا مطالبہ جو اسبابِ نبی و ی سے ماورا اور قدرتِ کئی خَلْق سے متعلق ہو یا ان امور سے تعلق رکھتی ہو جو صرف خدا کی قدرت اور ارادہ سے ہو سکتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے ان کے نزدیک ناجائز اور شرک ہے اپنے رسالہ "زیارة القبور" میں فرماتے ہیں:-

"بندہ کا مطلوب اگر ان امور اور معاملات سے تعلق رکھتا ہے جن پر صرف خدا کو قدرت حاصل ہے اس کا غیر اللہ سے طلب کرنا خواہ وہ بادشاہ ہو، خواہ نبی، خواہ پیر یا بزرگ، خواہ زندہ ہو یا مردہ جائز نہیں، مثلاً اپنی یا جانوروں کی بیماری سے صحت طلب کرے یا بغیر کسی معین جہت کے اپنے قرض کی ادائیگی چاہے، گھر والوں کی عافیت اور دنیا و آخرت کی بلاؤں کا دفع ہونا یا دشمن پر

لے رسالہ زیارة القبور مشمولہ مجموع رسائل ۱۱۲-۱۱۱ باختصار۔

توسل کے بارے میں امام ابن تیمیہ کا مسلک مشہور و معلوم ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کی مستقل تصنیف "قاعدہ

جلیلہ فی التوسل والوسیلہ" لیکن اکثر ائمہ و علماء اس بارے میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔

فتح قلب کی ہدایت، گناہوں کی مغفرت جنت میں دخول جہنم سے چھٹکارا، علم کا حاصل ہو جانا قرآن کا پڑھ جانا، قلب کی درستی، اخلاق کی آراستگی، نفس کا تزکیہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور ہیں جو صرف خدا سے طلب کئے جاسکتے ہیں، یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی بادشاہ یا پیغمبر یا پیر سے یہ کہے خواہ وہ مردہ ہو یا زندہ کہ میرے گناہ بخش دیجئے، مجھے میرے دشمن پر فتح دیجئے، میرے مریض کو شفا دیجئے، مجھے عافیت عطا کیجئے، یا میرے گھر والوں اور میرے جانوروں کو سلامتی عطا ہو، اور اسی طرح کی دعائیں اور فرمائشیں اگر کوئی شخص کسی مخلوق سے ان باتوں کا سوال کرے، خواہ وہ کوئی ہو تو وہ مشرک ہے اور انہی مشرکین کی جنس میں سے ہے جو ملائکہ اور انبیاء کی عبادت کرتے تھے، اور ان کے بتوں اور صورتوں کی پرستش کرتے تھے، جو ان کی شکل پر انھوں نے بنا رکھی تھیں اور جیسے نصاریٰ حضرت مسیح اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم سے دعا کرتے تھے!

واسطہ کی حقیقت

اس سلسلہ میں ایک بحث واسطہ کی پیدا کی جاتی ہے اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ولی بزرگ اور مرد صالح سے دعا کرنے یا سفارش کرانے کے مخالف ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ واسطہ کے منکر ہیں، حالانکہ نبی خلق اور خالق کے درمیان واسطہ ہے اور اس کے بغیر خدا تک پہنچنا امر محال ہے، امام ابن تیمیہ نے واضح طریقہ پر اس کا جواب دیا ہے اور بتلایا ہے کہ واسطہ کے دو مفہوم ہیں، ایک مفہوم برحق اور متفق علیہ ہے اور اس پر سارے دین کی بنیاد ہے، ایک مفہوم باطل ہے بنیاد اور اختراعی ہے، انھوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "الواسطہ بین الخلق والحق" کے نام سے لکھا ہے اس میں ارشاد فرماتے ہیں:-

رسول کے واسطے ہونے کا اگر مفہوم یہ ہے کہ مخلوق کے لئے ایک ایسا واسطہ ضروری ہے جو اللہ کا حکم اور اس کا مشاء خلق خدا کو بتلاتا ہے تو یہ سراسر حق ہے اس لئے کہ خلق خدا کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضیات احکام منہیات کے معلوم کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں اپنے دوستوں و مقبول بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں اور اپنے دشمنوں کے لئے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ ان کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا، کون سے اسماء و صفات اللہ تعالیٰ کی ذات بے چوں و بے چگوں کے شایان شان اور مناسب ہیں اور کون سے نامناسب عقل تنہا اس کی معرفت سے عاجز و درماندہ ہے یہ سب حقائق اور علوم صحیحہ محض انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و تعلیم کے لئے بھیجا ہے، یہ ایک ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس پر نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اہل ملل یہود و نصاریٰ تک کا اتفاق ہے، وہ سب خلق و خالق کے درمیان اس طرح کے وسائط کے قائل ہیں، یہ وسائط خدا کے وہ پیغمبر ہیں جنہوں نے اللہ کی طرف سے احکام و اطلاعات پہنچائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِمَّنْ يَجْعَلُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (سورہ حج - ۷۵) کے لئے چن لیتا ہے۔

جوان واسطوں کا منکر ہے، وہ باتفاق تمام اہل ملل و ادیان کا فر ہے۔

اور اگر واسطہ کا مفہوم یہ ہے کہ حصول منافع و دفع مضرات کے لئے ایک ایسے واسطہ کی ضرورت ہے مثلاً ایک ایسی شخصیت ضروری ہے جو رزق، نصرت اور بھولے بھٹکے کو راستہ بتلانے میں خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ ہو، لوگ اس سے ان سب چیزوں کا سوال کریں اور وہ خدا سے لے کر کے دے اور لوگ اسی سے امید باندھیں تو یہ پرلے درجہ کا شرک ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی

تکفیر فرمائی ہے، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے اولیاء و شفعا کو اختیار کر رکھا تھا، جن کے ذریعہ سے وہ منافع حاصل کرتے تھے اور مضرات سے بچتے تھے۔

عوام و جہلاء اور بہت سے خواص کا عوام نے یہاں تک غلو کیا تھا کہ صرف حضرات انبیاء اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں، بلکہ عام اولیاء و صاحبین کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنا رکھا تھا، اور دعا و استعانت توکل و رجاء سب کا تعلق انہی سے قائم کر رکھا تھا، امام ابن تیمیہ ان کے بارے میں یہی تفریق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:-

”انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علم دین کے جو ائمہ اور پیشوا ہیں ان کے بارے میں بھی تفصیل ہے کہ جو شخص ان کو رسول اور امت کے درمیان واسطہ مانتا ہے، وہ رسول کے احکام و مسائل کے مبلغ اور علم اور امت کے مربی و مقتدی ہیں اور نمونہ عمل تو یہ بات بجا اور درست ہے یہ ائمہ و علماء اگر کسی مسئلہ پر اجماع کر لیں تو ان کا اجماع حجت قطعی ہے، اس لئے کہ یہ سب گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتے اور اگر کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف ہو تو اس کو وہ اس میں اللہ و رسول کی طرف رجوع کریں گے، اس لئے کہ ان میں سے کوئی شخص انفرادی حیثیت سے علی الاطلاق معصوم نہیں ہے ان میں سے ہر ایک کے کلام میں تحقیق کا کچھ حصہ لیا جا سکتا ہے، اور کچھ ترک کیا جا سکتا ہے، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے، جو بالکل معصوم ہے اور جن کا کوئی حکم و ارشاد قابل ترک نہیں۔

اور اگر کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ بزرگان دین اور ائمہ و علماء اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان اسی طرح سے واسطہ ہیں، جیسے بادشاہ اور رعیت کے درمیان حاجب و دربان ہوتے ہیں کہ یہی خدا تک اس کی مخلوق کی ضرورتیں پہنچاتے ہیں اور اللہ ان ہی کے توسط سے اپنے بندوں کو ہدایت اور رزق عطا فرماتا ہے، مخلوق ان سے سوال کرتی ہے اور وہ خدا سے سوال کرتے ہیں جیسے

بادشاہوں کے حاجب دربان رعیت کی ضرورتیں ان سے طلب کرتے ہیں، لوگ براہ راست بادشاہ سے سوال نہیں کرتے، اس کو بے ادبی سمجھتے ہیں، وہ ان حاجبوں سے سوال کرتے ہیں اس لئے کہ ان سے طلب کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، کیونکہ وہ بادشاہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اور طالب تناقریب نہیں ہوتا، اور جو شخص اس نوعیت کے وسائط کا قائل ہے، اور اس معنی میں بزرگان دین اور علماء و صلیٰ کو واسطہ مانتا ہے، وہ کافر و مشرک ہے، اس سے توبہ کرانی واجب ہے، اگر توبہ کر لے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے، یہ درحقیقت تشبیہ میں گرفتار ہیں، کیونکہ انھوں نے مخلوق کو خالق کا مشابہ سمجھ رکھا ہے اور اللہ کے ہمسرا و نظیر ٹھہرا رکھے ہیں!

مشاہد بدعتِ قبیحہ ہیں

امام ابن تیمیہ ان مشاہد اور زیارت گاہوں کے سخت مخالف ہیں، جو پورے عالم اسلام میں شرک و بدعت، فسق و فجور اور انواع و اقسام کے منکرات کا مرکز بن گئی تھیں، اور جنھوں نے عالم اسلام میں ایک فتنہ عظیم کی شکل اختیار کر لی تھی، اور کہتے ہیں کہ یہ شریعت کی صریح مخالفت اور پچھلے زمانہ کی ایک مکروہ بدعت ہے، "الدرد علی البکری" میں فرماتے ہیں:-

"یہ مسجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں، جن کو مشاہد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ ایک بدعت ہے، جو لوگوں نے اسلام میں پیدا کی ہے، ان کی طرف سفر کر کے جانا بھی ایک رواج ہے جس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں، اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں جن کی خیر و فضیلت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے، ان کا وجود نہ تھا، بلکہ صحیح احادیث میں آپ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس سے ڈرایا، اور منع فرمایا، بخاری کی حدیث ہے کہ لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیاءہم مساجداً (اللہ

یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کو مساجد بنالیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا تو قبر مبارک کو کھلے میدان میں کر دیا جاتا، لیکن آپ کو یہ ناپسند تھا کہ اس کو مسجد بنالیا جائے، اسی طرح سے یہ بھی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے وفات سے پانچ روز پہلے فرمایا:-
 من کان من قبلكم قالوا اتخذوا القبور
 مساجداً الا فلا اتخذوا القبور مساجداً
 جو لوگ تم سے پیشتر تھے، وہ قبور کو مساجد بنالیا کرتے تھے، دیکھو یا درکھنا قبروں کو مسجد بنانا، میں تم کو
 قالوا انھا کم من ذلک! اس سے روکتا ہوں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:-

"جب مسلمانوں نے "تستر" فتح کیا تو وہاں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر ان کو ملی اہل شہر وہاں بارش کی دعا کرتے تھے، اور پانی مانگتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی، آپ نے لکھا کہ دن کو تیرہ قبریں کھودو، اور رات میں ان کو ان میں سے کسی ایک میں دفن کر دو تا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، اور ان سے بارش کا سوال نہ کریں حقیقتہً یہی صحابہ کرام کا طریق تھا، اسی لئے صحابہ و تابعین کے زمانہ میں سرزمین اسلام میں ایک مسجد بھی ایسی نہیں پائی جاتی تھی، جو کسی قبر پر تعمیر کی گئی ہو، اور نہ کہیں کوئی مشہد تھا جس کی زیارت کی جائے، نہ حجاز میں، نہ یمن میں، نہ شام میں، نہ مصر، عراق، خراسان میں!

ایک دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"قبر کی طرف حج کر کے جانے والوں اور ان کو عبادت گاہ اور مساجد اور میلہ کی جگہ بنانے والوں کا صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں سراغ نہیں لگتا، اسلام میں نہ کوئی ایسی قبر اور مشہد تھا جس کی طرف حج کر کے جایا جائے، یہ تین صدیوں کے بعد کی پیداوار ہے، بدعت کی

خاصیت ہی یہ ہے کہ اس میں جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوتی ہے اسی قدر دیر میں اس کا ظہور ہوتا ہے، شروع میں وہ بدعات ظاہر ہوتی ہیں جن کی مخالفت اتنی واضح اور جلی نہیں ہوتی۔

مشاہد کے موجد باطنی و روافض ہیں

ان کی تحقیق ہے کہ ان مشاہد و مزارات کی بدعت اور دعوت روافض اور باطنیہ نے شروع کی اور ان کے بارے میں حادث و صحت کیں اس لئے کہ ان کو حقیقی دجسپی اپنے ائمہ کے مزارات و مشاہد سے ہے فرماتے ہیں:-

”سب سے پہلے جنہوں نے ان مشاہد کی زیارت کے لئے سفر کرنے کی فضیلت میں حدیثیں وضع کیں وہ روافض وغیرہ دوسرے اہل بدعت تھے جن کا دستور یہ ہے کہ مساجد کو ویران کرتے ہیں اور مشاہد کو جن میں شرک، کذب اور ایک نئے دین کی اختراع ہوتی ہے پر رونق اور آباد رکھتے ہیں اور توفیر و تعظیم کرتے ہیں کتاب و سنت میں مشاہد کے بجائے مساجد کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ
عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ
الدِّينَ (سورہ اعراف- ۲۹)

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ
أَحَدًا (سورہ جن- ۱۸)

إِنَّمَا يَعْبُدُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورہ توبہ- ۱۸) کے دن پر ایمان لایا۔

وَلَا تَبَاشُرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ طَائِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ
(سورہ بقرہ- ۱۸۷) متعلق ہو۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ
فِيهَا اسْمُهُ (سورہ بقرہ- ۱۱۴) مسجدوں میں اس کا نام لینے کی مانعت کر دی۔

نیز صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے ان من كان قبلكم قالوا اتخذوا القبور
مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فاني انفاكم عن ذلك (تم سے پہلے جو لوگ تھے یہود
و نصاریٰ وہ قبروں کو مساجد بنا لیا کرتے تھے، دیکھو یا درکھنا قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس سے
منع کرتا ہوں)

اکثر مشاہد و مزارات جعلی ہیں

امام ابن تیمیہ کی تحقیق ہے کہ ان مشاہد اور شہور زیارت گاہوں میں سے اکثر جعلی اور فرضی ہیں، وہ اس سلسلہ میں کیسی اچھی بات لکھتے ہیں کہ چونکہ مشاہد و مزارات کے جاننے اور پہچاننے پر شریعت کا کوئی دار و مدار نہیں ہے اور یہ اس دین میں داخل نہیں ہے جس کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ ضمانت کی ہے اس لئے اس میں کثرت سے جعل اور فریب ہوا ہے اور بہت سے مزارات اور مشاہد محض بے حقیقت اور بے اصل ہیں اور مخلوق کی مخلوق ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:-

وَكثِيرٌ مِنَ الْمَشَاهِدِ كَذِبٌ وَكَثِيرٌ مِنْهَا

مشاہد میں سے بہت سے محض جعلی ہیں اور بہت سے مشکوک ہیں اس سلسلہ میں لوگ کیوں اس قدر غلط فہم ہو

لشاهد لیست من الدین الذی تکفل
 کا شکار ہوئے اس کا راز یہ ہے کہ شاہد کی شناخت
 اللہ بحفظہ لعدہم حاجتہم لى معرفة
 اور معرفت اس دین کا کوئی حصہ نہیں جس کے محفوظ
 رہنے کی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے کیونکہ امت
 کو ان معلومات اور تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے
 اور اس پر دین کا کوئی کام موقوف نہیں ہے۔

مشاہد مزارات پر حصول مقصد کے افسانے

اس سلسلہ میں ایک بڑا فتنہ پھیل رہا تھا کہ ان مشاہد اور زیارت گاہوں میں بڑے بڑے مریضوں کو شفا ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں، لوگ اس سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربے اور شاہدے بیان کرتے تھے، امام ابن تیمیہ کو اللہ تعالیٰ نے رسوخ فی الدین اور ایمان و یقین کا جو مقام عطا فرمایا تھا، اس کی بنا پر وہ ان افواہوں اور دعویوں سے متاثر ہونے والے نہیں تھے، اور قطعیات دین اور منصوصات سنت کو ان روایات و بیانات کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے تھے، انھوں نے اپنی خدا داد فراست اور دینی فہم سے کام لیا اور ثابت کیا کہ یہ سب تو بہت اور بے اصل باتیں ہیں، اس سلسلہ میں زیادہ تر جانوروں کے شفا یاب ہونے کے واقعات بیان کئے جاتے تھے، امام ابن تیمیہ نے اس کی جو وجہ بیان کی ہے، وہ بہت عجیب و غریب، اور بصیرت افروز ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

لے الرد علی البکری ص ۱۱۱ مزارات و مشاہد کے بکثرت جعلی ہونے کے متعلق امام ابن تیمیہ نے جو کچھ لکھا ہے، تاریخ و تحقیق سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، مثال کے طور پر قاہرہ میں سیدنا حسینؑ کے سر مبارک کا مرقع، مرقع سیدہ زینب، مرقع سیدہ سکینہ، نجف میں حضرت علیؑ کا مرقع، دمشق میں ازواج مطہرات کے مرقع اور ہندوستان کے بعض بعض مشہور مزارات مثلاً لاہور میں حضرت سید علی ہجویری معروف بہ داماد گنج بخش کا مزار تاریخی اعتبار سے مشکوک ہے۔

”قاہرہ میں ایک گروہ عبیدیہ (مشہور بغا طہیین) کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ وہ اولیائے صاحبین میں سے تھے، میں نے جب ان سے کہا کہ وہ تو منافق و زندیق تھے، اور ان میں سب سے کم اور ہلکے درجے کے وہ تھے جو رافضی تھے، تو ان کو بڑا تعجب ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ ہم تو ایسے گھوڑوں کو جن کے پیٹ میں درد ہوتا ہے، ان کے مشاہد و مزارات پر لے جاتے ہیں، اور وہ وہاں اچھے ہو جاتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ یہ تو ان کے کفر کی سب سے بڑی دلیل ہے، میں نے بعض سائیسوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم شام اور صبح جب گھوڑوں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو ان کو کہاں لے جاتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم شام میں ان قبروں کے پاس لے جاتے ہیں جو اسماعیلیوں کے علاقہ میں ہیں، جیسے ”علیقہ اور منقیہ“ وغیرہ اور مصر میں ہم عیسائیوں کی ایک خانقاہ میں لے جاتے ہیں اور عبیدیوں کی قبر پر، میں نے کہا کیا تم ان کو صلی علیہ وسلم کی قبروں کے پاس بھی لے جاتے ہو؟ مثلاً حضرت لیث بن سعد، امام شافعی، ابن القام وغیرہ؟ انھوں نے کہا نہیں! میں نے ان عقیدہ مندوں سے کہا کہ لو سنو، یہ ان گھوڑوں کو کفار و منافقین کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں، اور ان کو شفا ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر قبر میں غذا ہو رہا ہے، اور جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ چوپائے اور بہائم مردوں کی آوازیں سنتے ہیں تو جب یہ گھوڑے اس قسم کی آوازیں سنتے ہیں گھبرا جاتے ہیں، اور اسی گھبراہٹ اور ہیبت سے ان کے پیٹ پانی ہو جاتے ہیں، اور وہ پاخانہ کھینچتے ہیں، اس لئے کہ ہیبت و دہشت سے اکثر اسہال ہو جاتا ہے، ان کو اس پر بڑا تعجب ہوا، میں اکثر لوگوں سے یہی سبب بیان کرتا تھا، اور مجھے علم نہیں تھا کہ کسی اور نے بھی یہ بات لکھی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ بعض علماء نے یہی سبب بیان کیا ہے۔“

مشرکین کے لئے شیطا طین کا تمثیل

خود صاحبین اور اولیاء کی قبروں پر حصول مقصود اور کامیابی کے جو واقعات بیان کئے جاتے

ہیں، نیز صاحب مزار کی زیارت، گفتگو وغیرہ کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں، امام ابن تیمیہ اس کی دوسری وجہ بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

”بعض لوگوں نے اپنے شیخ کی دہائی دی، اور ان کو ان کی صورت نظر آئی، اور بعض اوقات انھوں نے ان کا کوئی کام بھی کر دیا، اس سے ان کو یہ عقیدہ ہوا کہ شیخ خود آئے یا یہ کوئی فرشتہ تھا، جو ان کی صورت میں ظاہر ہوا، اور یہ ان کی کرامت ہے، اس سے اس کا مشرک نہ عقیدہ اور راسخ اور غلو اور ترقی کر جاتا ہے، اس کو معلوم نہیں کہ اس طرح کی باتیں اور معاملات شیاطین بت پوجنے والوں کے ساتھ بھی کرتے رہتے ہیں، وہ ان بت پرستوں کے سامنے اکثر ظاہر ہوتے ہیں، اور بعض غیبی باتیں ان کو بتلاتے ہیں، اور ان کے بعض مطلب بھی پورے کر دیتے ہیں، لیکن یہ سب امور دور اخیر کی پیداوار ہیں، جن کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ تھا۔“

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”شیاطین اکثر اس شخص کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، جن کی دہائی دی جائے، مجھ سے بہتے شیوخ طریقت کے متعلقین نے یہ واقعات بیان کئے اور ایک جماعت کثرت نے مجھ سے نقل کیا کہ انھوں نے بعض زندہ انسانوں اور بعض مردوں سے فریاد کی تو انھوں نے اسی طرح کے واقعات دیکھے، یہ بات پورے طور پر عیاں ہو گئی کہ شیاطین انسانوں کو اپنے مقدور بھر گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ شخص دین اسلام سے نا آشنا ہوتا ہے تو اس کو کھلے شرک اور خالص کفر میں مبتلا کر دیتے ہیں، اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر نہ کرے، شیطان کا سجدہ کرے، اس کے لئے قربانی پیش کرے، اور اس کو مردار کھانے اور خون پینے کا حکم دیتے ہیں اور کھلی بے حیائیوں کے ارتکاب پر آمادہ کرتے ہیں، یہ ان شہروں میں بکثرت ہوتا ہے، جہاں یا تو محض کفر پایا جاتا ہے، یا کمزور اسلام، نیز ان اسلامی شہروں میں جہاں کے لوگوں کا ایمان ضعیف ہوتا ہے، چنانچہ مصر و شام میں بھی ایسا ہوا،

اور تاتاریوں کے قبول اسلام سے پہلے تو ان میں بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے، جس قدر اسلام کی ان میں اشاعت ہوتی گئی، اس کی حقیقت سے وہ آشنا ہونے لگے، اسی قدر شیاطین کے اثرات کمزور پڑنے لگے۔“

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ صرف صاحبین کے ساتھ ہی یہ معاملہ پیش نہیں آتا، بلکہ تارہ پرستوں کو ایسی باتوں سے سلب پڑتا ہے، اور ان کو اس طرح کے احساسات و فتوحات حاصل ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:-

”جو لوگ کو اکب سے دعا کرتے ہیں، ان پر ایسی صورتیں نازل ہوتی ہیں، جن کو کو اکب کی روحیت کہتے ہیں، حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے، جو اس کے شرک کی بنا پر اس کو گمراہ کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے، جیسے کہ بعض اوقات شیاطین بتوں اور مورتیوں کے اندر گھس جاتے ہیں، اور بعض اوقات لوگوں سے باتیں کرتے ہیں، اور بعض اوقات مجاوروں اور پوجا پاٹ کرنے والوں کو دکھائی دیتے ہیں، اور دوسروں کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔“

امام ابن تیمیہ کا اصلاحی کارنامہ اور اس کے اثرات

ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری (جس کی مردم خیزی و مردم آفرینی کا تذکرہ کتاب کے شروع میں گزر چکا ہے) اگرچہ اکابر علماء و شیوخ سے معمور تھی، اور تصنیف و تالیف و عطا و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کا کام پوری قوت سے جاری تھا، اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں کہ علماء نے راسخین اور کتاب سنت کے حاملین نے اس شرک صریح اور جاہلیت و ثنیہ کو کسی طرح گوارا نہیں کیا ہوگا، اور زبان و قلم سے ضرور اس کی مخالفت کی ہوگی، لیکن ایسے علماء کے کبار جنھوں نے اس صورت حال کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور اپنے گرانقدر علمی مشاغل و مباحث کے باوجود اس فتنہ کبریٰ کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے اور

عوام کو خطاب کیا اور اس شرک صریح کی تردید و مخالفت کو اپنا موضوع اور مقصد زندگی بنایا یا تو نہیں تھے، یا تاریخ کے منظر عام پر نہیں ہیں یا ان کی بہت ممتاز اور بلند شخصیت نہیں تھی اور انھوں نے اس موضوع پر کوئی ایسا وقیع علمی ذخیرہ یادگار نہیں چھوڑا، جو ان کی شخصیت اور اصلاحی کارنامہ کی یاد تازہ کرتا ہے، درحقیقت اس فتنہ عالم آشوب کے مقابلہ اور عقیدہ توحید کی توضیح و تشریح اور احیاء و تجدید کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی جیسی طاقتور اور بلند شخصیت کی میزان شرکانہ عقائد و رسوم کے تفصیلی جائزہ اور احتساب اور مدلل و پرزور تردید کی ضرورت تھی، جو سلم معاشرہ پر حاوی ہوتے جا رہے تھے، توحید کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ تاویل اور عوام کی رعایت کے ساتھ نہیں چل سکتی اس کے لئے تو انبیاء علیہم السلام کی واشگاف تقریر اور فیصلہ کن اور غیر مبہم طرز خطاب کی ضرورت ہے، جو بالکل "فرقان" کی شان رکھتا ہو، امام ابن تیمیہ نے اپنے زمانہ میں نیابت انبیاء کا فرض انجام دیا، اور "فَاَصْدَعَ بِمَا لَوْ مَرُّوا عَنْهُ مِنَ الْمَشْرُوكِ" پر عمل کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان عقائد و رسوم میں جو جہالت غیر مسلموں کے اختلاف و صحبت اور فرق ضالہ اور اہل غرض کے اثر سے پیدا ہو گئی تھی، ایک عام ترزل پیدا ہو گیا، اسلام کا عقیدہ توحیدہ جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد اور ان کی دعوت کا لفظ مرکزی ہے، ایک بار پھر نکھر کر اور منفتح ہو کر سامنے آ گیا، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنِ بَيْتِنَا وَيُصَيِّبَ مَنْ حَتَّى عَنِ بَيْتِنَا" امام ابن تیمیہ کے اصلاحی کارناموں میں سے اگر صرف یہی ایک کارنامہ ہوتا تو ان کے مقام تجدید اور دعوت و عزیمت کے ثبوت کے لئے کافی تھا۔

ان کی کتابوں کے اثر سے ان کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ایسے ارباب دعوت و عزیمت پیدا ہوتے رہے جنھوں نے اپنے اپنے زمانہ کے شرکانہ عقائد و رسوم اور جاہلیت و ثنیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اَللّٰهُمَّ الدِّينَ الْعَالِيَّ کا آواز اس بلند آہنگی سے بلند کیا کہ عالم اسلام کے دشت و جبل اس سے گونج اٹھے۔

فلسفہ و منطق و علم کلام کی تنقید

اور

کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی ترجیح

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانہ میں فلسفہ و منطق و علم کلام کی مفصل تنقید کا فرض انجام دیا، اور ان کے مقابلہ میں مدلل طریقہ پر کتاب و سنت کے طرز و اسلوب کی برتری ثابت کی، ان کے اس کارنامہ کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ فلسفہ و منطق کو اس وقت عالم اسلام میں کیا مقام اور ذہن و افکار پر کیا تسلط حاصل تھا، اور انھوں نے کس ماحول میں یہ کارنامہ انجام دیا۔

فلسفہ یونان کا عالم اسلام پر اثر و اقتدار

یونانی فلسفہ و منطق کی کتابوں کے ترجمہ کا کام خلیفہ منصور کے زمانہ (تقریباً ۳۳۶ھ) سے شروع ہو گیا تھا، معتزلہ نے ان کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کیا تھا، ان کی کتابوں میں فلسفہ یونان کی اصطلاحات کا استعمال اسی زمانہ سے شروع ہو گیا تھا، لیکن علوم یونان کا اصل فروغ امامون کے زمانہ سے شروع ہوا، امامون نے ترجمہ کی تحریک کی شاہانہ سرپرستی کی، وہ بذات خود یونانی علوم کا بڑا قردان

اور حریص تھا، صاعدانسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے کہ اس نے شاہان روم سے حکماء یونان کی کتابوں کی فرمائش کی، انھوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور پطیموس وغیرہ کی تصنیفات تحفہ بھیجیں اور مامون نے بڑے اہتمام سے ان کا ترجمہ کرایا، اور لوگوں کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دی، اس کے زمانہ میں ان کتابوں کا عام چلن ہو گیا، اور فلسفہ نے عروج حاصل کیا، اس کی قدر دانی کی وجہ سے ذہین و ذکی نوجوانوں اور اہل علم نے ان مضامین پر عبور پیدا کیا، اور اپنی اپنی جنس کمال مامون کے ہنر پروردگار میں لے کر آئے اور انعام و اکرام و مراتب و مناصب سے سرفراز ہوئے، اس طرح سلطنت عباسیہ ان علوم میں رومۃ الکبریٰ کی ہمسروہم چشم نظر آنے لگی ہے۔

ترجمہ کا یہ کام مامون کے بعد تک جاری رہا، اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک یونان کے علمی ذخیرہ کا بڑا حصہ عربی میں منتقل ہو چکا تھا۔

اس علمی ذخیرہ میں اگرچہ افلاطون اور دوسرے حکماء یونان کی تصنیفات و تحقیقات بھی تھیں، لیکن شاید ترجمین (جو زیادہ تر نسٹوری اور یعقوبی، عیسائی اور جندسیا بورا و حران کے علماء فلسفہ تھے) کے ذاتی رجحان کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ ارسطو کا زمانہ قریب تر ہے، اور اس کی تصنیفات میں فلاسفہ متقدمین کے مباحث زیادہ مدون و مرتب ہیں، ارسطو کی کتابوں نے عالم اسلامی کے علمی و درسی حلقوں میں زیادہ قبولیت و رواج حاصل کیا، اور بالآخر وہی فلسفہ یونان کا نمائندہ اور وکیل اور عالم اسلام میں فلسفہ کا رمز اور نشان بن کر رہ گیا، عالم اسلام کی بدقسمتی تھی کہ حکماء یونان میں سے اس کے حصہ میں وہ فلسفی عالم آیا، جو بہت سے اسباب و وجوہ کی بنا پر (جن میں سے بعض کی تفصیل امام ابن تیمیہ کے بیانات و انتقادات میں آئے گی) ادیان سماوی کی روح اور دینی مفاہیم و تصورات و حقائق سے زیادہ بعید و نا آشنا اور مادی فکر و نظر کا پر جوش حامی و داعی ہے۔

لے طبقات الامم ص ۴۴ لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فہرست ابن ندیم، طبقات الاطباء (ابن ابی عمیر) اخبار حکماء، غفر

فلسفہ کا دور تقلید

ابتداء میں عالم اسلام کے علماء فلسفہ نے ارسطو کے فلسفہ و منطق کو آنکھ بند کر کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور اس کو تنقید و تحقیق سے بالاتر اور مستغنی نہیں سمجھا، بہت سے علماء نے اس کی تردید میں کتابیں لکھیں، اور اس کے فلسفیانہ و منطقی مباحث پر آزادانہ و ناقدانہ نظر ڈالی، اور جو چیز ان کو مخدوش اور کمزور نظر آئی، بر ملا اس کا اظہار کیا، اس سلسلہ میں ابتداء میں معتزلہ پیش پیش تھے، ان میں سے نظام اور ابو علی جبائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تیسری صدی میں حسن بن موسیٰ نو بختی نے کتاب الاراء والدیانات لکھی، اور اس میں ارسطو کی منطق کے بعض اہم مسائل کا رد کیا، چوتھی صدی میں امام ابو بکر باقلانی نے ذائق کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں فلسفہ کا رد لکھا، اور یونانیوں کی منطق پر اہل عرب کی منطق کی ترجیح ثابت کی، پانچویں صدی میں علامہ عبد الکریم شہرستانی (صاحب الملل والنحل) نے بر قلس اور ارسطو کے رد میں ایک کتاب لکھی اور قواعد منطق کے موافق ان پر دلائل کا نقص کیا، اسی صدی کے آخر میں امام غزالی فلسفہ کے مد مقابل ہوئے، اور انھوں نے تہافت الفلاسفہ کے نام سے وہ کتاب لکھی جس سے سو برس تک فلسفہ کے ابوان میں تزلزل رہا، چھٹی صدی میں ابوالبرکات بغدادی نے اس سلسلہ کو بڑی ترقی دی، اور المعتبہ کے نام سے ایک معرکہ الاراء کتاب لکھی جس میں کثر مسائل میں ارسطو کے خیالات کو غلط ثابت کیا، اس صدی میں امام رازی نے متکلمین اسلام اور اشاعرہ کا وکیل بن کر فلسفہ کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ لیکن عالم اسلام کا وہ علمی حلقہ جو فلسفہ یونان کا اصل علم بردار اور ترجمان سمجھا جاتا تھا، ارسطو کی شخصیت و عظمت سے مسحور تھا، اور ایک طرح اس کو تنقید و تحقیق سے بالاتر سمجھتا تھا، زمانہ کے ساتھ ساتھ علماء فلسفہ کی ارسطو کی ذات کے ساتھ یہ گرویدگی اور شغف کی بھی بڑھتی جا رہی تھی، اور فلسفہ کے حلقوں

لے تفصیل تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول میں ملاحظہ ہو۔

میں ارسطو رفتہ رفتہ تقدس و عظمت کے مقام پر فائز ہوتا جا رہا تھا، ہر بعد کا فلسفی اپنے پیشرو سے اس عظمت و تقدس میں فائق اور مقدم نظر آتا ہے، ابونصر فارابی (م ۳۳۹ھ) افلاطون و ارسطو کی نسبت لکھتا ہے:-

وكان هذا الحكيمان هما مبدعان
للغلة ومنتان لادائلها واصولها
ومتعمان لادخلها وفروعها، وعليهما
المعول في قليلها وكثيرها۔
یہ دونوں حکیم فلسفہ کے موجد اور اس کے مبادی
و اصول کے بانی و مرتب ہیں، اور فلسفہ کے
مسائل و مباحث میں تمام تر انہی دونوں پر
بنیاد ہے۔

بوعلی سینا (م ۴۲۸ھ) فارابی سے بھی زیادہ ارسطو کی عظمت کا قائل اور کلمہ گو ہے، وہ منطق الشفاء میں لکھتا ہے کہ ارسطو کو اتنا زمانہ ہوا لیکن آج تک اس کے ان مسائل و تحقیقات پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔
بوعلی سینا کے بعد فلسفہ کے حلقہ نے ابن رشد (م ۵۲۰ھ) سے بڑا عالم اور وکیل پیدا نہیں کیا، ارسطو کی عظمت و تقدس میں اس کا قدم بوعلی سینا سے کبھی آگے ہے، اور اگر اس موقع پر تصوف کی اصطلاح (داخل در عقولات نہ ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کو ارسطو کی ذات میں فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہے، اس کا ایک سوانح نگار اس کی اس خصوصیت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے:-

اما تجید ابن رشد لارسطو
فلاحده فيكاديوته، وقد
وضع له اوصافا تجعله فوق
درجات الكمال الانساني عقلاً وفضلاً
ولو كان ابن رشد يقول
بتعدد الالهة لجعل ارسطو
ارسطو کی عظمت و تقدس کے سلسلہ میں ابن رشد
اتنا آگے ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، یہاں تک کہ
وہ اس کو خدا بنانے کی حد تک پہنچ گیا اور عقل
و فضل کے اندر انسانی کمال کے درجات سے بھی
بہت اونچے اس کے اوصاف بیان کئے اور اگر
ابن رشد تعدد الہ کے قائل ہوتا تو وہ ارسطو کو

لے الجمع بین رای الحکیمین ۲۷ مضمون فلسفہ یونان اور اسلام از مولانا شبلی نعمانی، الندوہ جلد ۱، بحوالہ منطق الشفاء۔

رب الارباب۔
رب الارباب بنا دیتا۔

ساتویں صدی میں فلسفہ کے حلقہ میں نصیر الدین طوسی (م ۳۸۶ھ) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے جن کو فلسفہ کے مدرسی حلقہ نے محقق طوسی کے لقب سے یاد کیا ہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ تاتاریوں کے حملے اور بغداد کے سقوط نے عالم اسلام کو بے حواس بنا رکھا تھا، اور ایک عام علمی زوال پورے عالم اسلام پر سایہ فگن تھا، اس وقت نصیر الدین طوسی ہی (جو بلا کو خاں کے مقرب محترم تھے) یونانی علم و فلسفہ کے علم بردار تھے، انہی کے شاگردوں نے (جن میں قطب الدین شیرازی اور ان کے ہم نام قطب الدین رازی خاص طور پر نامور ہیں) درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام سنبھالا اور انہی سے ایران کے اس طرز تعلیم کی بنیاد پڑی، جس میں فلسفہ و منطق کو مرکزی مقام حاصل تھا، نصیر الدین طوسی اس مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، جو ارسطو کو عقل کل کا درجہ دیتا تھا، اور اس کی تحقیقات کو حرف آخر سمجھتا تھا، انھوں نے امام رازی کے مقابلہ میں ارسطو کے فلسفہ کی زور شور سے حمایت و مدافعت کی تھی، اور ارسطو کے فلسفہ میں نئی جان ڈال دی تھی۔

فلسفہ و منطق کا علمی محاسبہ اور ابن تیمیہ کا کارنامہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نصیر الدین طوسی کی وفات سے دس برس پہلے پیدا ہوئے، ان کی علمی زندگی کا آغاز ہوا تو نصیر الدین طوسی اور ان کے تلامذہ کے اثر سے یونانی فلسفہ و منطق یعنی ارسطو کے فلسفہ و منطق کا طوطی بول رہا تھا، اس کے مسائل و مباحث کے سمجھ لینے ہی کو منتہائے ذکاوت اور معیار فضیلت سمجھا جاتا تھا کسی کو اس کے مقابلہ میں یا اس کی مخالفت میں لب کشائی کی جرأت نہ تھی، محدثین فقہاء اس میدان کے حریف نہیں تھے، وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیں، مگر اس سے

لے تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب (طغی ج ۱) ص ۱۵۵ علامہ سید شریفین جن سے زمانہ مابعد میں تعلیم و علم کا سلسلہ بچھا

قطب الدین رازی کے شاگرد تھے، انہی کا سلسلہ ہندوستان پہنچا، جس کی ترقی یافتہ یا گری ہوئی شکل یہاں کا درس نظامی ہے۔

یہ سیلاب رک نہیں سکتا تھا، عالم اسلام کے علم و فکر پر اس کا رعب چھایا ہوا تھا، اس مرعوبیت سے ایک حلقہ میں (جو فلسفہ سے قریبی اور براہ راست تعلق رکھتا تھا) تشنگی اتریا، اس کا دور دورہ تھا، اور سوفسطائیت (حقائق اشیاء کا انکار) کا رجحان بھی پایا جاتا تھا، جو حلقہ اس سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا تھا، احساس کہتری اور مرعوبیت کا شکار تھا، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے فلسفہ و منطق کے بے لاگ علمی محاسبے اور جائزے اور اس کی علمی کمزوریوں کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت تھی، وقت کی یہ ضرورت شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے پوری کی، اور اس کو مستقل موضوع بنا کر یونانی فلسفہ و حکمت کی مفصل و مدلل تنقید اور اس کے علمی محاسبے کا کام انجام دیا، اور ایک ایسی شخصیت (ارسطو) سے حریفانہ گفتگو اور علمی مناظرہ کیا، جس کو علمائے فلسفہ مافوق البشر ہستی اور تنقید و تردید سے بالاتر سمجھنے لگے تھے۔

ان کے کام کی نوعیت اور ان کے تنقید و محاسبہ کی حیثیت ان کا نقطہ نظر اور بنائے اختلاف کیا تھی؟ بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے ان ہی کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت ان کی تحریروں کے بعض خلاصے اور ان کی کتابوں کے بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، جن سے ان کا نقطہ نظر اور طریق فکر واضح ہو جائے گا۔

طبیعیات و ریاضیات کا اعتراف

اس علمی ذخیرہ کے بارے میں جو فلاسفہ یونان و ارسطو کی طرف منسوب تھا، ان کی رائے بہت معتدل اور متوازن ہے، وہ طبیعیات، ریاضیات اور الہیات میں فرق کرتے ہیں، اور اپنے پیشرو امام غزالی کی طرح طبیعیات اور ریاضیات کے بہت سے مسائل کی صحت و محمولیت کا اقرار اور اس بارے میں علمائے یونان کی ذہانت کا اعتراف کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں:-

نعم لهم في الطبيعات كلام غالب جيد ان فلاسفة في طبيعياتهم جو گفتگو اور بحث ہے اس امر کا

وهو كلام كثير واسع، ولهم عقول عروبا بها ذلك وهم قد يقصدون الحق لا ينظم عليهم العناد۔
بڑا حصہ اچھا ہے اور ان کا یہ کلام خاصا وسیع و مفصل ہے ان باتوں کو سمجھنے اور معلوم کرنے کے لئے وہ اچھا دماغ رکھتے تھے، بہت مباحث میں وہ حق کے جواب اور طالب نظر آتے ہیں اور خدا اور برہنہ سے کام نہیں لیتے۔

وہ ایک جگہ صاف اعتراف کرتے ہیں کہ طبیعیات و ریاضیات وغیرہ فلاسفہ یونان کا اصل موضوع اور ان کے غور و فکر کا میدان ہے، فرماتے ہیں:-

لكن لهم معرفة جيدة بالامور الطبيعية وهذا بحر علمهم واوله تفرغوا وفيه ضيعوا زمانهم۔
امور طبیعیہ سے ان کی واقفیت اچھی خاصی، طبیعیات و تحقیق ہی ان کا دائرہ فکر اور فن خاص ہے اور اسی میں انھوں نے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ صرف کیا۔

یونان کے علم ریاضی کے متعلق وہ "الرد علی المنطقيين" میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں:-

فهذه الامور واما الهام ما يتكلم فيه الحساب امر معقول مما يشترط فيه ذوو العقول وما من احد من الناس الا يعرف منه شيئا فانه ضروري في العلم ضروري في العمل ولهذا اقبلوا به في قولهم الواحد نصف الاثنين ولا ريب ان قضايا كلية واجبة القبول لا تنتقض البتة۔
ریاضی کے یہ مسائل جن سے اہل حساب بحث کرتے ہیں، ایسے معقول مسائل ہیں جن پر تمام اہل عقل کا اتفاق ہے اور ہر شخص اس سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے، اس لئے کہ وہ علم اور عمل دونوں کے لئے ضروری ہے اس سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کہ الواحد نصف الاثنين اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے سبب قضایا کلیہ واجبہ القبول ہیں، اور ان پر کوئی نقض وارد نہیں ہو سکتا۔

له الرد على البكري ۱۳۳۵ ۲۵ تفسیر سورۃ الاخلاص ۵۵ ۳۵ الرد علی المنطقيين ۱۳۳۴

اختلاف کا اصل میدان فلسفۃ الہیات

امام ابن تیمیہ کو فلسفۃ یونان کے جس دائرہ سے اصل اختلاف ہے وہ الہیات کا دائرہ ہے، الہیات کے بارے میں وہ فلسفۃ یونان کی بے بضاعتی اور بے باگی اور فلاسفۃ یونان کی ناکامی و بے صلاحی اور ان کے جہل مرکب میں مبتلا ہونے پر بار بار زور دیتے ہیں، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ فلاسفۃ یونان کا فن اور ان کے غور و فکر اور بحث و نظر کا میدان نہ تھا، انھوں نے اس دائرہ میں قدم رکھ کر اپنے حدود سے تجاوز کیا ہے اور اپنی تحقیر و تضحیک کا سامان بہم پہنچایا ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

للمتفلسفة فی الطبعیات خصوصاً
وتفصیل تمیز و اہم مغلطات الالہیات
فانہم من اجہل الناس بہا و ابعدهم
عن معرفة الحق فیہا، و کلام ارسطو
معلمہم فیہا قلیل کثیر الخطاء۔
فلسفہ سے اشتغال کرنے والے فن طبعیات میں غور و فکر
اور تفصیل سے کام لیتے ہیں اور ان کا انبیا ز نظر آتا ہے
لیکن الہیات میں وہ جاہل محض اور حق سے بالکل
نا آشنا معلوم ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ارسطو سے جو کچھ
منقول ہے وہ بہت تھوڑا اور غلطی بہت زیادہ ہیں۔

ایک دوسری جگہ طبعیات میں ان کی واقفیت کا اعتراف کرتے ہوئے الہیات میں ان کی نامرادی و تہی دستی کا ذکر کرتے ہیں:-

واما معرفة الله تعالى فخطئهم منها
مبغوس جداً و اما ملائکة و کتبہ
ورسلہ فلا يعرفون ذلك التبعہ و لم
یتکلموا فیہ لا بنفی ولا باثبات وانما
جہاں تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق ہے اس کے
بارے میں فلاسفہ بڑے محروم اور نامراد نظر آتے ہیں،
یہ ملائکہ، انبیا و کتابیں اور اس کے رسول تو اس کا
ان کو قطعاً علم نہیں ہے اور اس بارے میں ان سے

تکلموا فی ذلك متأخروهم الداخلون
فی الملل۔
نفیاً اور اثباتاً کوئی چیز منقول نہیں ہے اس
بارے میں درحقیقت متاخرین فلاسفہ نے گھلو کی

ہے جن کا مذہب ادیان سے تعلق رہا ہے۔

امام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ فلسفۃ یونان کے اصل ارکان و اساطین کو خود بھی اس کا اعتراف ہے کہ ان کو اس علم کے حصول کے ذرائع اور مقدمات و مبادی حاصل نہیں اور اس بارے میں یقین تک پہنچنا ان کے لئے بہت مشکل ہے وہ لکھتے ہیں:-

بل قد صرح اساطین الفلسفة بأن
العلوم الالہیة لا سبیل فیہا الی
الیقین و انما یتکلم فیہا بالاحری
والاخلاق فلیس لہم فیہا الا الظن
(و ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً)
ان لوگوں نے جو فلسفہ میں تون کا درجہ رکھتے ہیں اس کا کو
صفا طریقہ سے کہا ہے کہ علوم الہیہ میں یقین تک پہنچنے
کا کوئی راستہ نہیں ان مسائل میں جو کچھ کہا جائے گا،
اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ یقین کی گئی ہوئی
بات ہے یا زیادہ مناسب بات ہے اس سے یہ بات
واضح ہوتی ہے کہ فلاسفہ کے پاس الہیات میں
ظن و تخمین کے سوا کچھ نہیں اور جیسا کہ قرآن مجید
میں کہا گیا ہے کہ ظن و تخمین کبھی حق کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

یونانی الہیات اور پیغمبروں کے علوم و تعلیمات کا تقابل

ایک جگہ وہ فلاسفۃ یونان کے الہیات کے بارے میں اقوال و قیاسات پر تبصرہ کرتے ہوئے
ان لوگوں پر تعجب کرتے ہیں، جو ان کو انبیاء علیہم السلام کے علوم و حقائق کے سامنے لاتے ہیں، اور

ان سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، وہ بڑے جوش و اثر سے لکھتے ہیں:-

”الہیات کے بارے میں جب معلم اول ارسطو کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے، اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراب اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفہ یونان بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ یونان کی الہیات کا پیغیروں کے علوم و تعلیمات سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں اس کو یہ بات ایسی ہی نظر آتی ہے جیسے کوئی بوماروں کا فرشتوں سے یا گاؤں کے زمینداروں کا شاہان عالم سے مقابلہ کرنے لگا بلکہ اس میں بھی کسی قدر علم و عدل کا شائبہ ہے، لیکن جو فلاسفہ کا انبیاء سے مقابلہ کرتے ہیں وہ تو سخت ظلم و جہل سے کام لیتے ہیں اس لئے کہ گاؤں کا زمیندار بہر حال گاؤں کا منظم ہے، اور اس میں اس کو بادشاہ کے ساتھ کسی نوع کی مشابہت اور کسی جزو کی شرکت ہے، لیکن فلاسفہ و انبیاء کا حال تو یہ ہے کہ انبیاء جو کچھ لے کر آتے ہیں فلاسفہ کو اس کی مطلق خبر نہیں بلکہ وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، واقعہ یہ ہے کہ کفار یہود و نصاریٰ بھی ان فلاسفہ کے مقابلہ میں مور الہیہ سے زیادہ باخبر ہیں، میری مراد اس سے وحی کا وہ علم خاص نہیں ہے، جو صرف انبیاء کی خصوصیت ہے، اور دوسروں کو نصیب نہیں ہے اس لئے کہ یہ علم تو خارج از بحث ہے، میری مراد ان علوم عقلیہ سے ہے، جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اس کے اسماء و صفات کی معرفت، نبوت و رسالت، معاد و ان اعمال سے ہے، جو آخرت میں سعادت کا موجب ہیں اور جن میں سے اکثر کو انبیاء علیہم السلام نے براہین عقلیہ سے بیان کیا ہے، یہ الہی و دینی و شرعی عقلیات بھی وہ ہیں جن کی ان فلاسفہ کو ہوا بھی نہیں لگی، اور ان کے علوم میں ان کا کوئی پتہ اور نشان ہے باقی وہ علوم و معارف اور حقائق غیبیہ جو انبیاء کے خصائص میں سے ہیں، ان کے ذکر کا تو اس سلسلہ میں کوئی موقع ہی نہیں، اور فلسفہ اور علوم نبویہ کے مقابلہ میں وہ بحث ہی میں نہیں آتے۔“

فلاسفہ یونان کا جہل و انکار

علوم الہیہ میں فلاسفہ کی بے بضاعتی ان کے علم و بیان کی کوتاہی اور بہت سے غیبی حقائق و موجودات کے انکار کی وجہ امام ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں:-

”جس غیب کی انبیاء علیہم السلام خبر دیتے ہیں، اور وہ کلیات عقلیہ جو تمام موجودات پر حاوی اور شامل ہوں اور جو موجودات کی صحیح تقسیم کرتی ہیں، ان سے فلاسفہ بالکل نا آشنا ہیں، اس لئے اس پر اسی کو قدرت ہو سکتی ہے، جو موجودات کی تمام انواع کا احاطہ کر سکے، اور ان فلاسفہ کا حال یہ ہے کہ یہ صرف حساب اور اس کے بعض لوازم سے واقف ہیں، اور یہ بہت تھوڑے موجودات کی واقفیت ہے، اس لئے کہ جن موجودات کا انسانوں کو مشاہدہ نہیں ہے، وہ ان موجودات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ کثیر اور وسیع ہیں، جن کا ان کو مشاہدہ ہوتا ہے، اسی بنا پر جن لوگوں کا علم فلاسفہ کی معلومات تک محدود ہے جب وہ انبیاء، ملائکہ، عرش، کرسی، جنت، جہنم وغیرہ کا ذکر سنتے ہیں، اور وہ اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ موجود وہی ہے، جو ان کو معلوم ہے، اور ان کی معلومات کے دائرہ سے باہر موجودات کا وجود نہیں تو وہ حیران رہ جاتے ہیں، اور اپنی معلومات کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے کلام کی تاویل کرنے لگتے ہیں، اگرچہ یہ سرے سے کوئی دلیل نہیں ہے، اور ان کو ان موجودات کے نہ ہونے کا کوئی ثبوت علم نہیں، اس لئے کہ کسی چیز کے وجود کا علم نہ ہونا الگ چیز ہے، اور کسی چیز کے معدوم ہونے کا علم ہونا الگ چیز ہے، یہ ضروری نہیں کہ جو ہمیں معلوم نہیں وہ معدوم بھی ہو، وہ جب ان غیبی حقائق کا انکار کرنے لگتے ہیں تو ان کا انکار ایسا ہی ہوتا ہے کہ جیسے کوئی طبیب جنات کے وجود کی اس بنا پر نفی کرے کہ فن طب میں جنات کا کوئی ثبوت..... نہیں ہے، حالانکہ فن طب میں جنات کے وجود کا انکار بھی نہیں ہے، اسی طرح سے تم دیکھو گے کہ جس شخص کو کوئی فن آتا ہے، اور اس میں وہ عوام کے مقابلہ میں کچھ امتیاز رکھتا ہے،

تو وہ اپنی ناواقفیت سے ان چیزوں کی نفی کرنے لگتا ہے جو اس کے فن سے خارج ہیں واقعہ
یہ ہے کہ لوگوں نے چیزوں کے ماننے اور اقرار کرنے میں اتنی بھوک نہیں کھائی جتنی نہ ماننے میں اور
انکار کرنے میں جس چیز کی حقیقت سے انسان پورے طور پر واقف نہیں ہے اس کو جھٹلانے اور اس کے
وجود کے انکار کرنے کا رجحان انسانوں میں بہت قدیم اور عام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فِئْتًا ۚ وَلَمَّا جَاءَهُمْ مُّسْتَبَشِرٌ وَنَذَرٌ ۚ
يَا نَحْنُ نَكْشِفُ السُّحُورَ ۚ وَنَنْزِلُ السَّمَاءَ مِثْرًا ۚ وَنُفِثُ السَّحَابَ مِثْرًا ۚ وَنُفِثُ السَّحَابَ مِثْرًا ۚ وَنُفِثُ السَّحَابَ مِثْرًا ۚ
(سورہ یونس- ۳۹) حقیقت منکشف نہیں ہوئی۔

بُت پرست و ستارہ پرست یونان

یونان قدیم کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو طبیعیات و ریاضیات اور علوم و ادب کا یہ وسیع
اور عظیم سرمایہ عطا کرنے والا ملک جس نے ہزاروں برس تک دنیا کی عقلی و فکری قیادت کی ہے اپنی تاریخ
کے بیشتر حصہ میں بُت پرست اور ستارہ پرست واقع ہوا تھا اور صد ہا توہمات و خرافات میں گرفتار تھا،
جدید تاریخ نے یونان کے علم الاضنام اور اس کے قومی دیو مال کو بے نقاب کر دیا ہے اور اب اس میں کوئی
شہ نہیں رہا کہ یونان قدیم میں دیوتاؤں، اور دیویوں اور ستاروں کے معبدوں اور ہیاکل کا ایک جال بچھا
ہوا تھا، یونان کا جو فلسفہ عالم اسلام میں ترجمہ ہو کر آیا اور پھر اس کے ذریعہ یورپ تک پہنچا وہ اسی منہم
پرستی اور ستارہ پرستی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے یونانی فلاسفہ نے اپنے مذہبی اعتقادات اور شرکاء تصور کو
فلسفہ کی مہیب اصطلاحات میں منتقل کر دیا اور مسلمان علماء فلسفہ نے جو یونان کی مذہبی تاریخ سے
واقف نہیں تھے ان کو علمی حقائق سمجھ کر اپنے غور و فکر کا موضوع بنالیا، اور ان کو ثابت کرنے کے درپے
ہوئے امام ابن تیمیہ کی یہ بڑی شرف نگاہی اور ذہانت ہے کہ انھوں نے کئی صدی پہلے اس نکتہ کو

فاش کیا، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

اقادماء اليونان فكانوا مشركين من عظم
الناس شركا وسجدا، يعبدون الكواكب
والاصنام ولهذا عظمت عنايتهم
بعلم الهيئة والكواكب لاجل عبادتها
وكالوا بينون لها الهياكل
جہاں تک قدمائے یونان کا معاملہ ہے تو واقعہ یہ ہے کہ
وہ کئے شرک تھے اور ان کو سحر سے بھی بڑی کچھ تھی۔
وہ ستاروں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، علم ہیئت
اور کواکب کی طرف غیر معمولی توجہ کرنے کا یہی راز
ہے اس لئے کہ وہ ان کی پرستش کرنا چاہتے تھے
اور ان کے لئے معبد اور ہیاکل تعمیر کرتے تھے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

ولهذا كان رؤسهم المتقدمون
والمؤخرون يأمرون بالشرك فالاولون
يسمون الكواكب لآلهة الصغرى
ويعبدونها باصناف العبادات كذلك
كانوا في ملة الاسلام لا يهتدون عن
الشرك ويوجبون التوحيد بل
يسوغون الشرك او يأمرون به
ان کے متقدمین و متاخرین پیشوا شرک کا حکم دیتے ہیں
متقدمین کو اکب کو آله صغریٰ (چھوٹے خدا) کے
لقب سے یاد کرتے ہیں اور مختلف طریقوں پر ان کی عبادت
کرتے ہیں مسلمانوں میں جن لوگوں نے ان کی پیروی اختیار
کی ان کا بھی حال یہ ہے کہ وہ شرک سے نہیں وکتے،
اور توحید کو ضروری قرار نہیں دیتے بلکہ شرک کو یا تو
جائز قرار دیتے ہیں یا کم سے کم توحید کو ضروری
اولا یوجبوا التوحید۔
قرار نہیں دیتے۔

منتقدین و متاخرین فلاسفہ یونان کا فرق

امام ابن تیمیہ کی یہ بھی ایک بڑی باریک بینی اور حقیقت شناسی تھی کہ انھوں نے یونان کے

فلاسفہ متقدمین اور متاخرین میں فرق کیا، ان کے نزدیک فلاسفہ متقدمین اور ارسطو کے پیشرو غیبی حقائق اور دینی مفاہیم و تصورات سے زیادہ آشنا اور قریب تھے اور ان کے اندر غیب اور غیر مادی حقائق کے انکار کا وہ رجحان نہیں پایا جاتا جو ارسطو میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-
 ”یہ فلاسفہ جو ارسطو کے پیرو ہیں، انھوں نے ان فلاسفہ متقدمین کی پیروی نہیں کی جو فلسفہ کے ستون و ارکان تھے، وہ فلاسفہ متقدمین عالم کے حدوث کے قائل تھے اور اس کے بھی قائل تھے کہ اس عالم سے اوپر ایک دوسرا عالم ہے اور اس عالم علوی کی بعض ایسی صفتیں بیان کرتے تھے، جو حدیث میں جنت کے متعلق آئی ہیں، اسی طرح وہ حشر اجساد کے قائل تھے، جیسا کہ سقراط و تالیس وغیرہ اساطین فلسفہ کے کلام میں نظر آتا ہے۔“

ارسطو حقائق دینیہ سے بعید تر ہے

ان کے نزدیک اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قدامت فلاسفہ کو ان ملکوں میں آنے جلنے کا اتفاق ہوا جہاں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے، اور اس طرح وہ دینی حقائق سے واقف ہوئے، لیکن ارسطو کو اس کا اتفاق نہیں ہوا، وہ بعض مؤرخین کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:-

”جن لوگوں نے فلاسفہ کی تاریخ و تذکرہ مرتب کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ فلسفہ کے ابتدائی ارکان (فیثاغورث، سقراط، افلاطون) شام وغیرہ ارض انبیاء کی طرف آمد و رفت رکھتے تھے اور تمام حکیم وغیرہ سے اور حضرت داؤد، سلیمان کے اصحاب سے استفادہ کرتے تھے، لیکن ارسطو کو کبھی اس سرزمین کی طرف سفر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، جو انبیاء کی بعثت سے مشرف ہوئی، نہ اس کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کوئی حصہ تھا، جیسا کہ اس کے پیشروؤں کے پاس تھا، اس کے پاس

ستارہ پرستی کے مذہب کا کچھ حصہ تھا، اس نے ان قیاسی تعلیمات کی بنیاد ڈالی، اور وہ ایک ایسا قانون بن گیا جس پر اس کے پیرو انکمہ بند کر کے چلتے رہے۔
 بدقسمتی سے عالم اسلام میں جو فلسفہ رائج اور مقبول ہوا، وہ ارسطو ہی کا فلسفہ تھا، اور وہی آخری دور میں یونان کا فلسفہ سمجھا جانے لگا، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

ولكن هذه الفلسفة التي يسلكها الفارابي
 فلسفہ جس کی فارابی، ابن سینا، ابن رشد اور سہروردی
 وابن سینا وابن رشد والشهروردي
 مقبول وغیرہ پیروی کرتے ہیں، یہ ثنائین کا فلسفہ ہے،
 المقبول ونحوه فلسفة المتأئين وهي المنقولة
 اور یہ تمام تر ارسطو سے منقول ہے جس کو معلم اول
 عن ارسطو الذي يسمونه المعلم الاول
 کے نام سے فلاسفہ یاد کرتے ہیں۔

یونانی فلسفہ میں خدا کی حیثیت

ارسطو کے اس فلسفہ میں خدا کی ہستی اور اس کا تصور محض وجود ذہنی بن کر رہ جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فاذا تصور العاقل اقوالهم حق التصور
 جب ایک صاحب عقل ان کے اقوال پر غور کرتا
 تبين له ان هذا الواحد الذي اثبتوه
 ہے جو خدا کی ہستی کے متعلق ہیں تو اس پر یہ بات
 لا يتصور وجوده الا في الازمان
 واضح ہو جاتی ہے کہ جس واحد کو ان فلاسفہ نے ثابت
 لا في الاعيان
 کیا ہے اس کے وجود کا تصور صرف ذہن میں ہو سکتا

ہے خارج میں کہیں اس کا وجود نہیں۔

فلاسفہ نے خدا کے افعال و صفات کی نفی و انکار میں جس مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس کو جس طرح صفات کمالیہ اور ان تمام محاسن اور اختیارات سے مجرڈ ثابت کیا ہے، جو ادنی مخلوقات

میں پائے جاتے ہیں، اس کی بنا پر ان کا خیال ہے کہ اس سے بڑھ کر خدا کی توہین ممکن نہیں، وہ کسی کا قول نقل کرتے ہوئے اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

لقد احسن بعض الفضلاء اذ قال
الصفح احسن من توحيد الفلاسفة
بل قصر فيهما قال له
والے نے بھی رعایت سے کام لیا۔

فلاسفہ اسلام یونان کے مقلد محض ہیں

ان کے نزدیک فلاسفہ متاخرین جو اسلامی عہد میں پیدا ہوئے، اس فلاسفہ یونانی کے لکیر کے فقیر ہیں، اور ارسطو کے مقلد محض ہیں، اور اسی تقلید کی پابندی کی وجہ سے ان کے یہاں فاش غلطیاں اور سخت تنقید پایا جاتا ہے، ان کو اس بات کی سخت شکایت اور رنج و غصہ ہے کہ ان مسلمان فلاسفہ نے اس نعمت کی بالکل قدر نہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان تک پہنچی تھی، اور اس روشنی و ہدایت کچھ فائدہ نہیں اٹھایا جو ان کی دسترس میں تھی، بلکہ انھوں نے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی، وہ لکھتے ہیں:-

ان هؤلاء المتفلسفة المتأخرون في الاسلام
من اجهل الخلق عند اهل العلم والايما
وفيهم من الضلال والتناقض ما لا يخفى
على اذكياء الصبيان لانهم لما التزموا
ان لا يسلكوا الاسبيل سلفهم الضالين
وان لا يقرروا الابما يبنونه على تلك
یہ پچھلے دور کے مسلمان فلسفی اہل علم و ایمان کے نزدیک
جابل ترین مخلوق نظر آتے ہیں ان کی مگر اسی تضاد میان
ایسا کھلا ہوا ہے کہ ذرا ہوشیار بچے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں
انھوں نے جب اس بات کو طے کر لیا کہ ان کو اپنے پیشروؤں
اور پیشواؤں کے راستے پر چلنا ہے، جن کو خود راستہ نہیں ملا
تھا اور ان کے قوانین پر استدلال کی جو مارت کھڑی

القوانين وقد جاءهم من النور والهدى
والبيان ماملأ القلوب والالسن والآذان
صاروا بمنزلة من يريدان يطفئ
نور الشمس بالنفخ في الهباء او يغطي
ضوءها بالعباء
ہوتی ہے اسی کو تسلیم کرنا ہے، اور اس روشنی اور ہدایت
کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا ہے جس نے دلوں اور کانوں
کے پرے اٹھا دیئے تو ارباب کی مثال ایسی ہے جیسے
کوئی شخص آفتاب کی روشنی کو پھونک مار کر بجھانا
یا اپنے دامن کے نیچے چھپانا چاہے۔

ابن سینا حقیقت و منصب نبوت سے نا آشنا ہے

عہد اسلامی کے جن فلاسفہ نے فلسفہ کی تقلید اور ارسطو کے اتباع میں دینی حقائق اور عقائد کی تشریح کی کوشش کی، اور فلسفہ کی روشنی اور اس کے سہارے سے ان حقیقتوں کو سمجھنا اور سمجھانا چاہا، امام ابن تیمیہ ان فلاسفہ پر بھی جو حکمائے اسلام کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں سخت تنقید کرتے ہیں، ان کے نزدیک ان غلطی حقائق اور علوم کو فلاسفہ یونان کی تنہا مدد اور اس کے اصول و ضوابط سے نہیں سمجھا جاسکتا، اس سلسلہ میں ان کی سب سے بڑی تنقید ابن سینا پر ہے جو اسلامی مشرق میں ارسطو کے فلسفہ کا سب سے بڑا شراح اور ترجمان سمجھا جاتا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:-

ابن سینا نے ثابت کیا ہے کہ منصب نبوت بھی نفس کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے اور نفوس کی قوتیں باہم بہت تفاوت ہیں، یہ بات ایک ایسا ہی شخص کہہ سکتا ہے، جو نبوت کی حقیقت سے محض نا آشنا اور اس سے بعید ہے، یہ بات ایسی ہے جیسے کوئی شخص صرف شعراء کے طبقوں اور ان کے گروہ سے واقف ہو، اور وہ یہ ثابت کرنا چاہے کہ دنیا میں فقہاء اور اطباء کا بھی ایک گروہ ہے، اور وہ شعراء کے وجود سے فقہاء اور اطباء کے وجود پر دلیل لائے، بلکہ یہ مثال بھی پوری پوری چپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ نبی اور غیر نبی میں اس سے بھی زیادہ تفاوت اور بُعد ہے، جتنا کہ فقیہ و طبیب و شاعر کے درمیان میں، لیکن یہ فلا

نبوت کے مفہوم سے بالکل نا آشنا ہیں جب انبیاء کرام کا چرچا ہوا، تو ان کے متبعین نے اس کو بھی ان فلاسفہ کے اصول سے ثابت کرنا چاہا جس کو نبوت کا کوئی اندازہ اور انبیاء کرام سے کوئی واقفیت نہیں تھی! ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”ان گروہوں میں نبوت کے مفہوم و حقیقت سے سب سے زیادہ بعید فلسفہ یونان کے پیرو (مفسر) اور باطنیہ اور ملاحدہ ہیں ان کے نزدیک نبوت کی بنیاد وہ قدر مشترک ہے جو تمام انسانوں کے درمیان پایا جاتا ہے، اور وہ خواب ہے حقیقتہً ارسطو اور اس کے متبعین کے یہاں نبوت پر کوئی بحث نہیں ملتی، فارابی نے نبوت کو محض خواب کی ایک قسم قرار دیا ہے، اس لئے وہ اور اس کے ہم خیال فلسفی کو نبی پر ترجیح دیتے ہیں ابن سینا کے نزدیک نبوت کا پایہ اس سے کچھ بلند ہے اس نے نبی کی تین خصوصیتیں قرار دی ہیں ایک یہ کہ اس کو علم بغیر تعلم کے حاصل ہوتا ہے اس کا نام اس کے نزدیک قوت قدسیہ ہے اور اس کی حقیقت اس کے نزدیک وہی ہے جو قوت حدسیہ کی ہے، دوسرے یہ کہ وہ اپنے نفس میں کسی معلوم چیز کا تخیل قائم کرتا ہے اور اس کو اپنے اندرون میں کچھ نورانی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں اور وہ اپنے باطن میں کچھ آوزیں سننے لگتا ہے جیسے کوئی سونے والا نیند کی حالت میں کچھ صورتیں دیکھتا ہے، جو اس سے ہم کلام ہوتی ہیں اور ان کا کلام سنتا ہے اور اس سب کا وجود صرف اس کے اندر ہوتا ہے، خارج میں کوئی وجود نہیں، اس طرح ان سب لوگوں کے نزدیک ایک نبی جو کچھ سنتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اور لوگ اس کے دید و شنید میں اس کے شریک نہیں ہوتے، یہ سب اس کے اندرون میں پیش آتا ہے اور اس کے باطنی مشاہدات موجودات ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں، یہی بات ایسے شخص کو پیش آ سکتی ہے جس کے دماغ پر کوئی اثر ہو، یا صفر و سودا کا غلبہ ہو، ان کے نزدیک نبی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایک ایسی قوت حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ عالم کے ہیولی میں تصرف کرتا ہے اور غریب امور اور حوادث ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک

یہی انبیاء کے معجزات ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک عالم میں جو حادثہ بھی پیش آتا ہے وہ قوت نفسانیہ یا قوت ملکیت یا قوت طبعیہ کا نتیجہ ہوتا ہے.....

ان متفلسفہ کے نزدیک انبیاء کے نفوس میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے، وہ سب عقل فعال کا فیضان ہے۔

پھر جب انھوں نے انبیاء علیہم السلام کا کلام سنا تو انھوں نے ان کے اور اپنے اقوال کے درمیان جمع و تطبیق کی کوشش کی، اس کے لئے وہ یہ کرتے تھے کہ الفاظ تو انبیاء علیہم السلام کے لیتے تھے، اور اس کی تشریح اپنے اصول کے مطابق کرتے تھے، اور اپنے مفہوم و معانی کو انبیاء علیہم السلام کے الفاظ میں ادا کرتے تھے، اس طرح وہ بحث کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے محال کئے ہوئے الفاظ اور اصطلاحات میں تصنیف کرتے ہیں جس شخص کو اس کی خبر نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی مراد کیا ہے اور ان فلاسفہ کی مراد کیا ہے اور دونوں کے مفہوم میں کتنا بڑا فرق ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ان فلاسفہ کی مراد وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تھی، اس طرح بہت گروہ اور جماعتیں گمراہ ہوئیں، ابن سینا اور اس کے متبعین کے کلام میں یہ بات صاف نظر آئے گی!

علم کلام کا نقص متکلمین کا تذبذب

امام ابن تیمیہ کی تنقید صرف فلاسفہ یونان اور ان کے مقلدین متفلسفہ اسلام ہی پر نہیں ہے، بلکہ ان متکلمین پر بھی ہے، جنھوں نے اگرچہ اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے کی کوشش کی، لیکن دینی اور غیبی حقائق کو ثابت کرنے کے لئے فلسفہ ہی کے طرز استدلال و مقدمات اور اس کی محدود اور ناقص اصطلاحات کو اختیار کیا جو اپنا خاص مفہوم رکھتے تھے، اور جن کے ساتھ خاص روایات اور تاثرات وابستہ تھے، وہ کتاب النبوات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”ان متکلمین کا کلام خلق و بعث، مبداء و معاد، اور صالح کے اثبات میں نہ عقلی طور پر محققانہ اور

تشفی بخش ہے، نہ نقلی طور پر اور ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے، امام رازی نے آخر عمر میں کھلے طریقہ پر اعتراف کیا ہے کہ میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج پر بہت غور کیا آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان سے نہ کسی بیمار کی شفا ہوتی ہے، نہ کسی پیاسے کی پیاس بجھتی ہے، میں نے سب سے قریب تر راستہ قرآن کے راستہ کو پایا، انہی کے بارے میں ذرا اس آیت کو پڑھو "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا" اور اثبات میں ان آیات کو پیش نظر رکھو "الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" إِلَهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ "أَأَمِنْتُمْ مَعِيَ فِي السَّمَاءِ" آخر میں وہ کہتے ہیں کہ جو میری طرح تجربہ کرے گا، وہ میری ہی طرح اس نتیجہ پر پہنچے گا، اسی طرح سے غزالی اور ابن عقیل نے بھی اسی سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں اور یہی حقیقت ہے: ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"متکلمین نہ تو فطرت عقلی کے راستہ پر ٹھیک ٹھیک چلے اور نہ شریعت نبوی کے راستہ پر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو سلامت فطرت رہی، اور نہ شریعت کی استقامت، عقلیات میں وہ غلطی کی حد تک پہنچ گئے اور سمجھتے ہیں انتہائی باریک بینی اور بجا تعمق کی سرحد تک پہنچ گئے۔"

وہ بعض متکلمین کی اس کمزوری کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ بعض اوقات ان کے سوالات و شبہات بڑے طاقتور اور جوابات نسبتاً کمزور ہوتے ہیں، ان کے نزدیک اس سے ان لوگوں کو بعض اوقات بڑا نقصان پہنچتا ہے، جو ان کو اسلام کا وکیل و ترجمان سمجھتے ہیں، اور جن کا مطالعہ انہی کی کتابوں تک محدود ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"جب متکلمین نبوت کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو اس پر ایسے سوالات وارد کرتے ہیں جو بڑے قوی اور عام فہم ہوتے ہیں، اور جب جواب دینے پر آتے ہیں تو جوابات کمزور نظر آتے ہیں، ہم اس کی مثالیں بھی دے چکے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ان کتابوں سے علم ایمان اور ہدایت

حاصل کرنا چاہتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ یہی اسلام کے حامی اور اس کی طرف سے وکیل اور مناظر ہیں، اور انہی نے اس کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے، پھر اس کو نبوت کے ثبوت میں ان کی کتابوں میں تشفی بخش دلائل نہیں ملتے تو اس کے عقیدہ میں کچھ تذبذب اور زلزل ہی پیدا ہوتا ہے، اس سے ایمان و علم کا راستہ بند ہو گیا، اور نفاق و جہل کا راستہ کھل گیا خصوصاً ان لوگوں کے لئے جن کے معلومات متکلمین ہی کے دلائل تک محدود ہیں۔"

متکلمین و فلاسفہ کی مشترک غلطی و کمزوری

ان کے نزدیک متکلمین و فلاسفہ نے ایک ہی طرح کی غلطی کا ارتکاب کیا اور تمام اختلافات کے باوجود ان کا طریقہ کار ایک ہے، ان دونوں گروہوں کی غلطی اور کمزوری یہ ہے کہ انھوں نے قیاس سے اس چیز کو حاصل کرنا چاہا جو قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتی، اور فطرت و نبوت دونوں سے کشمکش اور زور آزمائی کی، اس لئے ان دونوں کی تحقیقات میں غلطیاں زیادہ اور نفع کم ہے۔

تطویل و تکلفات

متکلمین و فلاسفہ کے طرز استدلال اور دلائل کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ اس میں غیر ضروری تطویل اور تکلفات ہیں، جن حقائق اور مقاصد کو ان متکلمین نے ان طول طویل دلائل و مقدمات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ اس سے زیادہ آسانی سے اختصار اور فطرت کے مطابق ثابت کئے جاسکتے ہیں، فلاسفہ و متکلمین نے ان کے ثابت کرنے کے لئے ناحق طول طویل اور پیچیدہ راستہ اختیار کیا، وہ اپنے کسی پیشرو کا مقولہ لکھتے ہوئے اس کی مثال دیتے ہیں، کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تمہارے کان کہاں ہیں، اس نے اپنا

دایاں ہاتھ سر پر سے اٹھا کر بائیں کان تک شکل پہنچایا، اور کہا کہ یہ حالانکہ سیدھے طریقے پر اپنے دائیں ہاتھ سے دائیں کان یا بائیں کان طرف اشارہ کر سکتا تھا اس موقع پر انھوں نے کسی شاعر کا شعر لکھا ہے۔

اقام یعمل ایما ردیتہ وشبہ الماء بعد الجهد بالماء

”بہت دن تک آدمی غور کرتا رہا، اور اپنے دماغ پر زور دیتا رہا، بڑی محنت کے بعد پھر پانی کی

تعریف یہ کی کہ وہ پانی ہے“

متکلمین کے دلائل پر انحصار نہیں

ان کو متکلمین کی اس بات سے اختلاف ہے کہ ان مقاصد کو ثابت کرنے کے لئے وہی طریقہ استدلال اور وہی مقدمات ہیں جو ان متکلمین نے اختیار کئے ہیں اور ان کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات یہ طریقہ استدلال اور یہ مقدمات تو صحیح ہوتے ہیں لیکن یہ کہنا غلط ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ استدلال اور دوسرے مقدمات نہیں ہیں اس لئے کہ مطالعہ اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا علم انسانوں کے لئے زیادہ ضروری ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دلائل اور اس کی معرفت کو بھی اسی طرح آسان اور عام بنا دیتا ہے اس بنا پر صالح کے اثبات اور اس کی توحید کے دلائل اور نبوت کے علامات و دلائل بہت کثیر ہیں اور لوگوں کے لئے ان کی معرفت کے ذرائع اور راستے بھی بہت کثیر ہیں ان متکلمانہ دلائل اور مقدمات کی اکثر لوگوں کو دوسرے سے ضرورت ہی نہیں اور ضرورت بھی عام طور پر ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جو ان کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے یا دوسرے طریقوں سے اعراض کرتے ہیں۔

ایک طبقہ کو فائدہ

اس کے باوجود ان کو اعتراف ہے کہ بعض لوگوں کی ذہنی ساخت اور افتاد طبع ایسی ہوتی ہے کہ

ان کو اس طرز استدلال اور ان مقدمات کلامیہ و منطقیہ سے فائدہ پہنچتا ہے اور اس کے بغیر ان کی تشفی نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم و یقین ان طریقوں پر منحصر ہے بلکہ یہ ایک ماعنی کیفیت ہے جو خاص ماحول و تربیت اور نفسیاتی احوال کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ طریقہ استدلال اس قدر دقیق و خفی ہوتا ہے، اور اس کے مقدمات

جتنے کثیر اور طویل ہوتے ہیں اسی قدر اس کے لئے نفع بخش ہوتے ہیں، اس لئے کہ اس کو باریک

امور میں طویل غور و فکر کی عادت پڑ چکی ہوتی ہے جب کوئی دلیل قلیل المقدما ہوتی ہے یا بہت واضح

اور جلی ہوتی ہے تو اس کے نفس کو اس سے خوشی اور تسکین نہیں ہوتی ایسے لوگوں کے مقابلہ میں کلامی

اور منطقی طریقہ استدلال کو استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں اس لئے کہ مطلوب کا علم اس پر موقوف ہے

بلکہ اس لئے کہ یہ اس کے حال کے مناسب ہے کیونکہ اس طرح کے لوگوں کو جب ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں

جو عوام کو معلوم ہیں اور غیر ذہین لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں تو ان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خاص

بات نہیں ہوئی، اور ان کو کوئی علمی امتیاز حاصل نہیں ہوا، وہ طبعی طور پر ایسے دقیق اور غامض مسائل کو

جاننا چاہتے ہیں جو کثیر المقدما ہوں ایسے لوگوں کے ساتھ بیشک یہ راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔“

قرآن کا اسلوب استدلال زیادہ دلنشین اور یقین آفرین ہے

وہ اپنی کتابوں میں بڑے تشدد سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مقاصد شریعت حقائق غیبیہ اور حقائق دینیہ کے اثبات کے لئے سب سے بہتر اور طاقتور اور دلنشین اسلوب طرز استدلال قرآن مجید کا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”اہل کلام و فلسفہ نے مطالب الہیہ پر جو دلائل عقلی قائم کئے ہیں ان کے مقابلہ میں قرآن مجید کے دلائل

کہیں زیادہ مکمل اور بلین و موثر ہیں، پھر اس کے ساتھ وہ ان بڑے بڑے مغالطوں سے بھی پاک و صاف

ہیں، جو ان فلاسفہ و متکلمین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”قرآن مجید میں جو عقلی اور برہانی قیاسات اور بولوبیت، الہیت، وحدانیت، خدا کے علم و قدرت، امکان، معاد وغیرہ جیسے مطالب عالیہ اور معارف الہیہ کے جو دلائل مذکور ہیں، وہ شریف ترین علوم و معارف ہیں، جن سے نفوس انسانی کی تکمیل ہوتی ہے۔“

ذاتِ صفا کے بارے میں قرآن اور فلسفہ کا بنیادی و اصولی فرق

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے ذات و صفات کے بارے میں قرآن مجید اور فلسفہ کا ایک اصولی فرق بیان کرتے ہوئے انھوں نے یہ اہم علمی نکتہ لکھا ہے کہ:-

”قرآن مجید جہاں صفات الہی ثابت کرتا ہے، وہاں تفصیل سے کام لیتا ہے اور صرف تشبیل کی نفی پر اقتصار کرتا ہے (یسی کمثلہ شئی) اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ ان کے یہاں اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے، اس کے برخلاف ان کے حریفوں اور مخالفین (فلاسفہ یونان) کے یہاں سارا زور نفی پر صرف ہوتا ہے اور اثبات سے وہ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔“

نفی صفات کا اثر پوری زندگی پر

فلسفہ یونان کا پورا دفتر ابن تیمیہ کے اس نکتہ کی تصدیق کرتا ہے، فلاسفہ نے نفی میں جس مبالغہ اور اہتمام سے کام لیا ہے، اس نے خدا کے وجود کو محض ایک ذہنی تصور اور ایک مفلوج مجہول و مجبور ہستی بنا کر رکھ دیا ہے، لیکن خدا کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس بارے میں ان کے یہاں چند لفظوں اور فلسفیانہ

اصطلاحات زیادہ کچھ نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ یونان کے اندر اور ان تمام حلقوں میں جو یونان کے فلسفہ کے زیر اثر رہے ہیں، خدا سے کوئی حقیقی زندہ اور علی تعلق نہیں رہا ہے، اس لئے کہ اس حقیقی اور علی قلبی اور جذباتی تعلق کے لئے اسماء و صفات و افعال کی ضرورت ہے، اور فلسفہ کو ان کی نفی پر اصرار ہے دنیا کی پوری عقلی تاریخ میں کبھی انسان کو کسی ایسی ہستی سے قلبی تعلق اور وابستگی نہیں رہی ہے جس کی صفت و فعل کا اس کو کوئی علم نہ ہو، محبت، خوف، امید و رجاء، طلب و سوال سب کے لئے صفا کی ضرورت ہے، اور وہ فلسفہ یونان میں بالکل منفی ہیں، اس لئے مورخین اخلاق و ادیان کا بیان ہے کہ اہل یونان کا تعلق نہ صرف خدا کے ساتھ بلکہ مذہب کے ساتھ بالکل سطحی اور برائے نام تھا، اور اس میں کوئی روح اور گہرائی نہیں تھی، امام ابن تیمیہ نے ایک جگہ پر صحیح لکھا ہے کہ ”لاکھوں نفی ایک اثبات کے قائم مقام نہیں ہو سکتے“ واقعہ یہ ہے کہ نفی محض پر کسی مذہب اور زندگی کی عمارت نہیں کھڑی ہو سکتی، اور غالباً مغرب میں فلسفہ یونان اور مشرق میں بودھ مذہب اسی وجہ سے ایک ایسی انسانی سوسائٹی کے پیدا کرنے میں ناکام رہے جس کی عمارت خدا کے تصور اور عقیدہ پر قائم ہو اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ان دونوں فلسفہ کے حلقہ اثر میں ایک طرف بت پرستی اور دوسری طرف اسکا داور انکار خدا کا رجحان بہت جلدی دے پاؤں چلا آیا، اس لئے کہ عوام کی تشفی (جن کی نظر میں عبادت اور خدا پرستی کے جذبات و دلیعت ہوتے ہیں) ایسے فلسفہ سے نہیں ہو سکتی جس میں سارا زور دماغی ورزش اور فلسفیانہ تصورات پر ہو اور قلب و دماغ کے لئے معرفت و محبت کی کوئی غذا فراہم نہ کی جائے۔

صحابہ کرام کا امتیاز

ان کے نزدیک اس کا نتیجہ ہے کہ صحابہ کرام کو جو نبوت کے فیض یافتہ تھے، جو معرفت و علوم حاصل ہوئے، وہ بڑے مکمل اور گہرے ہیں، اور ان میں تکلف کا نام و نشان نہیں ہے، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور متاخرین کا، جو فلسفہ اور علم کلام سے متاثر تھے، مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

و اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام باوجود اس کے کہ علم نافع اور عمل صالح
 کا جامع انہم اکبر الناس علماً نافعاً کے اعتبار سے کامل ترین خلائق تھے، تکلفات سے بالکل
 و عملاً صالحاً اقل الناس تکلفاً یصد عن احدہم الکلمۃ و الکلمات من
 الحکمة او من المعارف ما یریدہی اللہ ہے یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کے
 الامة و هذا من من اللہ علی ہذہ مقابلہ میں دوسرے لوگ صفحے کے صفحے ان تکلفات
 الامة و تجد غیرہم یحشون الوراق و شطحات بھر دیتے ہیں جو محض غیر ضروری مباحث
 من التکلفات و الشطحات ما ہو من اعظم الفضول المبتدعة و الآراء المخترعة اور نو ایجاد آراء و نظریات ہیں۔

منطق یونانی کا سحر اور عرب عالم اسلام پر

امام ابن تیمیہ نے فلسفہ پر اجمالی و تفصیلی تنقید کرنے اور اس کے بکثرت مسائل و مباحث کو
 خالص عقلی و استدلالی طریق پر رد کرنے اور ان کو کمزور و بے بنیاد ثابت کرنے کے بعد یونان کے بائناز
 علم منطق پر بھی ناقدانہ نظر ڈالی ہے، علمائے اسلام پر منطق کا سحر فلسفہ سے کچھ زائد ہی غالب تھا، اور اس کے
 سترنا پا معقول و مدلل اور حکم و مبرہن ہونے پر عام طور پر اتفاق تھا، ساعد قرطبی کے بیان کے مطابق تیسری
 ہی صدی میں منطق کی کتابوں کا عام رواج ہو گیا تھا، پانچویں صدی میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منطق کو
 بڑی اہمیت دی اور اس کو تمام علوم کا مقدمہ قرار دیا، اپنی معرکۃ الاراء کتاب المستصفی کے مقدمہ میں لکھتے
 ہیں: ہی مقدمة العلوم کلہا و من لا یحیط بہا فلا تفتقہ بعلومہ اصلاً (منطق تمام علوم کا مقدمہ ہے اور جس کو

اس پر عبور نہیں، اس کو اپنے علوم پر مطلقاً اعتبار نہیں کرنا چاہیے) اپنی دوسری کتاب (مقاصد الفلاسفہ) میں
 لکھتے ہیں:-

اما المنطقیات فالکثرہا علی منہج الصواب جہاں تک منطقی مسائل و مباحث کا تعلق ہے تو واقعہ
 والخطاء نادر فیہا و انما ینحرفون اہل الحق یہ ہے کہ ان میں اکثر درست اور ثابت ہیں اور ان میں غلطی
 فیہا بالاصطلاحات و الایرادات دون شاذ و نادر ہے اگر ان یونانی علمائے منطق کا اہل حق
 المعانی و المقاصد اذ غرضہا تہذیب سے کوئی اختلاف بھی ہے تو محض اصطلاحات اور اعتراضات
 طرق الاستدلالات و ذلك مما یشتروہ کا ہے معانی اور مقاصد کا نہیں اس لئے کہ اس فن کی
 فیہ النظر غرض طرق استدلال کی درستگی اور اصلاح ہے، اور
 اس بارے میں تمام اہل نظر متفق ہیں۔

ساتویں صدی کے مشہور حکیم و فلسفی ابن رشد کو منطق کے بارے میں اتنا غلو اور اعتماد تھا کہ وہ اس کو
 انسانی سعادت کا سرچشمہ اور معیار سمجھتا تھا، اور اس کے بغیر حقیقت تک پہنچنا اس کے نزدیک ناممکن تھا،
 اس کا سوانح نگار لکھتا ہے:-

کان منہو ساجد منطق ارسطو و قال عنہ ابن رشد کو ارسطو کی منطق سے عشق تھا، اس کے بارے
 اتہ مصدر السعادة للناس و ان سعادة میں اس کا قول ہے کہ وہ انسانوں کے لئے سعادت کا
 الانسان تقاس بعلمہ بالمنطق و بالمنطق منبع ہے کسی انسان کی سعادت کے لئے صحیح میزان یہ ہے کہ
 أداة تسهل الطريق الشاقة فی الاصول وہ منطق کتنی جانتا ہے منطق اکیلا یا آگے اور ذریعہ
 الی الحقیقة الاتی لا یصل الیہا العامة جو اس حقیقت تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتا ہے
 بل بعض الخاصة بفضل المنطق جس تک عوام تو کیا بعض خواص بھی نہیں پہنچ سکتے۔

یونان کی اس منطق کے دفتر کو علمائے اسلام نے ہمیشہ ادب اور احترام کے ہاتھوں لیا اور وہ اس دعاوی و مقدّمات اور اصول و کلیات سے مرعوب رہے، فلسفہ پر تنقید اور اس کی تشریح (چیر بھاڑ) کا کام تو طول طویل وقفوں کے بعد کسی حد تک ہوا، لیکن ہمارے علم میں کسی نے مستقل طور پر منطق یونانی کے علمی محاسبے و محاکمے کی ضرورت نہیں سمجھی، اور اس موضوع پر کوئی بڑی محققانہ اور مفصل کتاب نہیں ملتی۔

منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں!

ابن تیمیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو مستقل موضوع بنایا اور اس پر آزادانہ اور مجتہدانہ تبصرہ اور تنقید کی، اس موضوع پر ان کی ایک مختصر اور مجمل کتاب "نقض المنطق" اور دوسری مفصل کتاب "التدعیٰ المنطقیین" ہے، آخر الذکر کتاب میں انہوں نے فتنی اور علمی طور پر منطق کے قضایا، دعاوی اور حدود و تعریفات اور جزئیات و کلیات سے بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ اس فن کو علمائے اسلام نے جتنی اہمیت دی ہے اور اس کو جس قدر مسلم الثبوت اور محکم سمجھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، ان کو اس بات سے انکار ہے کہ وہ علوم عقلیہ کی میزان ہے، اور اس پر استدلال و استنتاج کا اور علم یقین تک پہنچنے کا انحصار ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ منطق علوم عقلیہ کی میزان ہے، اور اس کی رعایت و پابندی، ذہن کو فکری غلطی سے بچا لیتی ہے، جیسے فن عروض شعر کے لئے اور نحو و تصریف عربی کے مرکب مفرد الفاظ کے لئے میزان کا درجہ رکھتے ہیں، اور جس طرح آلات ہئیت اوقات کے لئے میزان ہیں۔“

لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، اس لئے کہ عقلی علوم ان اسباب ادراک کے ذریعہ سے حاصل کئے جاسکتے

لے یہ کتاب حال میں مطبعہ فنیہ کی طرف سے شائع ہو گئی ہے، جس پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ ہے، اس کتاب کی ضخامت ۵۴۵ صفحات ہے، علمائے فن کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی فطرت میں وداعیت کئے ہیں، ان کا کسی شخص معین کے وضع کئے ہوئے میزان پر انحصار نہیں، اور جس طرح عربیت میں تقلید کے بغیر چارہ نہیں، اس لئے کہ وہ ایک قوم کی عادت ہے جو صرف علم سے معلوم کی جاسکتی ہے، اور اس کے قوانین کا ذریعہ علم صرف استقرار ہے، اس طرح عقلیات میں تقلید نہیں ملتی، اس طرح سے کیل وزن عدد و شمار اور زراعت وغیرہ میں پیمانوں وغیرہ کی ضرورت ہے۔

منطق یونانی کی وضع و ایجاد سے پہلے بھی دنیا کی قومیں حقائق اشیاء کو جانتی تھیں، اور اس کی وضع و ایجاد کے بعد بھی اکثر قومیں ہیں جو منطق کی مدد کے بغیر حقائق اشیاء کو جانتی سمجھتی ہیں، اور تمام دنیا کی قوموں کے اکثر عقلاء ارسطو کے ان اصول و قواعد کو سیکھے بغیر حقائق کو سمجھتے ہیں، اور یہ لوگ بھی اگر اپنی حالت پر غور کریں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ ان کے نفوس کو اس وضعی فن کے بغیر حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے۔

بہت سی منطقی حدود و تعریفات مخدوش اور کمزور ہیں

ان کو اس سے بھی انکار ہے کہ منطقی حدود و تعریفات پورے طور پر جامع و مانع اور فنی طور پر مکمل ہیں، اور ان پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وصاروا يعظمون امر الحد و ديدعو
انهم هم المحققون لذلك وان ما يذكر
غيرهم من الحد و دانما هي لفظية
لا تعيد تعريف الماهية والحقيقة
بمخلاف حد و دهم و يسلكون الطرق
الصعبة الطويلة والعبارات المتكيفة

اہل منطق حدود و منطقہ کی اہمیت میں بڑا مبالغہ
کرنے لگے، ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس فن کے محقق ہیں
اور یہ کہ ان کے علاوہ دوسرے علماء جو حدود بیان کرتے
ہیں وہ لفظی ہوتی ہیں اور اہمیت اور حقیقت کو پورے
طور پر بیان نہیں کرتیں، بخلاف ان کے حدود کے اور
اہل منطق بڑے دشوار اور طویل راستے اختیار کرتے ہیں

المهائلة وليس لذلك فائدة الا تصيب الزمان
 واثاب الازهار وكثرة الهديان ودعوى
 التحقيق بالكذب والبهتان وشغل النفوس
 بما لا يتفعها بل قد يضلها عما لا بد لها
 منه واشتات الجهل الذي هو اصل
 التفاق في القلوب وان ادعوا اليه
 اصل المعرفة والتحقيق
 اور بڑی پر تکلف اور موعوب کرنے والی عبارتیں
 استعمال کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ سوائے اعتنا
 وقت داعی نہکان، کثرت ہدیان اور تحقیق کے دعویٰ
 اور لاف زنی کے اس کا کوئی فائدہ نہیں یہ نفوس کو
 ایسی چیزوں میں مشغول کرتے ہیں جو کچھ مفید نہیں
 بلکہ بعض اوقات گمراہی اور جہالت آفرینی کے سوا
 جو قلوب کے تفاق کا ذریعہ ہے کچھ اور حاصل نہیں
 اگرچہ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ معرفت اور تحقیق کی بنیاد ہے

کوہ کندن و کاہ برآوردن

ایک جگہ وہ ثابت کرتے ہیں کہ منطق در حقیقت ایک کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا ساعل ہے کہ
 محنت اور بحث بہت زیادہ اور حاصل محصول بہت کم نقص المنطق میں فرماتے ہیں:-
 "یہ بات واضح ہے کہ منطق کو واجب قرار دینا محض ان لوگوں کا قول ہے جو غالی اور حقیقت
 سے نا آشنا ہیں، خود ماہرین فن بھی اپنے تمام علوم میں منطق کے قوانین کی پابندی نہیں
 کرتے، بلکہ بعض اوقات کبھی تو ان کی طوالت کی وجہ کبھی غیر مفید ہونے کی بنا پر اور کبھی
 بعض قوانین کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور کبھی ان کے اجمال اور اشتباہ کی وجہ سے
 وہ ان سے خود اعراض کرتے ہیں، اس میں متعدد ایسے مقامات ہیں، جو کوہ کندن اور
 کاہ برآوردن کا مصداق ہیں!"

منطق کا اثر ذہن اور قوت بیانیہ پر

ان کے نزدیک منطق سے اکثر اوقات یہ نقصان بھی پہنچا ہے کہ طبیعت کی جولانی اور زبان و
 خیالات کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے، چنانچہ جو لوگ قواعد منطقیہ اور منطقی اسلوب کی بڑی پابندی کرتے
 ہیں ان میں تولیدہ بیانی مشکل پسندی و غلاق اور ایک طرح کی ذہنی کچی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ متاخرین
 کے متون اور پچھلے دور کی نصابی کتابیں اس کا واضح نمونہ ہیں، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

وما زال نظار المسلمين يعيبون طريق
 اهل المنطق ويبتنون ما فيهما من العتي
 واللكنة وقصور العقل وعجز المنطق
 ويبسبون انهما الى افساد المنطق العقلي
 واللساني اقرب منها الى تقويم ذلك
 مسلمان اہل نظر و مناظرہ شروع سے اہل منطق پر کڑی
 تنقید کرتے رہے کہ اس سے اشتغال کرنے والوں میں
 اکثر عیب پیدا ہوتا ہے کہ بے تکلف اظہار خیال
 نہیں کر سکتے، ان کی زبان و قلم میں یک طرح کی بندش اور
 رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، ذہن اپنا پورا کام نہیں
 کرتا اور زبان ساتھ نہیں دیتی، اور وہ اس بات کو
 واضح کرتے رہے کہ بجائے ذہن اور زبان کی ترقی
 اور تقویت کے اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ ذہن اور
 زبان کو اس نے نقصان ہی پہنچا یا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

اذا اتسعت العقول وتصورتها
 اتسعت عباراتها واذا ضاقت العقول
 قاعدہ یہ ہے کہ جب عقول و تصورات میں وسعت
 ہوتی ہے تو عبارتوں میں بھی وسعت ہوتی ہے اور

والتصورات بقى صاحبها كان محبوبا
العقل واللسان كما يصيب اهل المنطق
اليوناني تجدد من اصدق الناس علما
وبينا، واهمهم تصورا وتعبيرا، ولهذا
من كان منهم ذكيا اذا تصرف في العلوم
وسلك مسلك اهل المنطق طول وصيق
وتكلف وتعسف وغاية بيان البين
وايضاح الواضح من العمى وقد يوقعه
ذلك في انواع من السفطة التي عافى
الله بها من يسلط طريقته.

دماغ تنگ و تصور محدود ہوتے ہیں تو انسان ایسا
معلوم ہوتا ہے گویا وہ عقلی اور سانی طور پر محسوس ہے
جیسے کہ منطق یونانی سے اشتغال کرنے والوں کو اکثر
پیش آتا ہے، ہم دیکھو گے کہ وہ اپنے علم و بیان میں بڑے
تنگ امن اور اپنے تصور و تعبیر میں بڑے عاجز نظر آتے
ہیں اسی لئے ان میں سے جو ذکی بھی ہوتا ہے جب علوم
میں تصرف کرتا ہے اور اہل منطق کا راستہ اختیار کرتا ہے
تو تطویل و تضییق اور تکلف و مشقت سے کام لیتا
ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کا زمانہ یہ ہوتا ہے کہ
ایک معلوم چیز کو بیان اور ایک واضح چیز کو زیادہ واضح
کرنے اور اس کا نتیجہ ہے کہ منطق کے اشتغال سے
اس کے ذہن زبان پر عقل سے بڑ گئے ہیں بعض اوقات
وہ مضطرب و متخالف اشیاء کے انکار کے مرض میں مبتلا
ہو جاتا ہے جس سے وہ لوگ محفوظ ہیں جنہوں نے
ان اہل منطق کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے۔

بعض مستثنیات

امام ابن تیمیہ کے سامنے بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جو یونانی علم و حکمت میں انہماک رکھنے اور ان علوم

میں درجہ امامت تک پہنچنے کے باوجود بڑے شگفتہ قلم، خوش تحریر اور ادیب تھے، مثلاً ابن سینا جس کا قصیدہ
روح عربیت کا بڑا عمدہ نمونہ اور جس کی تحریروں میں اہل حکمت کے برخلاف حلاوت و بلاغت پائی جاتی ہے
ان کے نزدیک یہ اسلامی اور عربی ادب لٹریچر سے اشتغال اور علوم اسلامیہ کا فیض ہے اور اس میں شہرہ نہیں کہ
ابن سینا کے حالات و سوانح سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

ومن وجد في بعض كلامه فصاحة وبلاغة
كما يوجد في بعض كلام ابن سينا وغيره فلما
استفاد من المسلمين من عقولهم
والسنة هم والافلوشى على طريقة سلفه
واعرض عما تعلمه من المسلمين فكان
عقله ولسانه يشبه عقولهم والسنة هم
ان فلاسفة اهل منطق من سبب نفس ككلام من كچه
فصاحت بالبلغت محسوس ہوتی ہے جیسے کہ ابن سینا
کی بعض تحریروں میں نظر آتی ہے تو یہ مسلمانوں کے
عقول و آداب سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ ہے ورنہ اگر
وہ اپنے پیشروؤں کے راستہ پر چلتا رہتا اور اس نے
مسلمانوں سے جو علوم حاصل کئے ہیں ان سے اعراض
کرتا تو اس کی عقل و زبان بھی ان ہی کے عقل و زبان
کی طرح کوتاہ اور قاصر نظر آتی۔

منطق کے متعلق اجمالی رائے

ان تنقیدات اور تبصروں کے بعد اس فن کے متعلق ان کی اجمالی رائے خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

فحقه النافع فطري لا يحتاج اليه
وما يحتاج اليه ليس فيه منفعة
الامعرفة اصطلاحهم وطريقهم
منطق کا جتنا حصہ درست اور مفید ہے وہ فطری ہے
جس کی (الکیم الفطرت کو) ضرورت نہیں اور بقیہ حصہ
کی ضرورت ہے اس کا بھی فائدہ صرف اتنا ہے کہ اہل فن کی

اصطلاحات ان کا طریقہ استدلال یا ان کی غلطیاں

معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

اَلْیَکُنْتُ دَائِمًا اَعْلَمُ اَنَّ الْمَنْطِقَ الْیُونَانِیَّ
لَا یَحْتَاجُ اِلَیْهِ الذِّکْرُ وَلَا یَنْتَفِعُ بِمِ
الْبَلَدِ۔
میرا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے
فطری ذکاوت عطا فرمائی ہے، اس کو تو اس یونانی منطق
کی ضرورت نہیں اور جو اس ذکاوت محروم ہے اس کو
اس منطق سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

منطق کا صحیح مقام اور فائدہ

منطق یونانی کے بارے میں امام ابن تیمیہ کے ان آراء و خیالات میں خواہ کسی قدر انتہا پسندی اور
غلو کا رنگ نظر آئے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منطق کی عظمت و تقدس کے اس علم پر جو تمام عالم اسلام پر
پانچویں صدی کے بعد سے چھایا رہا ہے، ابن تیمیہ کی تنقیدوں سے ایک ضرب لگی اور ایسا ہونا ضروری تھا، اس کے
بارے میں ہمارے درسی اور علمی حلقوں میں جس قدر غالیانہ اور مبالغہ آمیز عقیدت قائم رہی ہے اس کا اندازہ
اس سے ہو سکتا ہے کہ جو منطق سے نا آشنا ہو، اس کو اس کے تمام علوم و کمالات اور فطری ذکاوت کے باوجود
جاہل اور احمق سمجھا جاتا رہا ہے اور عرصہ تک ہندوستان میں منطق و فلسفہ کو دشمنی اور ان کی کتابوں کو
”کتب دشمنی“ کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے اس غلو اور عقیدت کے خلاف رد عمل بھی قدرتی امر ہے،
اور اسی رد عمل سے اس بات کا امکان ہے کہ اس کے بارے میں معتدل رائے قائم کی جائے گی اور اس کو
اس کا صحیح مقام دیا جائے گا، منطق ایک طرح کی ذہنی ورزش اور دماغی ریاضت ہے، اور اس میں کوئی شبہ

نہیں کہ اس سے تشبیذ ذہن کا کام لیا جاسکتا ہے، اور اگر اس کو اسی حد تک رکھا جائے تو اس پر کسی کو
اعتراض نہیں ہو سکتا، خود امام ابن تیمیہ کو اس کا اعتراف ہے الرد علی المنطقیین میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

وایضاً فان النظر فی العلوم الدقیقة
یفتق الذهن ویدربہ ویقویہ
علی العلم فیضیر مثل کثرة التمری بالنشأ
ورکوب الخیل تعین علی قوۃ التمری
والرکوب وان لم یکن ذلك وقت
قتال، وهذا مقصد حسن۔
یہ بات بھی ہے کہ علوم و دقیقہ میں غور و مطالعہ سے
ذہن کھلتا ہے اور اس کی مشق ہوتی ہے اور علم کی
طاقت حاصل ہوتی ہے بالکل جس طرح سے تیر اندازی
اور سواری کی مشق سے نشانہ ٹھیک ہوتا ہے اور گھوڑے
کی سواری آسان ہو جاتی ہے اور لوگ جنگ سے پہلے بھی
ان چیزوں کی مشق کرتے ہیں یہ ایک اچھا مقصد ہے۔

لیکن لوگوں نے جس طرح اس کو بجائے وسیلہ کے مقصود اور بجائے مقدمہ کے اصل علم سمجھ لیا
ہے، اس سے ہر نصف اور بالغ نظر کو اختلاف ہوگا۔

دینی والہی حقائق کے بارے میں منطق کی بے بسی

منطق و فلسفہ کے بارے میں ایک غلو شروع سے یہ چلا آ رہا ہے کہ جس طرح اس کے قواعد و اصول کو
علوم عقلیہ میں فیصلہ کن اور حکم سمجھا جاتا ہے، اس طرح سے دینی والہی حقائق کے بارے میں بھی ان سے
بے تکلف کام لیا جاتا ہے اور ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا جاتا ہے، امام ابن تیمیہ اس بات کو پوری طاقت سے
واضح کرتے ہیں کہ اگر منطق کو ایک میزان و ترازو کا بھی درجہ دیا جائے تو اس ترازو کا کام اور اس کا دائرہ
عمل بہر حال محدود رہے گا، اس ترازو پر حقائق دنیویہ کو تولنا ایسا ہی ہے جیسے لکڑی، سیسہ اور پتھر تولنے
کی ترازو پر سونے چاندی اور جواہرات کو تولنا جائے، نقض المنطق میں لکھتے ہیں:-

۱۰ اتنی بات مسلم ہے کہ لکڑی اور سیسہ اور پتھر کو تولنے کے لئے جو ترازو بنائے گئے ہیں ان پر سونے چاندی کو نہیں تولاجا سکتا، نبوت کا معاملہ اور انبیاء علیہم السلام جن حقائق کو لے کر آئے ہیں وہ علوم میں اس سے کہیں زیادہ رفیع اور نازک ہیں، جتنا کہ سونا مایات میں ہے، تمہاری منطق اس کے لئے کوئی میزان نہیں بن سکتی، اس لئے کہ اس میزان میں جہل و ظلم دونوں جمع ہیں یا تو وہ ان کے وزن و درجہ سے واقف نہیں، اور ان کو وزن کرنے اور ان کی حیثیت بیان کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں اس لئے جاہل ہے یا وہ حق کا انکار کرتی ہے اور اس کو قبول نہیں کرتی ہے اس لئے ظالم ہے، حالانکہ وہ حق ہے جس کا طبائع انسانی کے پاس کوئی بدل نہیں اور نہ ان علوم سے کسی کو استغنا ہے اور اسی پر بنی نوع کی سعادت منحصر ہے!

اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا کہ نویں صدی کے ایک دوسرے سلیم الطبع اور نقاد عالم ابن خلدون کا ایک قبلاں بھی پیش کر دیا جائے جو بالکل اس مفہوم و معنی کو ادا کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں مختلف اور متعدد سلیم الطبع انسان محض اپنی سلامت طبع سے کس طرح ایک حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں، اور ان میں خیالات و افکار کا کیسا توار د ہوتا ہے عقل کے محدود ہونے اور حقائق دینیہ و غیبیہ کا احاطہ کرنے سے قاصر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں لیکن تم اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، نبوت، صفات الہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماوراء عقل ہیں تول نہیں سکتے، یہ لا حاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا، جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حروف نہیں آتا، لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے“

اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ الشرا و اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لئے کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے!

منطق تفصیلی و فنی تنقید اور ابن تیمیہ کے اجتہادات و اضافات

امام ابن تیمیہ نے فن منطق پر محض اجمالی تبصرہ اور اصولی اعتراضات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ پورے فن پر ایک ناقدانہ اور مجتہدانہ نظر ڈالی، اور اس کا علمی احتساب کیا، انھوں نے اس کے بہتے اصول و مسلمات کے تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور ان پر خالص عقلی اور فنی حیثیت سے بحث کی، اس کی بہت سی تعریفات و حدود کو مخدوش و کمزور ثابت کیا، اور ان سے بہتر تعریفات و حدود پیش کئے، اس کے بہتے قضایا اور ان کی ترتیب سے اختلاف کیا، قیاس کے مقابلہ میں جو ارسطو کے منطق کی اساس ہے، استقرار کی ترجیح ثابت کی اور اس کو حصول علم و یقین کا زیادہ طبعی پہل اور محفوظ طریقہ بتلایا، اسی کے ساتھ انھوں نے منطق و فلسفہ میں کئی جدید نظریات پیش کئے، اور فن میں اضافے کئے، مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم الر د علی المنطقیین کے مقدمہ میں ان کی اس خدمت و عظمت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اگر تم اس کتاب کا غور و فکر سے مطالعہ کرو گے تو تم کو متعدد ایسے منطقی اور فلسفی مسائل ملیں گے جن کے ابن تیمیہ موجود ہیں اور وہ اس وقت کے مغربی فلاسفہ کی تصنیفات و نظریات بالکل مطابق رکھتے ہیں، مثلاً تمام مسلمان علماء منطق نے اس بارے میں ارسطو کی پیروی کی ہے کہ کلیات علم کی بنیاد ہیں، اور اس بنا پر انھوں نے برہانیات کو ترجیح دی ہے، اور اصول استقرار کی تحقیر کی ہے، اس بنا پر بعض علماء فرنگ نے یہاں تک لکھا کہ مشہور انگریز منطقی عالم مل (Mill) پہلا شخص ہے جس نے استقرار کے اصول کو مرتب کیا، اور منطق جدید کی بنیاد رکھی (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس سے

کئی صدی پہلے امام ابن تیمیہ اس پر زور دے چکے ہیں۔

اسی طرح سے انھوں نے حقیقتِ حد، جنس، فصل، لزوم، حقیقت، علت، قیاس، استقرار، استدلال، المشہورات، قیاس میں ایک مقدمہ پر اکتفا وغیرہ جیسے اہم اور پیچیدہ مباحث کو جس طرح حل کیا ہے اور محکم دلائل سے اپنے نظریات ثابت کئے ہیں وہ ان کی ذکاوت و اجتہاد پر گواہ ہے، علت و لزوم کے بارے میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے، بعینہ وہی نظریہ ہے جس کو مشہور فلسفی ہیم (HUME) نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے، اہل علم کو معلوم ہے کہ لزوم و علیت ان دشوار ترین مسائل میں سے ہے جن میں دماغوں نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور اسی سے طبائعین (نیچر کو ماننے والے) اور محدین کی بہت سی گمراہیاں نکلی ہیں، اس کتاب میں امام ابن تیمیہ کی بہت سی جدید تحقیقات اور جدید نظریات ہیں، جو ان کی علمی عظمت اور غیر معمولی ذکاوت کی دلیل ہے۔

علوم عقلیہ میں تقلید درست نہیں ہے

امام ابن تیمیہ کو اس بات کا احساس ہے کہ لوگ ان کے ان اعتراضات اور اختلافات کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ یونانی علوم ایک بڑا قدیم علمی ذخیرہ ہے جس کی ترقی و تہذیب میں کئی نسلوں کے بہترین دماغوں نے حصہ لیا ہے، اور ان کو ترقی و کمال کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے، اس لئے اب ان میں غلطی کا بہت کم احتمال رہ گیا ہے، اور ان پر پچھلے دور کے کسی ناقد کا تنقید اور اعتراض کرنا ایک بڑی علمی جسارت اور امتعت وقت ہے، امام ابن تیمیہ اس مقدمہ کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ جب یہ علوم محض عقلی ہیں، اور ان کی بنیاد غور و فکر اور مطالعہ پر ہے تو ان میں محض تقلید کا کیا جواز ہے، خود اس کے ناقل اس کو کسی وحی و الہام پر مبنی نہیں بتاتے بلکہ اس کی بنیاد عقل پر رکھتے ہیں اس لئے ہر زمانہ کے اہل عقل کو یہ حق ہے کہ ان پر ناقدانہ

نظر ڈالے اور عقل کے ترازو پر تولے اور جو چیز خلاف عقل ہو اس کو بے تکلف رد کر دے، وہ الرد علی المنطقیین میں ایک جگہ بعض شیوخ منطق کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ علوم وہ ہیں جن کو ہزار برس تک بہترین دماغوں نے صیقل کیا ہے، اور ہر زمانہ کے اہل فضل نے ان کو قبول کیا ہے، پھر اس کا جواب دیتے ہیں:-

هـ ب ان الامر كذلك فهداه العلم
عقلية محضة ليس فيها تقليد لقائل
وانما تعلم بمجرد العقل فلا يجوز ان
تصحح بالتقليل ولا يتكلم فيها الا بالمعقول
المجرد فاذا دل المعقول الصريح على
بطلان الباطل منه لم يجوز ذلك فان
اهلها لم يردوا انها مأخوذة عن
يجب تصديق بل عن عقل محض
فيجب التوكل فيها الى موجب
العقل الصريح

فرض کرو کہ بات یوں ہی ہے لیکن علوم تو خاص
عقل علوم ہیں جن میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں
یہ تو مجرد عقل سے معلوم کئے جاتے ہیں اور اس لئے
نقل کے ذریعہ ان کی تصحیح درست نہیں اور ان میں
خاص معقولات کی بنا پر کلام کیا جاتا ہے تو جب
معقول صریح ان میں سے کسی باطل کے بطلان پر
دلالت کرے تو اس کا مسترد کرنا جائز نہیں اس لئے
کہ خود علماء منطق نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ کسی
ایسی ہستی یا ذریعہ سے ماخوذ ہے جس کی تصدیق واجبہ
وہ خود کہتے ہیں کہ ان کا تعلق عقل محض سے ہے اس لئے
ان کے بارے میں عقل صریح کے موجب ہی کی طرف رجوع
کرنا صحیح اور اس کے فیصلہ کو قبول کرنا ضروری ہوگا۔

عالم اسلام کے پچھلے دور میں علوم عقلیہ کا جمود و انحطاط، اور ابن تیمیہ کے کام کی اہمیت واقعہ بھی یہی ہے کہ معقول کو ہمیشہ معقول ہی رہنا چاہئے، منقول نہیں بننا چاہئے، لیکن عالم اسلام

پر جب علمی و فکری زوال طاری ہوا اور دماغوں اور قوتِ فکریہ نے اپنا کام آزادی سے کرنا چھوڑ دیا تو تمام علمائے حکمت و فلسفہ بھی اپنے پیشروؤں کی لکیر کے فقیر بن گئے اور ان کی تحقیقات و تصنیفات کے ناقل و شارح بن کر رہ گئے، اور محققات اور منقولات میں کوئی فرق نہیں رہ گیا، متاخرین کی بڑی سے بڑی پروا نہ تھی کہ وہ متقدمین کے کلام کی شرح کر دیں اور ان کے مطالب کو کم سے کم الفاظ میں ادا کر دیں، یہی مشرق کا وہ دور انحطاط ہے، جب علم و حکمت میں اضافہ، تجدید و اجتہاد اور تخلیقی کام کا دروازہ بالکل بند ہو گیا، یورپ میں (جس نے یونان کے منطق و فلسفہ کو مسلمانوں کے واسطے سے حاصل کیا تھا، اور حکماء یونان کے افکار و فلسفہ کو ابن سینا اور ابن رشد کے ذریعہ سمجھا تھا) کچھ عرصہ تک اس علمی میراث پر قناعت کرنے کے بعد فکر و نظر اور تحقیق و تجربہ کا کام آزادانہ طریقہ پر شروع ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانیوں کی منطق و فلسفہ کی بساط الٹ گئی، قیاس کے بجائے استقراء و منطق کی بنیاد رکھی گئی، مابعد الطبیعیات اور الہیات کے بجائے جن کا علمی اور علمی زندگی میں کچھ حاصل نہ تھا، طبیعیات پر زور دیا گیا اور اس فکری انقلاب نے نہ صرف یورپ کی دنیا کو بلکہ سارے عالم انسانی کو متاثر کیا، اس کے برخلاف ہمارے قدیم علمی و مدرسی حلقوں میں یونانی علوم اور ان کے مشرقی شارحین اور پھر آخر میں ایرانی مصنفین کی کتابوں اور شرح و حواشی کو اس مضبوطی سے پکڑا گیا کہ گویا وہ العروۃ الوثقیٰ اور فکر و نظر کا سدِ رة المنتہی ہیں اس عقلی جمود و تقلید کے دشت بے نشان میں امام ابن تیمیہ کا یہ مجتہدانہ کارنامہ اور فلسفہ و منطق یونانی کی علمی تنقید و محاسبہ ایک سنگِ میل اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور نئے اجتہاد و فکر کا دروازہ کھولتا ہے۔

غیر اسلامی ملل و فرق کی تردید

اور

ان کے عقائد و رسوم و اثرات کا مقابلہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے یوں تو تقریباً تمام غیر اسلامی مذاہب و عقائد کی تنقید و تردید کی خدمت انجام دی اور ان کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس علمی جہاد کی نذر ہوا، مشکل سے ان کی کوئی تصنیف متکلمانہ بحث و مناظرہ سے خالی ہوگی، لیکن ہم یہاں ان مذاہب و فرق میں جن کا ابن تیمیہ نے مقابلہ کیا، صرف دو (عیسائیت اور شیعیت) کو انتخاب کرتے ہیں، اس لئے کہ ان دونوں پر ان کی دو علیحدہ و معرکہ الآراء تصانیف (الجواب المصمیم لمن بدّل دین المسيح اور منہاج السنة النبویہ فی نقض کلام الشیعة والقدریہ) یادگار ہیں، نیز ان دونوں میں ایک لطیف مناسبت اور قدر مشترک بھی ہے، جس کا اظہار اس حدیث میں ہوا ہے، جس میں حضرت علیؓ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: "یہلک فیک اثنان محب غالی و مبغض" (اے علی! تمہارے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہوں گے، ایک غالی محب اور ایک مبغض رکھنے والے) اور اس لئے بھی کہ شیخ الاسلام کے زمانہ میں مذاہب میں سے صرف مسیحیت اور فرقوں میں سے صرف شیعیت (اپنی مختلف شاخوں اور اقسام کے ساتھ) دو زندہ تحریکیں اور طاقتور مذاہب تھے، اور شاید اسی لئے امام ابن تیمیہ نے ان دونوں کو اپنی مستقل اور منفرد تصانیف کا موضوع بنایا۔

رد عیسائیت

عالم اسلام میں عیسائیت کی نئی تحریک

مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ اسلامی ملکوں میں دوسرے مذاہب ادیان نے نئی کروٹ لی ان مذاہب ادیان میں سب سے زیادہ جرأت و مستعدی کا اظہار مسیحیت نے کیا جس کے ماننے والوں کی بڑی تعداد اسلامی ممالک بالخصوص مصر و شام میں موجود تھی خصوصیت کے ساتھ شام سے متصل عیسائی ممالک کا سلسلہ تھا، اور ان کی عظیم الشان عیسائی سلطنت (سلطنت قسطنطنیہ) کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں یورپ نے شام و فلسطین پر حملوں کا وہ سلسلہ شروع کیا جو جنگ صلیبی کے نام سے تاریخ میں مشہور ہیں، شام کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور نوٹے برس تک بیت المقدس عیسائیوں کے اقتدار و تولیت میں رہا، سلطان صلاح الدین ایوبی نے اگرچہ تلین کے میدان میں عیسائیوں کو فیصلہ کن شکست دی تھی، اور بیت المقدس کو بازیاب کر لیا تھا، لیکن شام کے ساحل پر اب بھی ان کی ایک ریاست باقی تھی، اور عیسائی مبلغین اور علماء کے حوصلے اس فتح سے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ وہ شام کو دوبارہ مسیحیت کے جھنڈے کے نیچے اور صلیب کے سایہ میں لینے کے خواب دیکھتے تھے، تاتاریوں کے حملے نے ایک طرف مسلمانوں کو نیم جان کر دیا تھا اور دوسری طرف عیسائیوں کو بڑا سہارا دیا تھا، کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکا ہے کہ ۱۵۱۷ء میں جب تاتاری دمشق میں فاتحانہ داخل ہوئے تو عیسائیوں نے شہر سے نکل کر ان کا استقبال کیا، اور ان کو تحائف پیش کئے، وہ صلیب کو سروں پر بلند کئے ہوئے تھے، اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ دین برحق یسوع مسیح کا دین غالب آیا۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول ص ۲۴ دوسرا ایڈیشن۔

الجواب الصحيح کی تصنیف

یوں تو مسیحی علماء اور پادری مسلمانوں سے اکثر سوال و جواب کرتے رہتے تھے، اور علماء اسلام ان کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے اور مذہب مسیحی کی کمزوریاں ظاہر کرتے رہتے تھے، لیکن امام ابن تیمیہ کے لئے اس موضوع کی طرف خصوصی توجہ کرنے کا خاص سبب یہ پیش آیا کہ قبرص (سائپرس) سے عیسائیوں کی ایک نئی مناظرانہ تصنیف ملک شام پہنچی جس میں عقلی اور نقلی حیثیت سے مسیحیت کا اثبات کیا گیا تھا، اور مسیحی عقائد کو عقلاً و نقلاً ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اس کتاب میں پوری قوت کے ساتھ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ رسول اللہ کی بعثت عمومی نہیں، آپ صرف عربوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، اور مسیحی آپ پر ایمان لانے کے لئے مکلف نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب نے شام کے علمی اور دینی حلقہ میں کافی اہمیت اختیار کر لی تھی۔

اس کتاب کا جواب دینے کے لئے وہی شخص موزوں تھا جو ایک طرف فلسفہ اور علم کلام اور عقائد و فرق پر بڑی وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو، دوسری طرف عہد عتیق اور عہد جدید کے صحیفوں (بائبل) پر اس کو پورا عبور اور مسیحیت کی تاریخ پر اطلاع ہو، اس لحاظ سے اس عصر میں امام ابن تیمیہ سے زیادہ کوئی اس کام کا اہل نہ تھا، انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، اور الجواب الصحيح لمن بدل دین المسیح کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی، جو نہ صرف اس موضوع پر بلکہ خود امام ابن تیمیہ کی تصنیفات میں ایک امتیازی مقام رکھتی ہے، اس کتاب سے ان کی وسعت نظر مطالعہ کے تنوع، مذاہب ادیان کی تاریخ سے گہری واقفیت اور صحت سابقہ پر وسیع نظر کا اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب میں انھوں نے صرف مدافعت اور صفائی پیش کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ مسیحیت کی بنیادوں پر بھی حملہ کیا ہے، نبوت محمدی کے ثابت کرنے کے لئے انھوں نے

لے اس کتاب کے مجموعی صفحات ۱۳۹۵ ہیں (۱۹۰۵ء) میں شیخ فرج الشرنوبی نے ردی اور شیخ مصطفیٰ قبانی دمشق کے استاد میں ص ۱۱۱ شائع ہوئی۔

وہی قدیم اور اصطلاحی دلائل نہیں پیش کئے ہیں، جو علم کلام اور مناظرہ فرق کی کتابوں کا قدیم شعار ہے بلکہ ایسے نئے وجوہ و دلائل پیش کئے ہیں جو زیادہ دل نشیں اور ایمان آفریں ہیں، ایک منصف مزاج اور معقولیت پسند انسان کو تسلیم و اعتراف پر مجبور کر دیتے ہیں، پھر اس کتاب میں مسیحیت کی تاریخ، مسیحی علم کلام، اور مسیحی علماء کی مؤثر گائیوں اور تاویلات کا اتنا مواد نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارتوں اور آپ کے دلائل نبوت اور آپ کی پیشین گوئیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ پیش کر دیا ہے، جو تنہا کسی ایک کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکتا اور جس کے لئے بہت بڑا کتب خانہ کھنگالنے کی ضرورت ہوگی، ہمیں مشہور مصری فاضل شیخ محمد البوزہرہ کی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے:-

وان هذا الكتاب أهدأ ما لكتبه ابن تيمية امام ابن تيمية کی مناظرہ تصنیفات یہ کتاب ہے
فی الجدل، وهو وحده كجديد بيان يكتسب زیادہ ٹھنڈی اور پرسکون ہے، یہ کتاب تنہا ان کو
ابن تيمية في سجل العلماء العاملين والأئمة باعمل علماء، مجاہدائے اور غیر فانی مفکرین کا مرتبہ
المجاهدين والمفكرين الخالدین دلانے کے لئے کافی ہے۔

پیش نظر مضمون میں اس کتاب پر ایک اجمالی نگاہ ڈالنی ہے اور اقتباسات کی مدد سے اس کا ایک ایسا خلاصہ پیش کرنا ہے جس سے ان کا نقطہ نظر اور اس کتاب کی روح سامنے آجائے۔

مسیحیت حضرت مسیح کی تعلیم اور رومی بہت پرستی کا مجموعہ ہے

جن مسلمان علماء و مصنفین نے مسیحیت کی تردید و تنقید پر قلم اٹھایا، ان میں سے اکثر خود مسیحیت کی تاریخ سے ناواقف تھے، انھوں نے مسیحیت کو حضرت مسیح کے اقوال و حالات کا مجموعہ سمجھ کر اور ایک آسمانی مذہب کا درجہ دے کر بحث کی اور اس طرح اس کو ایسا اعزاز بخشا جس کی وہ مستحق نہیں تھی، امام ابن تیمیہ

چونکہ مسیحیت کی تاریخ اور اس کے تدریجی ارتقاء و تغیرات پر نظر رکھتے ہیں، اس لئے وہ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں کہ ان کے زمانہ کی مسیحیت حضرت مسیح کی تعلیمات اور یونانیوں اور رومیوں کے مشرکانہ عقائد اور رسوم اور علم الاصنام (دیوالا) کا ایک عجیب و غریب مرکب ہے، اس لئے وہ عام ناقدین کی اس تاریخی غلطی کا شکار نہیں ہوتے، اور پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ موجودہ مسیحیت کی تنقید کا فرض انجام دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

”رومی اور یونانی وغیرہ مشرک و بت پرست تھے، وہ ہیاکل علوی اور اصنام ارضی کی پرستش کرتے تھے، حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے سفراء و مبلغین کو ان کی طرف امر الہی کی دعوت دینے کے لئے بھیجا، ان میں سے بعض آپ کی زندگی میں ان ملکوں میں گئے، اور بعض آپ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد انھوں نے ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی، کچھ لوگوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا، اور ایک مدت تک اس پر قائم رہے، پھر شیطان نے ان میں سے کچھ لوگوں کو یہی پڑھائی کہ وہ حضرت مسیح کے دین کو بدل دیں، انھوں نے اپنا یہاں دین ایجاد کیا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے دین اور مشرکین کے دین کا مجموعہ تھا“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”عیسائیوں نے دو دینوں کو ملا کر ایک دین بنایا، ایک انبیاء موحدین کا دین، ایک مشرکین کا دین، ان کے دین میں ایک حصہ تو انبیاء کی تعلیمات کا ہے اور ایک حصہ ان نئے اقوال و افعال کا ہے جو انھوں نے مشرکین کے دین میں سے لے کر شامل کئے ہیں، اس طرح سے انھوں نے اقانیم کے الفاظ ایجاد کئے جن کا انبیاء علیہم السلام کے کلام میں نہیں پتہ نہیں چلتا، اسی طرح سے انھوں نے محتم اور سایہ البتوں کی جگہ پر وہ بت ایجاد کئے جن کا سایہ نہیں، اسی طرح آفتاب چاند اور کوکب کی طرف نماز پڑھنے ہوئے بہار میں روزہ رکھنے کو دین میں داخل کیا، تاکہ دین شرعی اور امر طبعی دونوں کو وہ جمع کر لیں“

موجودہ مسیحیت عہد قسطنطین کی تصنیف ہے

وہ اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہتے ہیں کہ مسیحیت کی ابتدائی تحریف و تبدیلی کے علاوہ جو مسیحیت کے ابتدائی عہد اور پال (پولس) کے زمانہ میں ہو گئی تھی دوسری بڑی تحریف اور تبدیلی قسطنطین کے زمانہ میں ہوئی جو چوتھی صدی مسیحی کا مشہور رومی بادشاہ ہے اور جو پہلی مسیحی سلطنت کا بانی ہے وہ لکھتے ہیں:

”عیسائیوں کے عقائد اور شریعت و احکام ان کے علماء و اکابر برابر تصنیف کرتے رہے جیسے کہ بادشاہ

قسطنطین کے زمانہ میں ۳۱۸ء میں نے وہ عیسائی محض تیار کیا جس پر مختلف مسیحی فرقوں نے اتفاق کیا اور

اریوسی وغیرہ جو اس کے مخالف تھے ان پر لعنت کی اس محضر میں وہ مسائل ہیں جن کا کسی آسمانی کتاب میں

نشان نہیں تھا بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کے مخالف اور عقل صریح کے معارض ہیں۔“

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”اس مذہب سمجھوتے میں انھوں نے حضرت مسیح اور انبیاء کی پیروی نہیں کی بلکہ ایک نیا عقائد

تیار کیا جس کا انبیاء علیہم السلام کے کلام میں کوئی سرغ نہیں ملتا انبیاء علیہم السلام کے کلام

نیز حضرت مسیح اور دوسرے انبیاء کے کلام میں کہیں اللہ کے اقانیم کا ذکر نہیں نہ تین کا نہ زیادہ

کا نہ کہیں صفات ثلاثہ کا ثبوت ہے نہ کہیں کسی صفت الہی کو ابن اللہ یا رب کے لفظ سے تعبیر

کیا گیا ہے نہ اللہ کی حیات کو روح کہا گیا ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ خدا کا ایک فرزند ہے جو اللہ حق

ہے اور اللہ حق سے وجود میں آیا ہے وہ اپنے باپ کے جوہر سے ہے اور وہ بھی اسی طرح خالق ہے

جیسے کہ اللہ خالق ہے اسی طرح ہے اور وہ دوسرے اقوال جو مختلف اقسام کفر و شرقت ہیں اس طرح

کے اقوال کسی نبی سے بھی منقول نہیں۔“

اناجیل کی صحیح حیثیت

بعض علماء اسلام سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انھوں نے انجیل کو قرآن مجید اور دوسرے صحیف سماوی کے درجہ میں رکھ کر بحث کی ہے اور عیسائی علماء و مبلغین کے دعوے اور شہرت عام سے متاثر ہو کر تسلیم کر لیا کہ وہ بھی اسی طرح کی ایک آسمانی کتاب ہے جیسے کہ دوسری آسمانی کتابیں یہ ایک بنیادی غلطی تھی جو محض عہد جدید کی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے امام ابن تیمیہ انجیل کو وہی مقام دیتے ہیں جس کی وہ مستحق ہے ان کے نزدیک انجیل کے ان چار صحیفوں کی حیثیت سیرت اور حدیث کی عام کتابوں کی طرح زائد نہیں وہ لکھتے ہیں:-

”ان اناجیل اربعہ میں بعض راویوں نے کچھ حضرت مسیح کے اقوال اور کچھ ان کے افعال و معجزات نقل کئے

ہیں انھوں نے اس کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے حضرت مسیح سے جو کچھ سنا اور دیکھا سب نقل نہیں کیا پس جیسے

محدثین اور اصحاب سیر و مغازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال نقل کرتے ہیں اور کوئی ان کو

قرآن کا درجہ نہیں دیتا اسی طرح سے ان راویوں نے حضرت مسیح کے اقوال و افعال نقل کئے ہیں اور

اور ان کی حیثیت بھی وہی ہے جو ہمارے یہاں سیرت اور حدیث کی کتابوں کی ہے۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”آج جو انجیل عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے اس کے متعلق ان کو خود اعتراف ہے کہ وہ حضرت

مسیح کی لکھی ہوئی ہے نہ ان کی لکھوائی ہوئی ہے حضرت مسیح کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد متی

اور یوحنا نے (جو حضرت مسیح کے حواری تھے) اور ان کو آپ کی صحبت حاصل ہوئی اور مرقس اور لوقا نے

(جنھوں نے حضرت مسیح کو نہیں دیکھا) لکھوایا اس کو اتنے آدمیوں نے یاد نہیں کیا جو تو اتر کی حد تک

پہنچ جائے ان چاروں مصنفین کا بھی یہ بیان ہے کہ انھوں نے حضرت مسیح کے اقوال و حالات کا

کچھ حصہ نقل کیا ہے، انہوں نے پورے اقوال و افعال کا استیعاب بھی نہیں کیا، دونین چار کے نقل کرنے میں غلطی کی گنجائش ہے خصوصیت کے ساتھ اس لئے اور بھی کہ خود حضرت مسیح کے بارے میں ان کو غلطی ہوئی، اور یہ بات مشتبہ ہو گئی کہ کون مصلوب ہے؟
وہ نہ صرف انجیل بلکہ تورات کے متعلق بھی لکھتے ہیں:-

”تورات کی نقل و روایت میں بھی انقطاع واقع ہوا جب بیت المقدس ویران کیا گیا اور بنی اسرائیل وہاں سے جلا وطن کئے گئے، یہودیوں کی روایت ہے کہ اس کے بعد ایک شخص نے تورات قلمبند کروائی جس کا نام عاذرتلاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ وہ نبی تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے، ان کا بیان ہے کہ اس نسخہ کا ایک دوسرے پرانے نسخہ سے مقابلہ کیا گیا، ایک روایت یہ ہے کہ ایک نسخہ جو مغرب میں تھا لایا گیا، اس سے مقابلہ ہوا، اس سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے الفاظ متواتر نہیں ہیں اور ان میں بعض مقامات میں غلطی کا وقوع ناممکن نہیں جیسے ان تمام کتابوں میں پیش آتا ہے جس کو دو چار آدمی نقل کرتے ہیں اور ان کا مقابلہ کرتے ہیں اور حفظ کرتے ہیں؟
آخر میں وہ نتیجہ نکالتے ہیں:-

”عیسائیوں کے پاس ان انجیلوں کے الفاظ کی حضرت مسیح سے کوئی متواتر روایت نہیں اور نہ احکام و عقائد کی کوئی متواتر نقل ہے، جن پر وہ قائم ہیں، نہ یہودیوں کے پاس تورات کے الفاظ اور انبیاء کی پیشین گوئیوں کی کوئی متواتر نقل ہے، جیسی مسلمانوں کے یہاں قرآن اور احکام شرعیہ کی متواتر نقل موجود ہے، جو عوام و خواص سب کو معلوم ہے؟
وہ قرآن مجید اور تورات و انجیل کا فرق دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”قرآن مجید کے الفاظ و معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر چلے آ رہے ہیں اور ان پر

اجماع ہے، اسی طرح سے سنت متواترہ، اسی طرح مسلمانوں کے پاس اپنے نبی کے بہت سے حالات اور واقعات ہیں، جن کا صحیح ہونا مختلف طریقوں سے معلوم ہے مثلاً امت کی تصدیق، عادات کی دلالت وغیرہ، یہ قرآن مجید مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے، اس کا حفظ کسی لکھی ہوئی کتاب پر موقوف نہیں، اگر مصاحف خدا نخواستہ دنیا سے ناپید ہو جائیں تو اس سے ان کے حفظ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بخلاف اہل کتاب کے کہ اگر بائبل کے نسخے معدوم ہو جائیں تو ان کے پاس اس کے الفاظ کی کوئی متواتر نقل نہیں ہے، اس لئے کہ کتابوں کے محدثے چند حافظ ہیں جن کے حفظ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے عہد نبوت کے بعد ان کتابوں میں برابر تبدیلی (معنوی یا لفظی) واقع ہوتی رہی، اور اسی لئے ان میں اس سند کا رواج نہیں جس کا مسلمانوں میں رواج ہے اور نہ جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کا وہ علم ہے جو مسلمانوں کے پاس موجود ہے؟

اناجیل میں تحریف

امام ابن تیمیہ کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ تورات و انجیل میں تحریف لفظی کے قائل نہیں لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے اس کی تردید ہوتی ہے، اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ اس پر بار بار زور دیتے ہیں کہ تحریف معنوی پر اتفاق ہے اور چونکہ ان کے نزدیک علمائے یہود و نصاریٰ بھی اس کے قائل ہیں کہ تحریف معنوی ہوئی ہے، اس لئے وہ اس سے زیادہ استدلال کرتے ہیں اور علمائے یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اس کو پیش کرتے ہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

واذا عرف ان جميع الطوائف من المسلمين واليهود والنصارى يشهدون انه قد وقع
جب یہ بات مسلم ہے کہ مسلمان یہود اور عیسائی سب اس بات کے قائل ہیں کہ ان کتابوں (توراة و انجیل)

فی هذا الکتاب تحریف وتبدیل فی معانیہا
و تفاسیرہا و شرائعہا فہذا القدر کافی ہے۔
کے معانی و تفسیر و احکام میں تحریف واقع ہوئی ہے
تو اتنی بات بھی کافی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

ولکن علماء المسلمین و علماء اہل الکتاب
متفقون علی وقوع التحریف فی المعانی والقیاس
مسلمان علماء اور علمائے اہل کتاب اس بات پر متفق
ہیں کہ تورات و انجیل کے معانی و تفسیر میں تحریف ہوئی ہے

لیکن کیا تورات و انجیل کے الفاظ میں بھی تحریف ہوئی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں ان کو اس سے تو
اتفاق نہیں ہے کہ یہ کتابیں سرتاپا محرف ہو گئی ہیں اور ان میں کہیں بھی اصل الفاظ نہیں ہیں لکھتے ہیں کہ اس
قول کی نسبت مسلمانوں کی طرف صحیح نہیں کہ ان کتابوں کے تمام الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے
بعد تمام زبانوں میں بدل دیئے گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے علم میں علماء مسلمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے
البتہ وہ اس کے قائل ہیں کہ ان کتابوں میں جزوی تحریف ضرور ہوئی ہے اور بہت سے مقامات
پر اس کے الفاظ بدل دیئے گئے ہیں وہ اسی کو جمہور کا مسلک بتلاتے ہیں وہ لکھتے ہیں:-

فجمہور المسلمین یمنعون هذا
ويقولون ان بعض الفاظہا بدل
لما قد بدل كثير من معانیہا
جمہور کو اس بات سے انکار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات و انجیل کے تمام الفاظ کی تصدیق
کی ہے اور ان کا مسلک ہے کہ ان کتابوں کے بعض
الفاظ تو ضرور بدل دیئے گئے ہیں جیسے کہ اس کے
بہت سے مطالب و تشریحات بدل دی گئی ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

والصواب الذي عليه الجمہور ان
صحیح مسلک جس پر جمہور ہیں وہ یہ کہ ان کتابوں کے

لے ابواب الصبح حصہ اول ص ۲۷۷ ۲۷۸ ایضاً ص ۲۷۹ ایضاً

بذل بعض الفاظہا

بعض الفاظ میں ضرور تبدیلی ہوئی ہے۔

نصاری الفاظ انبیاء کو سمجھے نہیں

وہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں کی گمراہی اور عقیدہ تثلیث اور شرکانہ خیالات کا بڑا سبب اور فساد کا
سبب یہ ہے کہ عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کے بہت سے الفاظ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا اور بہت سے
الفاظ کے مفہوم کی تحریف کر دی وہ کہتے ہیں اس لحاظ سے یہودیوں کو عیسائیوں پر کسی درجہ میں فوقیت حاصل
ہے اگرچہ وہ ضد تکبر اور انکار حق میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی زبان اور
الفاظ سے اتنے نا آشنا نہیں ہیں۔

وہ اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ ان آسمانی کتابوں کے سمجھنے اور ان سے صحیح طور پر تعلیم کو اخذ
کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اصطلاحات کا سمجھنا بہت ضروری ہے وہ لکھتے ہیں:-

ان معرفة اللغة التي خاطبنا بها الانبياء
و حمل كلامهم عليها امر واجب متعين
ومن سلك غير هذا المسلك فقد
حرف كلامهم عن مواضعه وكذب
عليهم وافتري
اس زبان کا سمجھنا جس میں انبیاء علیہم السلام نے
ہم سے خطاب کیا اور ان کے الفاظ کا وہی مطلب لینا
جو ان کی مراد تھی ضروری اور یقینی چیز ہے جو اس کے
علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا وہ ان کے کلام کو
اصل مفہوم سے ہٹا دے گا اور ان پر جھوٹ باندھے

اور افترا پر دازی کے جرم کا مرتکب ہوگا۔

اسی زبان اور اصطلاحات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ابن اور روح القدس کے معنی غلط
سمجھ لئے گئے اور تثلیث کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔

لے ابواب الصبح حصہ دوم ص ۱۰۹ ایضاً ص ۱۱۰ ایضاً حصہ سوم ص ۱۸۱

الفاظ کے صحیح معنی

وہ لکھتے ہیں:-

”اہل کتاب نے انبیاء علیہم السلام سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اب (باپ) اور ابن (فرزند) کے الفاظ استعمال کئے، ان کی خود مراد اب سے رب اور ابن سے منتخب اور محبوب تھی کسی نے بھی ان سے یہ نقل نہیں کیا کہ انھوں نے صفات الہی میں کسی صفت کو لفظ ابن سے تعبیر کیا ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے متعلق یہ کہا ہو کہ اس کا اس سے تولد ہوا، یا وہ اس کی مولود ہے پس اگر حضرت مسیح کے کلام میں یہ آتا ہے کہ لوگوں کو باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے بتیسرے تو لفظ ابن کی تفسیر کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم اور ازلی صفت ہے حضرت مسیح پر محض افتراء ہے اس لئے کہ ان کی زبان میں ابن سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدیم ازلی صفت نہیں تھی اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی صفت حیات کو روح القدس کے لفظ سے کبھی تعبیر نہیں کیا گیا، ان کی زبان اور اصطلاح میں روح القدس سے مراد وہ ہستی یا شئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین پر نازل فرماتا تھا، اور اس سے ان کی تائید فرماتا تھا:

دوسری جگہ عیسائیوں کو خطاب کر کے لکھتے ہیں:-

”تمہاری گمراہی کا سبب یہ ہے کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کے صریح اور واضح کلام کو چھوڑ کر وہ تاویلین اختیار کیں جن پر انبیاء علیہم السلام کا کلام نصاً اور ظاہراً دلالت نہیں کرتا تم نے محکم کو چھوڑ دیا، اور فتنہ اور تاویل کی جستجو میں تشابہ کی پیروی کی، اگر تم اس کلام کے ظاہر کو پکڑے رہتے تو گمراہ نہ ہوتے اس لئے کہ ابن کا لفظ جہاں انبیاء علیہم السلام کے کلام میں آتا ہے وہاں اس سے کوئی صفت مراد نہیں ہوتی بلکہ اللہ کا دوست اور اس کا محبوب مراد ہوتا ہے روح القدس

سے بھی کوئی صفت مراد نہیں ہوتی، بلکہ وحی اور فرشتہ مراد ہوتا ہے تم نے ظاہر لفظ اور اس کے مفہوم کو چھوڑ کر ایسے معنی مراد لئے جن پر لفظ مطلقاً دلالت نہیں کرتے:

الفاظ ابن اور روح القدس مشترک و عام ہیں

پھر وہ توراۃ و انجیل کی عبارتوں اور نصوص سے ثابت کرتے ہیں کہ ابن اور روح القدس کے الفاظ حضرت مسیح کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بکثرت دوسروں کے لئے استعمال ہوئے ہیں وہ لکھتے ہیں:

”ابن اور روح القدس کے الفاظ حضرت مسیح کے علاوہ دوسروں کے حق میں خود تمہارے نزدیک

آئے ہیں تم خود بیان کرتے ہو کہ حواریوں نے کہا کہ حضرت مسیح نے ان سے فرمایا بیشک الترمیر اور تمہارا

باپ ہے اور میرا اور تمہارا معبود ہے، وہ خود کہتے ہیں کہ روح القدس ان میں حلول کرتا ہے تمہارے

پاس جو تورات ہے اس کے اندر یہ عبادت موجود ہے کہ رب نے حضرت موسیٰ سے کہا فرعون کی طرف

جا، اور اس سے کہہ رب کہتا ہے اسرائیل میرا پلوٹھی کا لڑکا ہے اس کو چھوڑ دے تاکہ وہ میری عبادت

کرے اگر تو نے میرے پلوٹھی کے بیٹے کو چھوڑنا منظور نہ کیا تو میں تیرے پلوٹھی کے بیٹے کو قتل کر دوں گا

جب فرعون نے بنی اسرائیل کو نہ چھوڑا تو جیسے خدا نے کہا تھا تو خدا نے فرعون کے اور فرعون کی قوم

کے پلوٹھی کے بیٹوں کو قتل کر دیا، اس فرعون کے بیٹے سے لے کر جو تخت پر بیٹھا تھا، دوسرے آدمیوں

اور ان کے جانوروں کے پلوٹھی کے بیٹوں تک توبہ تورات تمام بنی اسرائیل کو اللہ کے بیٹے اور اس کی

پلوٹھی کی اولاد کہہ رہی ہے اور اہل مصر کے بیٹوں کو فرعون کے بیٹے بتلا رہی ہے اور اس سے بھی زیادہ

وسعت سے کام لیتی ہے اور جانوروں کے بچوں کو جانوروں کے مالک کا بچہ کہتی ہے اسی طرح سے

مزامیر داؤد میں ہے تو میرا بیٹا ہے تو مجھ سے سوال کریں دوں گا، انجیل میں حضرت مسیح کا یہ قول نقل

کیا گیا ہے، میں اپنے اور تمہارے باپ اور اپنے اور تمہارے مہر کے پاس جانے والا ہوں اور انھوں نے فرمایا: جب تم دعا کرو تو کہو اے ہمارے باپ جو آسمان میں ہے، قدوس تیرا نام ہے، ہمیں فلاں فلاں نعمتیں عطا کرو اسی طرح روح القدس کے حلول کرنے کا تذکرہ صرف حضرت مسیح ہی کے بارے میں نہیں آتا بلکہ اور انسانوں کے بارے میں بھی آتا ہے۔

غرض انھوں نے مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے کہ جن الفاظ سے نصاریٰ حضرت مسیح کی انبیت حلول و اتحاد اور الوہیت کے لئے استدلال کرتے ہیں، وہ الفاظ تورات و انجیل میں کلمات و مرآت غیر مسیح کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، اور وہ سب کنایات مجازات و محاورات ہیں، آخر میں وہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ گذشتہ پیشین گوئیوں اور تورات و انجیل و زبور جیسی آسمانی کتابوں اور دوسرے

انبیاء کی پیشین گوئیوں میں کوئی بات ایسی نہیں کی گئی ہے جس سے حضرت مسیح کے متعلق خصوصیت سے

یہ ثابت ہو کہ ان کو الوہیت کا اتحاد و حلول حاصل تھا، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، ان کی خصوصیت

بس اتنی ہی بیان کی گئی ہے، جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں بیان کر دی ہے: اِنَّمَا

الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللهِ وَكَلِمَةُ الْفَصْحَاءِ اِلَى مَرْيَمَ وَدُوْحٌ مِّنْهَا واقعہ یہ ہے کہ انبیاء

کے صحیفہ سابقہ اور تمام پیشین گوئیاں اس کے بالکل مطابق ہیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اطلاع دی اور ان میں سے ایک سے دوسرے کی تصدیق ہوتی ہے، عیسائی باقی جن الفاظ سے حضرت

مسیح کی الوہیت پر استدلال کرتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں، یہ تمام الفاظ

و کلمات حضرت مسیح کے علاوہ دوسروں کے متعلق بھی آئے ہیں تو حضرت مسیح کو الوہیت کے ساتھ

مخصوص کرنا بے اصل بات ہے، مثلاً ابن مسیح، روح القدس کا آپ میں حلول کر جانا یا آپ کو الہ

کے لفظ سے یاد کرنا، یا آپ کے اندر رب کا ظہور یا حلول کرنا، یا ساکن ہونا یا اس کی جگہ پر ساکن ہونا

یہ سب الفاظ دوسروں کے لئے بھی موجود ہیں، اور اس سے وہ الثابت نہیں ہوتے۔

مسیحی کبھی ان مقولات سے ہٹ کر قائم و حلول و اتحاد عقلی بحث کرتے ہیں، اور اس کو ایک فلسفیانہ یا متصوفانہ بحث بنا دیتے ہیں، امام ابن تیمیہ نے اس پر خالص اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے سیر حاصل بحث کی ہے، چونکہ یہ ان کا خاص موضوع ہے، اور علم کلام و عقائد اور وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں وہ اس پر بار بار بحث کر چکے ہیں، اس لئے وہ دل کھول کر اس پر بحث کرتے ہیں، اور ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ بالکل خلاف عقل باتیں ہیں، اور ایک خود ساختہ فلسفہ ہے جس کا حقائق و مقولات سے کوئی تعلق نہیں۔

منافی عقل باتیں

جب عقلی حیثیت سے عیسائیوں پر گرفت کی جاتی ہے، اور ثابت کیا جاتا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ

بالکل خلاف عقل اور ناقابل فہم عقیدہ ہے، اور عام انسانی عقل اس کی تائید نہیں کرتی تو وہ پھر مقولات

کی طرف پناہ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کیا کیا جائے آسمانی کتابوں میں سی طرح سے آیا ہے، اور یہ امور و عقائد

عقل و قیاس سے بالاتر حقیقتیں ہیں، جن میں ایمان و تقلید ہی سے کام لینا پڑتا ہے، اس کو عقلی حیثیت سے

سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، امام ابن تیمیہ اول تو اسی باتے انکار کرتے ہیں کہ عقائد

و تعلیمات آسمانی کتابوں میں آئی ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں ان کے خلاف تعلیمات ہیں، پھر

وہ کہتے ہیں کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک وہ جو عقلی حیثیت سے محال اور باطل ہے، اور سب جانتے ہیں

کہ وہ چیزیں ناممکن ہیں، اور ایک وہ جس سے عقل قاصر ہے، وہ اس کی حقیقت کو پہچان نہیں سکتی، اور

اس میں نفیاً و اثباتاً کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتی، وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور

کلام میں صرف دوسری قسم پائی جاتی ہے، گویا ان کے کلام میں مخالف عقل چیزیں نہیں ہیں، اور اے عقل

چیزیں ہیں اور مخالف عقل اور اورائے عقل میں بڑا فرق ہے وہ لکھتے ہیں:-

لا یميزون بین ما یجلیه العقل ویبطله
و یعلمونه معتنع و بین ما یعجز عنه العقل
فلا یعرفه ولا یعلم فیہ بنفی ولا اثبات
فان الرسل اخبرت بالنوع الثانی ولا
یجوز ان تغیر بالنوع الاول فلم یفرقوا
بین محالات العقول ومحارات العقول
وقد ضاهوا فی ذلك من قبلهم من
المشركین الذین جعلوا الله ولدا و
شریکا۔

یہ عیسائی علماء ان چیزوں میں جن کو عقل محال بتلاتی ہے اور باطل ٹھہراتی ہے اور یقین سے معلوم ہے کہ وہ معتنع ہیں اور ان چیزوں میں جن کے بارے میں عقل عاجز ہے وہ اس کی حقیقت نہیں معلوم کر سکتی اور نفی و اثبات کا فیصلہ نہیں کر سکتی کچھ فرق نہیں کرتے حالانکہ انبیاء نے صرف دوسری قسم کی اطلاع دی ہے پہلی قسم کی اطلاع ان کے کلام میں ممکن نہیں یہ عیسائی علم محالات ہیں اور ان مسائل و حقائق میں جن میں عقل سرگرداں و حیران رہتی ہے تمیز نہیں کر سکے انھوں نے اس بارہ میں شرکین کا مقابلہ کیا ہے جنھوں نے اللہ کے لئے بیٹا اور شریک ٹھہرایا۔

وہ بڑے شد و مد سے ثابت کرتے ہیں اور ان کی تمام کتابیں اس بیان سے بھری ہوئی ہیں کہ دین صحیح عقل صریح کے خلاف نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں اس مقام پر دو جماعتوں نے ٹھوکر کھائی ہے، بعض لوگوں نے معقولات میں ریا غلو کیا کہ جو معقول نہیں تھا، اس کو بھی معقول بنا دیا، اور اس کو حیات اور انبیاء کے نصوص پر ترجیح دی، ایک گروہ نے یہ بے اعتدالی کی کہ صریح معقولات کو رد کر دیا، اور اپنے خیالی سمعیات اور حیات کو ان پر مقدم رکھا، یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک حق دوسرے حق کا مخالف اور مکذب نہیں ہوتا، بلکہ ان میں سے ایک کی دوسرے سے تصدیق ہوتی ہے، بخلاف باطل کے کہ وہ مختلف

اور متناقض ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مخالفین انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَالسَّمَاءَ ذَاتِ الْغُبَرِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ
مُخْتَلِفٍ ۝ يُؤْفِكُ عَنْهُ مِنَ الْفَلَکِ ۝
(الذاریات - ۹، ۸، ۷)

آسمان جالی دار کی قسم ہے البتہ تم پیچیدگیاں میں
پڑے ہوئے ہو قرآن سے وہی روکا جاتا ہے،
جو ازل سے گمراہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو چیز عقل صریح سے ثابت ہو جائے اس کی مخالف نہ تو خبر صحیح ہوتی ہے نہ حسن صحیح اور جو چیز نقل صحیح سے ثابت ہو جائے اس کی معارض نہ عقل ہوتی ہے نہ حسن اسی طرح جو چیز حسن صحیح سے معلوم ہو جائے اس کے متناقض نہ خبر ہوتی ہے نہ معقول ہے اور یہی عیسائیت اور اسلام کا فرق ہے کہ اسلام میں عقل و نقل کی پوری مطابقت ہے اس میں حقائق غیبیہ ضرور ہیں جو اورائے عقل ہیں لیکن مخالف عقل نہیں بخلاف مسیحیت کے جس میں بہت سے مسائل اور عقائد مخالف عقل ہیں اور بہت سے سچی علماء بھی ان کو مخالف عقل مانتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ عقل کے بعد کی چیزیں ہیں اور ان کو آنکھ بند کر کے ماننا ہی پڑے گا۔

توحید اور حضرت مسیح کی عبدیت کے قائل مسیحی علماء

اس کتاب میں امام ابن تیمیہ نے ایک بڑا مفید کام یہ کر دیا ہے کہ ان علماء مسیحیت اور یسویان مذاہب کے اقوال اور ان کا کلام نقل کر دیا ہے، جو توحید اور حضرت مسیح کی عبدیت کے قائل تھے، لیکن ان کو مختلف اسباب کی بنا پر مسیحی دنیا میں قبول عام حاصل نہ ہو سکا، اس سلسلہ میں انھوں نے فرق نصاریٰ کی تفصیل اور غالب مذہب کا تذکرہ اور اس کی تشریح کی ہے جس سے ان کی گہری واقفیت وسیع مطالعہ اور باریک بینی کا اظہار ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں انھوں نے ایک نو مسلم عالم حسن بن ایوب کا ایک طویل رسالہ نقل کر دیا ہے

جس میں اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کے اسباب اور دین اسلام کی ترجیح کے دلائل تفصیل سے نقل کئے ہیں، یہ رسالہ گرانقدر معلومات پر مشتمل ہے۔

تورات و صحف سماویہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں

اس سب سے فارغ ہو کر امام ابن تیمیہ نے وہ بشارتیں اور پیشین گوئیاں نقل کی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اطلاع اور بعثت کی خبر دی گئی ہے، ان بشارتوں اور پیشین گوئیوں کے تذکرے میں انھوں نے بڑے استقصاء اور استیعاب سے کام لیا ہے اور اشعیا نبی، یحقوق، دانیال اور حضرت مسیح کے کلام سے وہ تمام جملے اور عبارتیں نقل کر دی ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں، اس سلسلہ میں جتنا مواد اس کتاب میں آگیا ہے، وہ مشکل سے کسی اور کتاب میں مل سکتا ہے، انھوں نے ان پیشین گوئیوں کی تشریح بھی کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر منطبق ہوتی ہیں۔

ان پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی انجیل یوحنا کی پیشین گوئی ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ ان اَرْکون العالم سیاتی ولیس لی شیء (ارکون کے معنی عبرانی میں عظیم الشان اور جلیل القدر کے ہیں، اور عظماء و اکابر کو ارکون کہتے ہیں) امام ابن تیمیہ یہ ثابت کرتے ہوئے کہ اس پیشین گوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لکھتے ہیں۔

تمام اہل زمین کا اس پر اتفاق ہے، اور یہ بات بالکل بدیہی اور یقینی ہے کہ حضرت مسیح کے بعد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی تھی جن کی باطنی اور ظاہری سیادت تمام عالم پر قائم ہوئی، قلوب اور اجسام ان کے فرمانبردار تھے، اور اپنی زندگی اور اپنی وفات کے بعد تمام زمانوں میں اور شرق و مغرب کے تمام اقالیم معتقد ہیں آپ کی ظاہر اور باطنی اطاعت کی گئی، بادشاہوں کی صرف ظاہری

طور پر اطاعت کی جاتی ہے، اور موت کے بعد کوئی ان کی فرمانبرداری نہیں کرتا، اور اہل مذہب کے ان کی ایسی اطاعت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، جس سے کہ ان کو آخرت میں اجر کی امید اور سزا کا خوف ہو لیکن انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی یہی شان ہوتی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین کے دین کو ظاہر کیا، ان کی تصدیق فرمائی ان کے نام کا چرچا کیا، اور ان کا مرتبہ بلند کیا، آپ ہی کی بدولت وہ بڑی قومیں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء اور مرسلین پر ایمان لائیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ان پر ایمان نہ لائیں، اہل کتاب ان میں سے جن کے نام سے آشنا بھی تھے، ان کے بارے میں بھی ان کو اختلاف تھا، وہ حضرت داؤد سلیمان وغیرہ پر اعتراض کرتے تھے، اور ان پر طعن کرتے تھے، ان کے علاوہ اور بہت سے غیر مثلاً ہود، صالح، شعیث وغیرہ ہیں جن کو جانتے بھی نہ تھے۔

معجزات و دلائل نبوت

اس سے فارغ ہونے کے بعد امام ابن تیمیہ نے معجزات نبوی (جن کے متعلق ان کو اصرار ہے کہ آیات کا لفظ اصل قرآنی اصطلاح اور زیادہ صحیح تعبیر ہے) کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اپنی عادت کے موافق اس سلسلہ میں اتنا مواد جمع کر دیا ہے جو آسانی کے ساتھ ایک جگہ نہیں مل سکتا، اس سلسلہ میں معجزات کی تعریف، ان کے ثبوت کا طریقہ اور بہت سے اصولی اور کلامی مباحث اور لطیف نکتے آگئے ہیں۔

ان معجزات و آیات کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے صرف ان ہی مشہور و معروف معجزات پر اکتفا نہیں کیا ہے، جو عام طور پر سیرت و کلام کی کتابوں میں ذکر ہوتے چلے آ رہے ہیں، بلکہ آیات و دلائل نبوت کے دائرہ کو اتنا وسیع کیا ہے کہ اس میں آپ کی پوری سیرت و شمائل کو شامل کر لیا ہے، جو نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور

اہل انصاف اور اہل نظر کے لئے نبوت محمدی پر سب سے بڑی حجت اور برہان ہے گویا وہ مولانا روم سے اس بار میں اتفاق کرتے ہیں۔

دردِ ہر کس کہ دانش را مزہ است

روئے و آواز پیغمبر معجزہ است

اس سلسلہ میں انھوں نے سیرت و شمائل نبوی کا بہت اچھا خلاصہ پیش کر دیا ہے، وہ اس دائرہ میں اور وسعت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آپ کے اخلاق اور اقوال و افعال بھی آپ کا معجزہ ہیں آپ کی

شریعت بھی آپ کا ایک مستقل معجزہ ہے، اور آپ کی امت اور آپ کی امت کا علم اور ان کی دینداری اور

زندگی بھی آپ کا ایک معجزہ ہے، اور آپ کی امت کے صاحبین کی کرامات بھی آپ کا ایک معجزہ ہے۔“

اسلامی انقلاب اور امت محمدی مستقل معجزہ ہے

پھر حیاتِ طیبہ کا ایک خلاصہ پیش کرنے کے بعد جس کو پڑھ کر یہ اذعان پیدا ہو جاتا ہے کہ آپ پیغمبر صادق مؤید من اللہ اور رسول رب حق تھے، لکھتے ہیں:-

”اسلام کی دعوت تمام سرزمین عرب پر چھا گئی وہ اس سے پیشتر بتوں کی پرستش کا ہنوں کی اطلاعات

خالق کے انکار اور مخلوق کی اطاعت، خونریزی اور قطع رحمی سے معمور تھی، نہ کسی کو آخرت کا علم تھا نہ زندگی

بعد موت کا ہوش، یہ جاہل و کندہ ناتراش آپ کی تعلیم کے فیض سے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم رہے

بڑے دیندار سب سے بڑے عابد اور سب سے بڑے فاضل بن گئے، عیسائیوں نے ان صحابہ کرام کو جہنم میں

دیکھا تو انھوں نے کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ مسیح کے عواری ان لوگوں سے افضل نہ تھے، یہ ان کے علم اور عمل کی

یادگار ہیں، جو تمام دنیا میں روشن و درخشاں ہیں، ان کے مقابلہ میں دوسری قوموں کی یادگاریں، اور آثار دیکھو، اہل عقل کو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

”آپ کی امت ہر فضیلت میں تمام امتوں سے زیادہ مکمل ہے، اگر تمام دنیا کی قوموں کے علم کا ان کے

علم سے مقابلہ کیا جائے تو ان کے علم کی برتری ثابت ہوگی، اگر ان کے دین و عبادت اور طاعت الہی

کو ان کے دین و عبادت و طاعت الہی کے مقابلہ میں لایا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسروں

سے زیادہ دیندار ہیں، اگر شجاعت و جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کے راستہ میں صبر علی المکارہ اور جفاکشی کو

دیکھا جائے تو ان کا پلہ بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے، اگر سخاوت و انفاق اور فراخ دلی اور بلند وصلگی کو

دیکھا جائے تو ان ہی میں زیادہ سخاوت و کرم نظر آتا ہے، یہ تمام فضائل و مکام اخلاق ان مسلمانوں

کو آپ ہی سے حاصل ہوئے، اور آپ ہی کی ذات سے انھوں نے اخذ کئے اور آپ ہی نے ان کو ان کا

حکم دیا، آپ کی بعثت و نبوت پہلے وہی کتاب کے پیرو نہ تھے، جس کی آپ نے تکمیل فرمائی ہوتی جیسے کہ حضرت

مسیح تورات کی شریعت کی تکمیل کے لئے تشریف لائے تو حضرت مسیح کے پیروؤں کے فضائل و علوم کچھ

تورات سے ماخوذ تھے، کچھ زبور سے، کچھ اور تعلیمات انبیاء سے اور کچھ حضرت مسیح سے اور کچھ حصہ عواریوں

کے بعد بعض دوسری تعلیموں اور فلاسفہ وغیرہ کے کلام سے ماخوذ ہیں، لیکن امت محمدی میں آپ سے

پہلے نہ کسی کتاب کا وجود تھا، اور نہ کسی نبی کی تعلیم تھی، بلکہ ان میں سے اکثر تو موسیٰ عیسیٰ اور داؤد اور تورات

اور زبور پر بھی آپ ہی کے ذریعہ سے ایمان لائے، آپ ہی نے ان کو تمام انبیاء پر ایمان لانے اور تمام

کتب منزلہ کے اقرار کا حکم دیا، اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے کی ممانعت کی۔“

شریعت محمدی کا اعجاز

شریعت محمدی کی کاملیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”آپ کی شریعت مکمل ترین شریعت ہے، کوئی ایسی حقول اور بھلی بات نہیں جو عقلی طور پر مقبول و مستحسن ہو اور آپ نے حکم نہ دیا ہو اور کوئی ایسی نامناسب اور قبیح بات نہیں جس کو عقل نامناسب اور قبیح سمجھتی ہو اور آپ نے اس سے نہ روکا ہو، آپ نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جس کے متعلق آج یہ کہنے کا موقع ہو کہ کاش آپ اس کا حکم نہ دیتے اور نہ کسی ایسی چیز کی ممانعت کی کہ آج یہ کہا جاسکے کہ کاش آپ اس کی ممانعت نہ کرتے، آپ نے تمام پاکیزہ صاف ستھری چیزوں کو حلال کیا اور ان میں سے کسی چیز کو حرام نہیں کیا، جیسا کہ بعض شریعتوں میں حرام کیا گیا تھا، اور تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کیا، ان میں سے کسی چیز کو حلال نہیں کیا جیسے کہ بعض شریعتوں میں حلال ہوئیں، دنیا کی تمام قوموں کے پاس عتبی خوبیاں اور محاسن ہیں اس شریعت میں وہ سب جمع ہیں، تورات و انجیل و زبور میں اور اس کے فرشتوں اور یوم آخرت کے متعلق جو اطلاعات ہیں، وہ مکمل ترین طریقہ پر قرآن میں اور آپ کی شریعت میں آگئی ہیں، اور کچھ ایسی چیزوں کی بھی اطلاع دی گئی ہے، جن کا ان کتابوں میں تذکرہ نہیں، ان کتابوں میں عدل کی ضرورت، صحیح فیصلہ، فضائل کی دعوت اور حسنات کی جو کچھ ترغیب آئی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور اس پر اضافہ کیا، اگر کوئی عقلمند ان عبادات کے بارے میں غور کرے گا، جو اسلام میں شروع ہیں اور دوسری قوموں کی عبادتوں پر بھی غور کرے گا، تو اسلامی عبادات کی برتری اور فوقیت ظاہر ہوگی، یہی حال تمام حدود و احکام اور شریعت کے مسائل و قوانین کا ہے۔“

اس سلسلہ میں انھوں نے عبادات کا مقصود اور اس کے بارے میں مختلف گروہوں کے مذاہب اور نقطہ نظر کا ذکر کرنے کے بعد اسلامی عبادات کے مقاصد و اسرار اور فوائد و آثار پر پڑی حکیمانہ بحث کی ہے، پھر ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدق و عدل کا نمونہ کامل تھے، اور آپ کے خلفائے راشدین

اور صحابہ کرام نے اپنی زندگی اور حکومت و خلافت اور معاملہ و سیاست میں اس صدق و عدل کا اظہار کیا اور ایسے زہد و ورع کی زندگی گزاری جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

نبوت محمدی کا اقرار ہر مقرر نبوت کے لئے ضروری ہے

امام ابن تیمیہ بڑے واضح اور مدلل طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبوت کے مفہوم سے آشنا نبوت کا قائل اور کسی ایک نبی کا بھی کلمہ گو ہے، اس کے لئے نبوت محمدی کا انکار ممکن نہیں، اس لئے کہ دوسرے انبیاء کی نبوت کے جو بھی دلائل اور ثبوت پیش کئے جاسکتے ہیں، انہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے، اگر کوئی کہے کہ ان انبیاء کی نبوت معجزات سے ثابت ہوتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کہیں زیادہ عظیم اور ایسے تو اتر سے ثابت ہیں جس تو اتر سے کسی نبی کا معجزہ ثابت نہیں، اسی طرح آپ کی لائی ہوئی کتاب و دوسرے صحیفوں سے زیادہ مکمل، آپ کی امت دوسرے پیغمبروں کی امتوں سے زیادہ بہتر و برتر، آپ کے دین کے احکام و قوانین فائق و اعلیٰ ہیں، درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب سے تمام نبوتوں کی تکذیب لازم آتی ہے، اور کسی ایک کا ثابت ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کی نبوت کے ثبوت پر اصرار کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی فن کے علماء کی عظمت و امامت کا اقرار کیا جائے اور اس فن کے اتاذ الازادہ اور امام الائمہ کا انکار کیا جائے، وہ اس کی متعدد دیکھیں مثالیں دیتے ہیں، فرماتے ہیں:-

”یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے زفر ابن القاسم، مرزی اور انترم تو بڑے فقیہ تھے، لیکن ابو حنیفہ، شافعی اور مالک فقیہ نہیں تھے، یا کوئی شخص کہے کہ اخفش، ابن الانباری اور مسدد و ضروری تھے، لیکن خلیل، سیبویہ اور فرائیہ نحوی نہیں تھے، یا کہے کہ ملکی اور سبکی وغیرہ طب کے مصنفین تو بیشک اطباء تھے، لیکن

بقراط و جالینوس وغیرہ طبیعت نہیں تھے، یا کہے کہ کوشیار اور خلفی تو علم ہیئت سے واقف تھے لیکن بطلمیوس وغیرہ کو ہیئت کا کوئی علم نہیں تھا، یا کوئی کہے کہ داؤد سلیمان و یحنا و عاقص اور دانیال تو ضرور پیغمبر تھے اور محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں تھے اس شخص کا تناقض اور اس کے قول کی نامعقولیت اوپر کے تمام اقوال سے زیادہ روشن ہے، بلکہ جو شخص یہ کہے کہ موسیٰ علیہا السلام تو بیشک اللہ کے رسول اور تورات و انجیل تو ضرور آسمانی کتابیں تھیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں اور قرآن آسمانی کتاب نہیں جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور آپ سے پہلے آئے ہوئے ادیان و صحف پر غور کرے گا، اور اس کو نبوت محمدی کے دلائل و آیات اور انبیائے سابقین کی نبوت کے دلائل و آیات اور شرع محمدی اور شرائع سابقہ پر غور کرنے کا موقع ملے گا وہ اس قول کو بالکل باطل اور مہمل سمجھے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ

آخر میں سیموں کے اس دعویٰ کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کو امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے جگہ دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب جاہلیت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور انہی لوگوں سے ایمان کا مطالبہ تھا، اور سچی آپ پر ایمان لانے کے لئے مجبور نہیں ہیں اور اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان سے کسی طرح کا مواخذہ نہیں ہوگا، یہ عقیدہ اس زمانہ کے عرب عیسائیوں اور سچی علماء میں بھی پایا جاتا ہے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی کچھ دنوں سے بعض حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا جانے لگا ہے کہ ادیان سابقہ کی مکمل پیروی نجات کے لئے کافی ہے، نبوت محمدی پر ایمان لانا ایک مکمل و صادق مسیحی یا یہودی یا غیر مسلم کے لئے ضروری نہیں، چونکہ یہ عقیدہ اسلام کی دعوت عامہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت عامہ پر ایک بہت بڑی ضرب ہے اور اس سے تبلیغ و دعوت اسلام کا دروازہ بند ہوتا ہے اور وہ ساری جدوجہد بے معنی اور عبث ٹھہرتی ہے جو اسلام کی دعوت و اشاعت میں کی گئی، اس لئے امام ابن تیمیہ نے اس عقیدہ کی تردید میں اپنا پورا زور قلم صرف کیا، یہ بحث کتاب کے پہلے حصہ کے صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۲۳۰ تک پھیلی ہوئی ہے اور اس موضوع پر علمی اور استدلالی حیثیت سے سب سے مکمل اور وسیع بحث ہے جو ایک قلم اور عالم کے قلم سے نکلی ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں وہ تمام آیات و نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ جمع کر دی ہیں جن کو دیکھنے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اس شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ کی بعثت صرف عرب کی طرف تھی یا آپ کی نبوت کے اقرار کے بغیر نجات ہو سکتی ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کان النبی یبعث الی قوم خاصۃ و یبعث الی الناس عامۃ“ (پہلے پیغمبر اپنی قوم کی طرف مخصوص بھیجے جاتے تھے اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”قُلْ یَا یٰہَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلِکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ“ (اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جس کی آسمانوں اور زمین پر سلطنت ہے) نیز ارشاد ہے ”وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا“ (ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر) قرآن مجید کی جن آیتوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ مشرکین اور بت پرستوں اور تمام انسانوں اور جنات کو دعوت دی گئی ہے ان کا بڑی مشکل و تکلف ہی سے شمار ہو سکتا ہے، یہ ایک بدیہی اور فطری مسئلہ اور اسلامی عقیدہ ہے، یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے خود عربوں کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے مبعوث ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے، یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کے واقعات، یہ آپ کے سفراء اور داعیان اسلام کے حالات ہیں، یہ یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے علاوہ مشرکین کے جہاد کے تذکرے ہیں اور یہ آپ کی سیرت ہمارے سامنے ہے، پھر وہ کتاب مقدس جو تو اتر سے آپ سے ہم تک پہنچی ہے اس میں جا بجا اہل کتاب کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”ان دلائل سے کئی گنا دلائل ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے خود اس بات کی اطلاع دی کہ آپ نصاریٰ اور دوسرے اہل کتاب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، اور یہ کہ آپ نے ان کو دعوت دی ان سے جہاد کیا، اور ان کو دعوت دینے اور ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا، اور یہ کوئی ایسا فعل نہیں جو آپ کی امت کے بعد اپنی طرف سے کیا ہو، اور اس کی کوئی سند نہ ہو جیسے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح کے بعد بہتے نئے کام کئے، اس لئے کہ مسلمان کسی کے لئے بھی اس کو جائز نہیں قرار دیتے کہ وہ آپ کے بعد آپ کی شریعت میں تغیر کرے اور کسی حرام فعل کو حلال اور کسی حلال کو حرام بنالے، ان کے نزدیک امت میں کسی کو کسی غیر واجب اور کسی واجب کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں، ان کے نزدیک حلال وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے حلال کیا، اور حرام وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے حرام کیا، اور دین وہی ہے جس کو اللہ و رسول نے مشروع کیا۔“

رد شیعیت

یوں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں شیعیت کا جا بجا رد کیا ہے، اور سنت و عقائد اہل سنت خلفائے راشدین و صحابہ کرام کی طرف سے پر زور مدافعت کی ہے، لیکن رد شیعیت میں ان کی ایک ہی متقل اور منفرد تصنیف ”منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریہ“ ہے، اس تصنیف کی تحریک تقریب یہ ہوئی کہ ان کے ایک معاصر شعی عالم ابن المطہر الحکلی نے اپنے ولی نعمت اور مخدوم تاتاری بادشاہ اولیجا خدا بندہ خاں کے لئے جس نے عالم مذکورہ کی تبلیغ و تحریک سے مذہب شیعہ اختیار کیا تھا، ایک ضخیم کتاب اثبات شیعیت و امامت و رد شیعیت و خلافت میں ”منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامہ“ کے نام سے لکھی

یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ شام پہنچی، اور شیخ الاسلام کے مطالعہ میں بھی آئی، شیعوں کو اس کتاب پر بڑا ناز تھا، وہ اس کو ناقابل تردید اور لا جواب تصنیف سمجھتے تھے، اس کتاب کا بڑا حصہ حضرت علی کرم الشروہ جہہ اور اہل بیت کی امامت و عصمت کے ثبوت اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی تردید اور ان کے اور صحابہ کرام کے مطاعن پر مشتمل تھی، سیدنا علیؑ اور ائمہ اثنا عشر کے فضائل اور ان کی امامت و عصمت کو آیات و نصوص قرآنی اور احادیث و روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اسی طرح سے خلفائے ثلاثہ و صحابہ کرام کے مطاعن کو آیات و احادیث و تاریخ و سیر سے ثابت کیا گیا تھا، اور مصنف نے اپنی ذہانت و قوت استدلال اور علمی تبحر کا پورا ثبوت دینے کی کوشش کی تھی، اور اپنے نزدیک اہل سنت پر اتمام حجت کیا تھا، مصنف چونکہ عام متاخرین شیعہ کی طرح اصول و عقائد میں معتزلی العقیدہ ہے، اس لئے ذات و صفات اور اہل سنت کے اصول و عقائد پر بھی منکمانہ اور فلسفیانہ بحث کی ہے، اہل سنت نے امام ابن تیمیہ سے اس کتاب کا جواب لکھنے کے لئے شدید اصرار کیا، چونکہ اس کتاب میں علم کلام، عقائد، فلسفہ، تفسیر، حدیث، تاریخ، اور آثار کے بکثرت مباحث آگئے تھے، اس لئے اس کتاب کا جواب دینے کے لئے وہی شخص موزوں تھا، جو ان تمام علوم و مضامین پر نہایت وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو، اور ان علوم کا صاحب نظر ہو، ہری و نقاد ہو، اور چونکہ بدقسمتی سے شیعہ مصنفین احادیث کے وضع کرنے میں اور ان کا غلط حوالہ دینے میں نہایت متشاق اور جبری واقع ہوئے ہیں، فن حدیث نے اتنی وسعت اختیار کر لی تھی، اور اس کے اتنے مجموعے اور دفاتر تیار ہو گئے تھے، کہ ان سب میں ان احادیث و روایات کی چھان بین کرنا اور جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے اصول پر ان کو جانچنا نہایت دشوار کام تھا، اس لئے یہ خدمت وہی شخص انجام دے سکتا تھا جس کو حدیث و رجال کے ذخیرہ پر پورا عبور ہو، اور حدیث کے کتب خانہ کا ایک ایک ورق اس کے سامنے ہو، اور کسی روایت کی راوی اور کسی حوالہ کے بارے میں اس کو دھوکا نہ دیا جاسکے، اسی کے ساتھ تاریخ اسلام پر بھی اس کی ایسی نظر ہو کہ وہ ایک نظر میں مصنف کی تاریخی غلطی پکڑ لے، اور کوئی غلط بیانی یا فرضی روایت اس کے سامنے چل نہ سکے۔

یہ بات مسلم ہے کہ کسی تاریخی شخصیت پر اعتراض کرنا اور اس میں عیب نکالنا تاریخ کے وسیع ذخیرہ میں سے آسان ہے، لیکن صفائی پیش کرنا اور مدافعت کرنا مشکل ہے اور مطاعن صحابہ اہل تشیع کا پسندیدہ موضوع اور ان کی جولانی طبع کا خاص میدان ہے علم دین کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کے زائد تصنیف ہی میں ایک ایسے عالم اہل سنت نے اس کے جواب کی طرف توجہ کی جو اپنے زمانہ کا امیر المؤمنین فی الحدیث تھا جس کی آنکھوں کے سامنے حدیث و رجال کا پورا کتب خانہ کھلا ہوا تھا اور اس کے متعلق اہل نظر کا مقولہ ہے کہ جس حدیث کو امام ابن تیمیہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں انھوں نے مطاعن صحابہ کے باب میں امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا اور وہ کام کر دیا جو ان کے زمانہ کے بعد کسی دوسرے عالم کے لئے بہت مشکل تھا اس باب میں ان کے بعد کے تمام علماء ان ہی کے خوشہ چیں رہیں گے۔ ابن المطہر الحلی کی کتاب منہاج الکرامۃ کے جواب میں انھوں نے منہاج السنۃ کے نام سے جو کتاب لکھی وہ ان کی تمام تصانیف میں یکا تیازی شان رکھتی ہے ابن تیمیہ کے علمی تبحر و وسعت نظر حاضر دماغی حفظ و استحضار بختگی اور اتقان اور ذہانت و طباعی کا اگر صحیح نمونہ دیکھنا ہو تو اس کتاب کو دیکھنا چاہئے مصنف منہاج الکرامۃ کی عبارت نقل کرنے کے بعد جب ان کے علم و حمیت دینی کو جوش آتا ہے اور ان کے علم کے سمندر میں طوفان اٹھتا ہے اور تفسیر و حدیث تاریخ و سیر کے معلومات کا لشکر امنڈتا ہے تو بے اختیار ان کے فریق مقابل سے کہنے کو جی چاہتا ہے کہ لَا يَأْتِيهَا الْقُلُوبُ اَدْخُلُوا مَنَاسِكَكُمْ لَا يَحِيطُ بِمَنَاسِكُمْ سُبْحَانَ وَجْهِهِ لَئِنْ شِئُوا بِشَيْءٍ

کتاب کا محرک اور اندرونی باعث

امام ابن تیمیہ کے لئے اس کتاب (منہاج السنۃ) کی تصنیف کا اصل محرک اور اندرونی باعث لے یہ کتاب بڑے سائز کی چار جلدوں میں ہے کتاب کے مجموعی صفحات ۱۲۱۴ ہیں ۳۲۲ میں شیخ مصطفیٰ البابی حلبی کے اہتمام میں مطبعہ امیر مصر میں شائع ہوئی علامہ ذہبی نے اس کا خلاصہ المنقذی کے نام سے کیا تھا حال میں وہ شیخ محمد نصیف کی توجہ اور عالی ہمتی سے اور استاد محب الدین الخطیب کے اہتمام سے مصر میں شائع ہوا ہے ۵۷ النمل - ۱۸

یہ ہے کہ مصنف منہاج الکرامۃ نے خلفائے راشدین اور سابقین اولین پر جو امام ابن تیمیہ اور اہل سنت کے عقیدہ میں انبیاء کرام کے بعد افضل خلایق اور صالح ترین افراد انسانی ہیں عامیانہ اور سونیانہ طریقہ پر زبان طعن درازی اور ان کو شرار خلق اور اذیل مخلوقات ثابت کیا اور یہ بات ان کے نزدیک اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلانے اور نبوت محمدی پر اعتراض و طعن اور اتحاد و زندہ کا دروازہ کھولنے کے مراد ہے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”اگر اس سنگر سے بڑھنے والے شخص نے ان لوگوں پر دست درازی نہ کی ہوتی جو سرخیل اولیاء اللہ اہل زمین کے سردار و پیشوا اور انبیاء کرام کے بعد اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں اور دست درازی بھی ایسی جو دین میں رخنہ ڈالتی ہے اور کفار و منافقین کو دلیل اور حجت فراہم کرتی ہے اور بہت سے اہل ایمان کے دلوں میں ضعف و شبہ پیدا کرتی ہے تو ہمیں اس شخص کی تنقید و تردید کی اور اس کی قلعی کھولنے کی ضرورت پیش نہ آتی اللہ تعالیٰ اس شخص سے اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں سے انصاف کرے۔“

شیعوں کے نزدیک خیر الامم سے یہود و نصاریٰ بہتر ہیں

ایک دوسری جگہ شیعوں کے مطاعن اور صحابہ کرام کی تنقیص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”امت محمدی خیر الامم ہے اور اس امت محمدی میں سب سے بہتر قرن اول کے لوگ تھے قرن اول کے لوگ علم نافع اور عمل صالح میں سب سے اکمل و اعلیٰ تھے لیکن ان افترا پر دازوں نے اس کے خلاف نقشہ کھینچا ہے ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کو حق کا علم تھا اور نہ وہ حق کی پیروی کرتے تھے بلکہ ان میں سے اکثر حق کی جان بوجھ کر مغلط کرتے تھے جیسے کہ ان کا خلفاء ثلاثہ اور جہود و نصاریٰ امت کے متعلق بیان ہے اور ان کے نزدیک ان میں سے بہت سے حق سے آشنا نہیں تھے بلکہ انھوں نے ظالموں کی تقلید کی اس لئے کہ ان کو غور و فکر حاصل نہیں تھا جو علم تک پہنچا سکے اور جس نے غور و فکر سے کام

نہیں لیا، اس نے خواہش نفسانی یا دنیا طلبی میں کیا ہوگا، یا اپنے قصور اور ادراک میں کمی کی وجہ سے ان کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام میں سے بعض استحقاقاً اپنے لئے خلافت کے طالب تھے، اس سب سے یہ لازم آتا ہے کہ امت اپنے نبی کے بعد ساری کی ساری گمراہ تھی، اس میں سے کوئی ہدایت کے راستہ پر نہیں تھا، اسی طرح یہود و نصاریٰ (یہودیت و مسیحیت کے نسخ و تبدیل کے بعد) ان مسلمانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں، اس لئے کہ قرآن شریف میں آتا ہے: "وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنُوا۟ بِرَبِّہُمْ ذُنُوبًا لَّہُمْ یَعْدِلُوۡنَ" (اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ یہود و نصاریٰ میں ستر سے زائد فرقے ہو جائیں گے ان میں سے ایک نجات پانے والا ہوگا، لیکن اگر ان شیعوں کی بات مان لی جائے تو ان مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک گروہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا، جو حق پر قائم ہو، اور انصاف کا علمبردار ہو، اور جب ان کے بہترین دور میں بھی ایسا نہیں تھا تو اس کے بعد تو اور بھی میدان صاف ہوگا، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نسخ و تبدیل کے بعد بھی اس امت سے بہتر ہیں، جن کی تعریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"۔

شیعوں نے خیار امت کو شرار امت بنا دیا

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"ان شیعوں نے ان خیار امت کو جو انبیاء و مرسلین کے بعد اولین و آخرین میں سب سے اعلیٰ و افضل تھے، اور جن کی شان میں "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" آیا ہے شرار الناس ثابت کیا، اور ان پر بڑے بڑے قبائح کا الزام لگایا، اور ان کے حسنات کو بھی سیئات بنا دیا، اور اس کے بالمقابل اسلام

کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں میں جو اہل اہواء تھے، اور جن سے بڑھ کر جاہل کا ذب ظالم کفر و فسق و معاصی سے قریب اور متخالف ایمانی سے دور کوئی نہیں، ان کو انھوں نے برگزیدہ ترین مخلوق ثابت کیا اور اس طرح ساری امت کی تکفیر کی، یا اس کو گمراہ ثابت کیا، سوائے اپنی چھوٹی سی ٹولی کے جس کے متعلق ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی برحق ہے۔

ایک مثال

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بھیر بکریوں کے ایک بڑے ریوڑ میں جائے، اس سے کہا جائے کہ اس ریوڑ میں سب سے اچھی بھیر بکری چھانٹ دو، تاکہ ہم اس کی قربانی کریں، وہ ان میں سے ایک کافی انگڑی لاغر، مرل، بکری چھانٹ دے جس میں نہ گوشت نہ گودا، اور کہے یہ اس ریوڑ کی سب سے اچھی بکری ہے، اور قربانی اسی کی جائز ہے، باقی بقی بھیر بکریاں ہیں، یہ سب بھیر بکریاں نہیں ہیں، بلکہ سورتوں میں ان کا قتل واجب اور قربانی ناجائز ہے۔

امام شعبی کا قول

وہ امام شعبی کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ روافض کے مقابلہ میں اپنے پیغمبر کے زیادہ مرتبہ شناس اور قدرداں ہیں، یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں، انھوں نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور ان کے اصحاب، عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر کون ہے، انھوں نے کہا حضرت عیسیٰ کے حواری اور روافض سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بدتر کون ہے، انھوں نے کہا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان نیک بختوں کو حکم دیا گیا تھا، صحابہ کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا انھوں نے ان کو سب و شتم کیا۔

سابقین اولین سے عداوت کفار سے محبت

”روافض کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ جماعت مسلمین کو چھوڑ کر ہمیشہ یہود و نصاریٰ اور شرکین کا ساتھ دیتے ہیں اور انہی کی دوستی کا دم بھرتے ہیں ان لوگوں سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو ہابریں و انصاریں سے سابقین اولین سے عداوت رکھیں اور منافقین و کفار سے دوستی کریں؟“

پھر وہ شیعوں کے کفار کا ساتھ دینے اور ان کی مدد کرنے کے واقعات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”ان میں سے اکثر یہ دل سے کفار سے دوستی رکھتے ہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ، چنانچہ جب تاساری مشرق کی طرف سے آئے اور انھوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، اور خراسان، عراق و شام اور جزیرہ میں ان کے خون کے دریا بہائے تو یہ روافض مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے حامی و مددگار تھے اسی طرح جو شیعوں شام و حلب وغیرہ میں تھے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنان اسلام کے بہت زیادہ مدد کرنے والے تھے اسی طرح سے جب عیسائیوں نے شام میں مسلمانوں سے جنگ کی تو روافض ان کی کمک پر تھے اسی طرح اگر یہودیوں کی عراق میں یا کہیں اور حکومت قائم ہو جائے تو یہ روافض ان کے سب سے بڑے مددگار ثابت ہوں گے تو وہ ہمیشہ کفار، شرکین، یہود و نصاریٰ کی مدد کے لئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں؟“

تعصب و بے انصافی

ایک جگہ ابن المطہر الحلی نے خواجہ نصیر الدین طوسی کا ذکر کرتے ہوئے بڑی تعظیم و تقدیس سے ان کا نام لیا ہے اور شیخنا الامام الاعظم خواجہ نصیر الملتہ و الحق والدین محمد بن الحسن الطوسی قدس الشہر و حرہ کے الفاظ

لکھے ہیں اس پر ابن تیمیہ کی حمیت ایمانی کو جوش آگیا ہے وہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے فضائل اور خلیفہ عباسی اور بغداد کے قتل عام کے کارنامہ اور ان کے مجددانہ عقائد و خیالات کا ذکر کرتے ہوئے بڑے تعجب سے لکھتے ہیں:-

”حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ مصنف ابو بکر بن عثمان اور سابقین اولین اور ان کے بعد کاتب مسلمین اور اہل علم و دین کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور ان کی طرف بڑے بڑے قبائح کا انتساب کرتا ہے اور ان کا سیدھے منہ نام نہیں لیتا، اور جس شخص کی اسلام دشمنی عالم آشکارا ہے اس کو شیخنا الاعظم اور قریب الشرر و کفہا ہے حالانکہ خود یہ ان عقائد پر کفر کا فتویٰ دے چکا ہے جن کا یہ شخص (نصیر الدین طوسی) اور اس کے پیرو قائل ہیں حقیقت میں یہ بے انصاف اس آیت قرآنی کا مصداق ہے۔“

الْمُرْتَدَّ إِلَى اللَّهِ ذِينَ اتَّبَعُوا الْقَبِيلَ الْقَبِيلَ
يَوْمَئِذٍ يَلْعَنُونَ بِالْجَبَّتِ وَالطَّاعُونَ وَيَقُولُونَ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ لَا يَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ
أَمَنُوا سَبِيلًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ
اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ مَّجْدَلَةٍ
کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ
حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور
کافروں کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے
زیادہ راہ راست پر ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر
اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ لعنت

فَصَبْرًا (النساء - ۵۱-۵۲)

کرے تو اس کا کوئی مددگار نہیں۔

شیعوں کی بوالعجبیاں

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ وہ انبیاء سے سب سے تعلق رکھنے والے (اصول و فروع) یعنی ان کے والدین اور ان کی اولاد کی تو بڑی تعظیم کرتے ہیں لیکن ان کی شریک زندگی اور رفیقہ حیات بیویوں کی شان میں گستاخی اور طعن و تشنیع کرتے ہیں، یہ سب تعصب و خواہش نفسانی کا کرشمہ ہے چنانچہ حضرت فاطمہ

اور حضرت حسن و حسینؑ کی تو تعظیم کرتے ہیں اور حضرت عائشہ ام المومنینؓ کی تو ہین اور ان پر اعتراض کرتے ہیں ایک دوسری بوالبعی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کی تعظیم میں تو بڑا غلو اور مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں بے ادبی امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

”روافض محمد بن ابی بکرؓ کی تعظیم میں بڑے غلو سے کام لیتے ہیں اور یہ ان کی قدیم عادت ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں حصہ لیا تھا، ان کی مدح کرتے ہیں اسی طرح سے جنہوں نے حضرت علیؓ کی میت میں جنگ کی تھی ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں یہاں تک کہ محمد بن ابی بکرؓ کو ان کے والد حضرت ابو بکرؓ پر فضیلت دیتے ہیں طرفہ تماشایہ ہے کہ جو شخص پوری امت میں نبی کے بعد سب افضل ہے، اس پر تو لعنت کرتے ہیں اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے نہ سبقت نہ فضیلت اس کی مدح کرتے ہیں اور انساب کی تعظیم میں ان سے عجیب قسم کا تضاد و تناقض ظاہر ہوتا ہے۔“

صحابہ کرام سے دل میں کھوٹ دل کی ناپاکی ہے وہ لکھتے ہیں:-

”دلوں کی سب سے بڑی ناپاکی اور مرض یہ ہے کہ انسان کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے کھوٹ ہو جو اختیار مومنین اور انبیاء کرام کے بعد اولیاء اللہ کے سرگروہ اور سرتاج تھے اسی لئے مال غنیمت (فتی) میں ان ہی لوگوں کا حصہ رکھا گیا ہے، جو مجاہدین و انصار اور سابقین اولین کی طرف سے دل میں کھوٹ نہ رکھتے ہوں، اور ان کے لئے دعا و استغفار کرتے ہوں:-

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
اور ان کے لئے بھی جو مجاہدین کے بعد آئے دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا
میں ایمان داروں کی طرف سے کینہ قائم نہ ہونے پائے
اے رب! ہمیں ایسی چیز نہ دے جو ہمارے ایمان نہایت رحم والا ہے۔
(بخش دس جہم سے پہلے ایمان لانے میں اور ہمارے دلوں میں ایمان داروں کی طرف سے کینہ قائم نہ ہونے پائے
(بخش ۱۰-۱۱)

شیخین پر طعن کرنے والا دو حال سے خالی نہیں

ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر دو ہی طرح کے آدمی طعن کر سکتے ہیں ایک منافق زندیق، اسلام کا دشمن جس کو ان دونوں پر طعن و اعتراض کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دین اسلام پر اعتراض و طعن مقصود ہو اور روافض کے معلم اول کا یہی حال تھا، اور ائمہ باطنیہ کا بھی یہی معاملہ ہے دوسرے وہ جاہل شخص جو جہالت اور خواہش کی پیروی میں بہت بڑھا ہوا اور شیعوں میں عوام کا حال یہی ہے، اگر وہ اندر سے مسلمان ہیں:-

رسالت پر الزام

”یہ بات تو اتر سے عوام و خواص کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق تھا، اور ان تینوں حضرات کو آپ کا قرب و اختصاص حاصل تھا، اور ان تینوں کے آپ کے ساتھ رشتے ہیں دو کی صاحبزادیاں آپ کے نکاح میں تھیں اور ایک کے نکاح میں آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں اور کہیں اس کا ذکر نہیں آتا کہ آپ ان کی مذمت کرتے تھے، یا ان پر لعنت کرتے تھے، بلکہ معروف یہی ہے کہ آپ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے، اب دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں حضرات آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات

کے بعد ظاہر و باطناً صالح، وفادار سلیم العقیدہ اور صحیح العمل تھے یا یہ کہ وہ مینوں آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد انتقامت پر نہیں تھے اور (معاذ اللہ) دین سے منحرف تھے، دوسری صورت میں اگر اس حالت اور انحراف کے باوجود ان کو آپ کا یہ تقرب حاصل تھا تو دو میں سے ایک بات ماننی پڑے گی یا تو آپ کو ان کے حالات کا علم نہیں تھا، یا علم تھا، لیکن آپ معاذ اللہ اہانت کرتے تھے، ان دونوں صورتوں میں سے ہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر بڑا دھبہ اور بہت بڑا اعتراض ہے، یہ تو وہی بات ہوگی جو شاعر نے کہی ہے۔

فان كنت لا تدري قتلک مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی زندگی تک تو وہ راہ راست پر تھے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے خواص اور اکابر اصحاب کے بارے میں بڑا دھوکا اور ناکامی ہوئی جس شخص کو اپنے بعد کی اطلاعات دی گئی تھیں اور جس نے اپنے بعد ہونے والے واقعات کی خبر دی اس کو اتنی بات نہیں معلوم تھی کہ اس کے اخصل خواص اس طرح منحرف ہو جائیں گے اور احتیاط کا تو یہی تقاضا تھا کہ امت کو آپ اس کی خبر دے جاتے، تاکہ وہ غلطی سے کہیں ان کو خلیفہ نہ بنالیں اور جس شخص سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا، اس کے اکابر و خواص کیسے مرتد ہو سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتوں سے روافض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہت بڑا اعتراض کرتے ہیں حضرت امام مالک نے صحیح فرمایا کہ دراصل روافض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو مطعون کرنا چاہا تاکہ لوگ کہیں کہ برے آدمی تھے، اس لئے ان کے برے ساتھی تھے، اگرچہ آدمی ہوتے تو ان کے ساتھی بھی اچھے ہوتے، اسی لئے اہل علم کا قول ہے کہ فیض زندگی کی ایک سازش ہے۔

فضائل صحابہ قطعی و متواتر ہیں

امام ابن تیمیہ صحابہ کرام کی عدالت کو اسلام کی ایک ہم بنیاد مانتے ہیں، اور ان کو ان کی صداقت ثقاہت پر بڑا یقین ہے، وہ ان کو اسلام کی تعلیم کا سچا نمونہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور فیض صحبت کا بہترین نتیجہ تسلیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک صحابہ کرام کے فضائل ایسے قطعی اور متواتر ہیں اور قرآن مجید کی ایسی صریح نصوص و آیات سے اور ایسی صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہیں کہ وہ کسی ناریخی روایت یا کسی غریب و شاذ حدیث سے مشکوک نہیں ہو سکتے، وہ لکھتے ہیں:-

”جب کتاب و سنت اور نقل متواتر سے صحابہ کرام کے محاسن و فضائل ثابت ہو چکے ہیں تو یہ درست نہیں کہ وہ ایسی منقولات سے رد ہو جائیں جن میں سے بعض منقطع بعض منحرف ہیں اور بعض ایسی روایات ہیں جن سے ان ثابت شدہ حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ یقین، شک سے زائل نہیں ہو کر تا ہم کو کتاب و سنت اور اپنے پیشروں کے اجماع اور ان کی مؤید اور متواتر روایات اور قائلوں سے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل المخلوق تھے، اس یقینی و متواتر چیز پر ان امور کا اثر نہیں پڑ سکتا جو مشکوک و مشتبہ ہیں، چہ جائیکہ جن کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔“

صحابہ کرام معصوم نہیں تھے

امام ابن تیمیہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم تھے، ان سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا تھا، لیکن وہ اس کے ضرور قائل ہیں کہ امت کے تمام لوگوں میں وہ سب سے زیادہ عادل، خدا ترس، صادق القول، امین اور راست باز تھے، اگر ان سے غلطیاں یا گناہ ہوئے تو

اس کے مقابلہ میں ان سے ایسے اعمال حسنہ اور خدا و رسولؐ کو راضی کرنے والے کام ہوئے جو ان سیئات کا کفارہ بن گئے اور بہر حال ان کے حسنات اور اعمال کا پلہ ان کی تقصیرات پر بھاری ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے بھی گناہوں سے معصوم ہونے کے قائل نہیں، چر جائیکہ خطا فی الاجتهاد کے بھی قائل نہ ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ يَلْقَوْنَ اللَّهَ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيُجْزِيهِمْ لِحَرَمِهِمْ يَأْخُذُ الَّذِي كَانَ يُبْعَثُونَ ۝ (الزمر: ۲۵)

اور جو سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی پرہیزگار ہیں ان کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہوگا، نیکو کاروں کا یہی بدلہ ہے تاکہ اللہ ان سے وہ برائیاں دور کر دے جو انھوں نے کی تھیں اور اللہ ان کو ان کا اجر دے ان نیک کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ تَتَّقِلُ عَنْهُمْ أَحْسَنُ مِمَّا كَانُوا ۚ وَتَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَدَ الصِّدْقِ الَّذِينَ كَانُوا يُوعَدُونَ ۚ (الاحقاف: ۱۶)

یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم وہ نیک عمل قبول کرتے ہیں جو انھوں نے کئے اور بہشتیوں میں شامل کر کے ان کے گناہوں سے درگزر کرتے ہیں، یہ اس سچے وعدہ کے مطابق ہے جو ان سے کیا گیا تھا۔

صحابہ کرام کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی

وہ کہتے ہیں کہ ان بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود جو انسانیت کا لازمہ ہیں، مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام سے بہتر سیرت کردار

کی نظر نہیں آتی، اگر ان کی زندگی میں کہیں کہیں کچھ ہلکے سے دھبے اور داغ نظر آتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سفید کپڑے میں کہیں کچھ تھوڑی سی سیاہی نظر آجائے، یہ عیب چینیوں کا قصور ہے کہ ان کو اس کپڑے میں سیاہی کا نقطہ تو نظر آیا، اور اس کپڑے کی سفیدی نظر نہ آئی، دوسری جماعتوں کا تو حال یہ ہے کہ ان کا سارا نامہ اعمال سیاہ نظر آتا ہے کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”صحابہ کرام اخیار امت ہیں، امت محمدی میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جو ان سے زیادہ ہدایت اور دین حق پر مجتمع اور تفریق و اختلاف سے دور ہو، ان کی زندگی میں کوئی نقص کی بات بھی نظر آتی ہے تو اگر اس کا کسی دوسری امت کے حالات و زندگی سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں اس کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی، غلطی اس شخص کی ہے جس کو سفید کپڑے کی تھوڑی سی سیاہی تو نظر آتی ہے اور سیاہ کپڑے کی تھوڑی سی سفیدی نظر نہیں آتی، یہ بڑی نادانی اور بڑا ظلم ہے اگر ان اکابر کا اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ان کی فوقیت اور ان کی ترجیح ظاہر ہو جائیگی یہ کہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خیالی تصویر بنالے یا کوئی معیار تجویز کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہ کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ایک شخص اپنے دل میں ایک امام معصوم کا تصور قائم کر لیتا ہے ایک شخص ایک ولیہ امام کا تصور قائم کرتا ہے جس میں اور معصوم میں کوئی فرق نہیں اگرچہ اس کو صاف صاف معصوم نہیں کہتا، اور وہ تجویز کرتا ہے کہ عالم کو یا شیخ کو یا امیر کو یا بادشاہ کو یا سیاہی ہونا چاہئے اور خواہ وہ کیسا ہی کثیر العلم، کیسا ہی دیندار صاحب محاسن ہو اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے ہی خیر کے کام کرائے ہوں، لیکن یہ تجویز کرتا ہے کہ اس کو ایسا کامل العلم ہونا چاہئے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو اور وہ کسی بھی مسئلہ میں غلطی نہ کرے وہ بشریت کے لوازم و خصائص سے پاک ہو، کبھی اس کو غصہ نہ آتا ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں بلکہ بہت سے لوگ تو ان ائمہ کے متعلق وہ تجویز کرتے ہیں جو انبیاء تک کے لئے تجویز نہیں کرتے ہیں۔“

امام ابن تیمیہ اس پر بڑا زور دیتے ہیں کہ جس شخص کی ساری تاریخ پر نظر ہوگی اور اس نے مختلف امتوں قوموں اور ملتوں کے حالات پڑھے ہوں گے اور مختلف انسانی جماعتوں کا تجربہ کیا ہوگا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ صحابہ کرام سے زیادہ متحرک و متحرک کا پیر و فتنہ اور افتراق سے نفور اور نفسانیت و دنیا داری سے دور کوئی جماعت نہیں گزری، وہ لکھتے ہیں:-

فمن استقرأ أخبار العالم في جميع الفرق
تبين له انه لم يكن قط طائفة اعظم اتقا
على الهدى والرشد وابتعد عن الفتنة
والتفرق والاختلاف من اصحاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين هم
خير الخلق بشهادة الله لهم بذلك يقول
تعالى كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
بِالمَعْرُوفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

جس شخص نے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات و واقعات کا
اہتمام سے مطالعہ کیا ہے اور ان کے حالات کا متبع کیا ہے وہ
جانتا ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گذرا جو ہدایت و رشد پر
صحابہ کرام سے زیادہ مجتمع اور تفرق و اختلاف سے آگے
زیادہ دور ہوا ان صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت
دی ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں وہ فرماتا
ہے تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے تم
نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابہ کرام کی برکت ہے

امام ابن تیمیہ یہ بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس علم و دین کا جو کچھ سرمایہ ہے خیر و برکت کا جو کچھ ذخیرہ ہے، شعائر اسلام کی بلندی، اسلام کی اشاعت، عمل خیر کے جو کچھ محرکات اور جو کچھ توفیق خیر ہے، اور سچ پوچھے تو عالم میں اس وقت جو کچھ صلاح و خیر نظر آرہی ہے، وہ سب صحابہ کرام کی جاں فشانیوں، اخلاص، علو ہمت، ایثار اور قربانیوں کا نتیجہ اور ان کے نفوس قدسیہ کی برکت و نورانیت ہے، امام ابن تیمیہ بڑے

جوش سے لکھتے ہیں:-

واما الخلفاء والصحابۃ فكل خير فيه السلام
الى يوم القيامة من الايمان والاسلام والقرآن
والعلم والمعارف والعبادات ودخول الجنة
والنجاه من النار واستمرارهم على الكفار
علو كلمة الله فانما هو بركة ما فعله الصحابة
الذين بلغوا الدين وجاهدوا في سبيل الله
وكل مؤمن امن بالله فللصحابة رضي الله
عنهم عليه فضل الى يوم القيامة وكل خير فيه
الشيعة وغيرهم فهو بركة الصحابة، وخير
الصحابة تبع لخبر الخلفاء الراشدين فهم كانوا
اقوم بكل خير في الدين والدنيا من سائر الصحابة

اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو کچھ
خیر ہے مثلاً ایمان و اسلام، قرآن، علوم و معارف، عبادت
و دخول جنت، جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ، اللہ کے نام کی
بلندی، وہ سب صحابہ کرام کی کوششوں کی برکت
ہے، جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے
راستہ میں جہاد کیا، جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا
اس پر صحابہ کرام کا احسان قیامت تک رہے گا،
اور شیعہ وغیرہ کو بھی جو کچھ خیر حاصل ہے وہ صحابہ کرام
کی برکت سے، اور صحابہ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی
خیر کی تابع ہے اس لئے کہ وہ دین و دنیا کی ہر خیر
کے ذمہ دار و سرچشمہ تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت دلیل نبوت و صداقت ہے

امام ابن تیمیہ نے یہ بات بھی بڑے کام کی لکھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی جانشینی و خلافت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے کمال کی ایک دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ رسول برحق تھے، اور
آپ کا مزاج، مزاج نبوت تھا، مزاج سیاست نہ تھا، اور آپ کو دنیا کے بادشاہوں اور سلاطین عالم سے کوئی
مناسبت نہیں جو ہمیشہ اپنے بیٹے یا اپنے خاندانی آدمی کو اپنا جانشین بناتے ہیں، اگر آپ میں بھی معاذ اللہ سلطنت

اور خاندان پرستی کا کوئی شائبہ ہوتا تو حضرت علیؑ اور عباسؑ کے علاوہ بنی ہاشم کے اور بھی بہت سے افراد تھے جن کو اپنا جانشین بنا کر ایک خاندانی سلطنت کی بنیاد رکھی جاسکتی تھی اور اس اثر و اقتدار کو جو آپ کو من جانب اللہ حاصل تھا، اپنے خاندان میں محفوظ کیا جاسکتا تھا، وہ لکھتے ہیں:-

”یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا کمال ہے اور جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول برحق تھے، کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں تھے، اس لئے کہ بادشاہوں کی عادت قدیمہ ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کو ترجیح دیتے ہیں اور انہی کو حکومتیں سپرد کرتے ہیں اور اس سے وہ اپنے نزدیک اپنی سلطنت کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح اطراف و نواح کے والیوں اور حکمرانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا بھی یہی دستور ہے بنو بویہ، بنی سلجوق (سلاجقہ) اور مشرق و مغرب اور شام و یمن کے تمام سلاطین و ملوک اپنے ہی عزیزوں کو اور اپنے خاندانی لوگوں کو حکومت حوالہ کرتے ہیں، اسی طرح سے عیسائی اور مشرکین بادشاہوں کا بھی یہی معمول ہے، فرنگی بادشاہ اور چنگیز خاں کے خاندان کے بادشاہوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ سلطنت بادشاہ کے خاندان میں باقی رہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ شاہی خاندان میں سے ہے، یہ شاہی خاندان میں سے نہیں ہے، یہ بڑی کا ہے، یہ بڑی کا نہیں ہے، اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی تولیت اور اپنے چچا حضرت عباسؑ اور اپنے چچا زاد بھائی علیؑ عقیل، ربیعہ ابن الحارث بن عبد المطلب، ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب وغیرہ کا خلیفہ نہ بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ شاہی آئین کے پابند نہیں تھے، ان کے علاوہ بنی عبدمنیٰ میں حضرت عثمان بن عفان، خالد بن سید بن العاص، ابان بن سید بن العاص وغیرہ موجود تھے اور بنو عبد مناف کا خاندان قریش میں سب سے جلیل القدر اور نسب میں آپؐ سے قریب تر تھا، یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندہ اور اللہ کے رسول ہیں اور وہ کوئی بادشاہ نہیں ہیں، کیونکہ انھوں نے خلافت کے بارے میں کسی کو محض قرب نسب یا خاندانی شرف کی وجہ سے آگے نہیں کیا،

بلکہ ایمان و تقویٰ کی بنا پر اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت آپ کے بعد اللہ ہی کی عبادت کرے گی، اور اللہ ہی کے حکم پر چلے گی، قومی یا خاندانی یا ذاتی سر بلندی اور علوفہ الارض اس کا مقصود نہیں، یہاں تک کہ بعض انبیاء کے لئے جس سلطنت کی اجازت دی گئی، اس تک کو اختیار نہیں کریں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ آپؐ عبد رسول رہیں یا پیغمبر بادشاہ، آپؐ نے اسی کو اختیار کیا کہ آپؐ عبد رسول رہیں، درحقیقت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی تولیت اسی کا نتیجہ تھا، اس لئے کہ اگر آپؐ اپنے اہل بیت میں سے کسی کو اپنا قائم مقام بناتے تو ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ آپؐ نے مال اپنے ورثا کے لئے جمع کیا ہے!

جاہلیت کی نسب پرستی

درحقیقت ان تمام فرقوں میں جو حضرت علیؑ کے وصی ہونے کے مدعی ہیں اور جن کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ حقیقی چچا زاد بھائی اور داماد کے ہونے کوئی دوسرا شخص خلیفہ ہو سکتا ہے، جاہلیت کی بوا اور اہل جاہلیت کی نسب پرستی کی رگ پائی جاتی ہے جو اس بات کے تصور سے ہمیشہ قاصر رہے ہیں کہ مناصب و مراتب محض نسب و قرابت کی بنا پر نہیں بلکہ استعداد و قابلیت اور فضائل پر عطا ہونے ہیں، عرب، ایران، ہندوستان اور اسلام سے پہلے تمام ملکوں کا یہی ذہن اور مزاج تھا، جن لوگوں نے یہ فیصلہ صادر کیا، اور قطعی طور پر یہ رائے قائم کر لی کہ حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا، انھوں نے دراصل اپنی قومی عادات اور اپنی طبیعتوں پر قیاس کیا اور انھوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ اور مذاق و مزاج اور ان کا ظرف و حوصلہ نہیں سمجھا۔

فکر بہر کس بقدر ہمت اوست

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:-

”روافض کا کلام مشرکین جاہلیت ہی کے کلام سے ملتا جلتا ہے، وہ نسب اور آباء کے بارے میں تو بڑا تعصب برتتے ہیں اور خاندان کی بنیاد پر حمایت و محبت کرتے ہیں اور انسان کے لئے وہ چیزیں قابل اعتراض قرار دیتے ہیں جس سے ایمان و تقویٰ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، اور یہ سب جاہلیت کے افعال ہیں۔“

شیعوں کا انتساب و مرجع اولاد حسین کے لئے ایک آزمائش ہے

امام ابن تیمیہ کے نزدیک شیعہ اہل بیت کے نادان دوست ہیں، اور ان کی مبالغہ آرائیوں، غلو اور غلط واقعات و روایات سے اہل بیت کی بدنامی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”اولاد حسین کے لئے شیعوں کا ان کی طرف انتساب اور تعظیم و مرجع بھی ایک صیبت اور ابتلا ہے اس لئے کہ وہ ان کی ایسی چیزوں کے ساتھ مرجع کرتے ہیں جو مرجع کی بات نہیں اور ان کے لئے ایسے دعوے کرتے ہیں جن کی کوئی حجت نہیں اور ان کے متعلق ایسی باتیں ذکر کرتے ہیں کہ اگر ان کی فضیلت سنیوں کے کلام سے او کتابوں سے نہ معلوم ہوتی تو شیعہ ان کے متعلق جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ مرجع سے زیادہ قدر ہوئی۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”ان شیعوں کو مناقب و مثالب کی حقیقت کی خبر ہی نہیں، اور نہ ان کو ان طرف کا علم ہے جن سے یہ مناقب ثابت ہوتے ہیں۔“

تعصب کی کرشمہ سازیاں

مصنف ”منہاج الکرامۃ“ نے حضرت علیؑ اور ائمہ اہل بیت کی امامت کے ثبوت میں اور ان کے مناقب میں بکثرت آیات اور احادیث و روایات جمع کر دی ہیں، ان آیات و احادیث و روایات کو دیکھ کر اندازہ

ہوتا ہے کہ تعصب انسان کو کہاں تک پہنچا سکتا ہے، ان آیات میں بیشتر یا تقریباً تمام ترجمہ وہ ہے جس کا اہل بیت سے یا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں یا وہ بھی عامہ مسلمین کے ساتھ شامل ہیں، احادیث و روایات میں سے اکثر موضوع وضعیف ہیں، اور بقول امام ابن تیمیہ کے ”الروایات المستبہة التي لا مقام لها ولا خطام“ یعنی وہ احادیث جن کا کوئی سرپرست نہیں، اس سلسلہ میں شیعہ مصنف نے ایسی جرأت و بے باکی سے کام لیا ہے کہ بہت سی احادیث کو صحیحین کی طرف اور بہت سی احادیث کو مسند احمد ابن حنبل کی طرف منسوب کیا ہے اور امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ان کا کہیں صحیحین و مسند میں وجود نہیں، بعض احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ احادیث کے کسی مجموعہ اور دواوین اسلام میں کہیں ان کو نہیں دکھایا جاسکتا، شیعہ چونکہ قرآن و حدیث سے بہت ناواقف ہیں اس لئے وہ معمولی اصطلاحات کو بھی نہیں سمجھتے اور بعض اوقات بے تکلف غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

آیات کے سلسلہ میں مصنف نے بڑے بڑے لطیفے کئے ہیں، ان کی تفسیر کو دیکھ کر وہ شہور لطیفہ یاد آجاتا ہے کہ کسی بھوکے سے پوچھا گیا دو دو کتنے ہوتے ہیں، اس نے کہا چار روٹیاں، مصنف نے چالیس آئین لکھی ہیں، جو اس کے نزدیک حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئیں، یہاں پر چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

آیت ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَارْتَضَيْتُمْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا“ مصنف ابو نعیم کی ایک حدیث نقل کرتا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے خطبہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اللہ اکمل علی کمال الدین و اقام النعمة و رضا الوتیر برسالتی و بالولاية لعلی من بعدی“

امام ابن تیمیہ پہلے تو حیدر خانہ طریقہ پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث باتفاق اہل فن موضوع ہے، اور کتب حدیث میں کسی قابل اعتماد کتاب میں نہیں پائی جاتی، پھر مفسرانہ اور مورخانہ طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ صحاح، مسانید اور تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن وقوف کی حالت میں نازل ہوئی، ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ ایک آیت آپ کے قرآن میں ایسی ہے کہ اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی، اس نے کہا ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَارْتَضَيْتُمْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا“

حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ کس دن نازل ہوئی تھی، اور کس جگہ نازل ہوئی ہے، یہ عرفہ کے دن عرفات میں ایسی حالت میں نازل ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقوف میں تھے، امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ دوسرے ذرائع سے بھی یہ بات شہرت اور توازن کو پہنچ گئی ہے اور یہ مسلمانوں کی تمام کتابوں میں موجود ہے، یہ یوم جمعہ ۹ ذی الحجہ یوم خم سے ۹ دن پہلے کا واقعہ ہے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی، دوسرے اس روایت میں یہ الفاظ جو نقل کئے گئے ہیں: **اللَّهُمَّ دَالٍ مِنْ دَلَالَةِ وَعَادٍ مِنْ عَادَةِ وَالنَّصْرُ مِنْ نَصْرِهِ وَلِخِذْلٍ مِنْ خِذْلِهِ** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مستجاب الدعوات کون ہو سکتا ہے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس دعا کا تحقق ہوتا، لیکن تاریخ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ آیت **مَوْجِ الْبَحْرِ يَنْتَقِينَ بَِيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ** بحرین سے مراد علی وفاطمہ اور بزرخ لائینیان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور **يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ** سے مراد حسن حسین ہیں، امام ابن تیمیہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ان هذا وامثاله يقول من لا يعقل ما
يقول وهذا بالهذيان شبه منه بتفسير
القرآن وهو من تفسير الملاحدة
والقرامطة الباطنية للقرآن بل هو
شوم كثير منهم
اس طرح کی باتیں وہی کہہ سکتے ہو بے سمجھے بات
کرنے کا عادی ہے، اور یہ تفسیر کے بجائے ایسے ہی بے ربط
اور مہمل باتیں ہیں، جیسی ہر ساری کیفیت میں مرض کی زبان
سے نکلتی ہیں اور وہ اسی طرح کی تفسیر ہے جیسی طاعن قرامطہ
اور باطنیہ کرنے کے عادی ہیں بلکہ یہ اس سے بھی بدتر ہے۔

امام ابن تیمیہ نے پھر اس تفسیر کے غلط ہونے کے چھ وجوہ لکھے ہیں، ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت سورہ حزن کی ہے، اور وہ بالاتفاق کئی ہے، اور حضرت حسن حسین مدینہ طیبہ میں اس کے نزول کے کئی سال بعد پیدا ہوئے ہیں، دوسرے اس آیت کی تفسیر سورہ فرقان کی آیت سے ہوتی ہے **وَهُوَ الَّذِي مَوْجِ الْبَحْرِ يَنْتَقِينَ** لہذا اعدت فرائض

لہ ترجمہ:- اس نے دو سمندر ملا دیئے جو باہم ملتے ہیں، ان دونوں میں پردہ ہے کہ وہ حد سے تجاوز نہیں کر سکتی (سورہ حزن ۱۹-۱۱)

وَهُوَ الَّذِي مَوْجِ الْبَحْرِ يَنْتَقِينَ اگر اس سے مراد علی وفاطمہ ہیں تو ان میں سے ایک کو ملح اجاج (کرکڑا نکمیں) قرار دینا پڑے گا، تیسرے اگر بزرخ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ مانع و حجاب ہوئے اور یہ مدح نہیں بلکہ ذم ہے، اسی طرح سے یہ حصہ عجائب و لطائف سے بھرا ہوا ہے، اور شیخ الاسلام نے مفسرانہ اور محدثانہ، فقیہانہ و مورخانہ اور ناقدانہ جوابات دیئے ہیں، جو ان کی ذہانت و فہم و علم اور قوت مناظرہ کا روشن ثبوت ہیں، انھوں نے ان تمام دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی فضیلت و ولایت اور علوم و تربت ایسے صحیح اور مسلم طریقوں سے ثابت ہے جس سے یقینی اور قطعی علم حاصل ہوتا ہے، ان چیزوں کی موجودگی میں دروغ بانی، غلط بیانی اور شکوک روایات و بیانات کی ضرورت نہیں ہے۔

کتاب کا دوسرا معرکہ الاراحصہ وہ ہے جس میں منہاج الکرامۃ کے اس حصہ پر بحث ہے جس میں مصنف نے صحابہ کرام پر بالعموم اور شیخین پر بالخصوص اور صدیق اکبر پر بالخصوص مطاعن اور اعتراض جمع کئے ہیں، یہ اعتراضات بزم مصنف قرآن مجید سے بھی مانوڑ ہیں، احادیث و سیر سے بھی اور تاریخ سے بھی، یہ مطاعن و اعتراضات اس بات کا ثبوت ہیں کہ عداوت ایک پڑھے لکھے انسان کو بھی کہاں تک لے جاسکتی ہے، یہاں پر اس کے صرف دو نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی مشہور آیت جو صدیق اکبرؓ کی خصوصیت کی سب سے بڑی دلیل، اور ان کی وہ فضیلت و منقبت ہے جس میں امت کا کوئی فرد ان کا شریک نہیں، وہ یہ آیت ہے **الَّذِينَ كَفَرُوا فَذَرْهُمْ لَا يَكُونُوا لَكَ آيَةً** ان کے کفر کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یہاں پر اس کے خلاف دلائل اور ان کی وہ فضیلت و منقبت لکھا ہے کہ اس میں حضرت ابوبکرؓ کے لئے فضیلت کی کوئی بات نہیں، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لہ ترجمہ:- اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملا دیا، یہ میٹھا خوشگوار ہے، اور یہ کھاری کرکڑا ہے (الفرقان ۵۳) ۵۴ حصہ ۱۸۶

۵۵ حصہ ۱۸۶ لہ ترجمہ:- مگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو اس کی اللہ نے مدد کی ہے جس وقت اسے کافروں نے نکالا تھا کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کھا جیسا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے (التوبہ ۲۰)

وہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے یہ جو کہا ہے کہ وہ غزوات نبوی میں کئی دفعہ راہ فرار اختیار کر چکے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف غزوات نبوی کے بارے میں بالکل جاہل واقع ہوا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ جس گروہ سے اس کا تعلق ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات سے نہ کوئی واقفیت ہے نہ کوئی دلچسپی اس کو یہ خبر نہیں کہ بدر کی جنگ پہلی جنگ تھی جس میں لڑائی ہوئی، اس سے پہلے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ شریک ہوئے ہوں، اس پر تمام اہل سیر حدیث و معاری، فقہ و تواریخ کا اتفاق ہے کہ بدر پہلی جنگ تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال فرمایا، اس سے پہلے کوئی غزوہ یا سریرہ ایسا پیش نہیں آیا جس میں جنگ کی نوبت آئی ہو سوائے ابن الحضری کے واقعہ کے جس میں حضرت ابوبکرؓ شریک ہی نہیں تھے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ حضرت ابوبکرؓ اس سے پہلے کئی بار میدان جنگ سے فرار اختیار کر چکے تھے، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا کسی جنگ سے بھاگنا ثابت نہیں اس کا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہے کہ وہ ثابت کرے کہ کس جنگ سے انھوں نے فرار اختیار کیا تیسری بات یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ حضرت ابوبکرؓ ایسے ہی بزدل تھے تو ان کو اپنے ساتھ عریش میں رکھنا مناسب نہیں تھا، بلکہ ایسے آدمی کو میدان جنگ میں لانا بھی مناسب نہیں تھا، چہ جائیکہ خاص طور پر تمام صحابہ کرام میں سے ان کو اپنی رفاقت کے لئے انتخاب فرمایا۔

حضرت علیؓ کے بارے میں تناقض

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا بنایا، دوسری طرف ان کی صلیب کے واقعہ کی ایسی تصویر کھینچی کہ وہ ایک بے بس و مجبور انسان نظر آتے ہیں جو ہر طرح کی توہین و تذلیل اور تحقیر و استہزاء کا نشانہ و نختہ مشق ہیں اسی طرح سے شیعہ حضرات نے ایک طرف تو حضرت علیؓ

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص ۲۸۲ تا ۲۸۶

کے لئے وہ صفات اور قوتیں ثابت کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پایہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کچھ بلند تھا، اور اگر وہ نہ ہوتے تو اسلام کو فروغ نہ ہوتا، ان ہی کے بیچہ خیر شکن اور ذوالفقار آبدار سے اسلام کی فتح ہوئی، اور کفر سرنگوں ہوا، دوسری طرف خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں ان کو ایسا مجبور و بے بس ثابت کیا ہے کہ وہ سب کچھ اپنے ضمیر و عقیدہ کے خلاف دیکھتے اور ان کی اور ان کے اہل بیت کی ہر طرح توہین و تذلیل ہوتی، اور وہ کچھ نہ کر سکتے، یہ صریح تناقض اور تضاد ہے، امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

”یہ شیعہ صحیح بن النقیضین کرتے ہیں، ایک طرف وہ حضرت علیؓ کو قوت و شجاعت میں سب سے کامل اور بڑھا ہوا بتاتے ہیں، یہاں تک کہ معلوم ہوتا ہے ان ہی نے دین رسول کو قائم کیا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محتاج تھے اور ان کو اقامت دین میں لڑکا شریک بتاتے ہیں، پھر اسلام کے غلبہ اور قوت کے بعد لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کے عجز و ضعف، مضطرب و لقیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ کمزور اور بے بس ہستی نہ تھی، حالانکہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ بہ نسبت سابق کے زیادہ حق کے پیرو ہو گئے، تو جو شخص دین محمدی کے قائم کرنے میں اللہ کا شریک حال تھا جس نے کفار کو مغلوب کیا، اور وہ اسلام لائے وہ اپنی طاقت اس جماعت کے مغلوب کرنے میں کیوں نہیں دکھاتا، جنھوں نے اس پر زیادتی کی تھی حالانکہ وہ تعداد میں بھی ان کفار سے کم تھے، اور قوت و شوکت میں بھی کمزور تھے، اور یہ مخالفین ہر حال حق سے زیادہ قریب تھے!“

مبحث امامت

امام ابن تیمیہ نے امامت کے مبحث پر بھی بڑی مفصل بحث کی ہے، اور شیعہ امامت کی جو تعریف کرتے ہیں اور اس کو دین کا رکن قرار دیتے ہیں، اس کا بہ شدت انکار کیا ہے، اور ان تمام عقلی و نقلی دلائل کا رد کیا ہے جو اس کے

ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں اس سلسلہ میں امام غائب کے عقیدہ کا بڑا مذاق اڑایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس عقیدہ سے سوائے فساد، اختلاف، بے علمی اور تعطل کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

شیعوں کو قرآن و حدیث سے دھکپی نہیں

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کو حفظ قرآن کی طرف اور اس کے معانی و تفسیر کا علم اور اذکار کی تلاش و جستجو کی طرف کوئی توجہ نہیں، اسی طرح احادیث صحیح و سفیم کی پہچان، حدیث کے معانی و مطالب اور صحابہ و تابعین کے آثار سے واقفیت کا کوئی اہتمام نہیں، ان کا سرمایہ اور مبلغ علم کچھ آثار ہیں، جو بعض اہل بیت سے نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں، ان میں جھوٹ سچ سب کچھ ہے۔

مساجد و جمعہ و جماعت سے بیگانگی

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ شیعوں نے انبیاء، بلکہ ائمہ کے بارے میں ایسا غلو کیا کہ ان کو اربابِ حق و دین اللہ بنا دیا، اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت سے جس کا پیغمبروں نے حکم دیا تھا بے اعتنائی کی تم دیکھو گے کہ وہ مساجد جن کو بلند اور بار و فوق رکھنے اور ان میں اللہ کا نام لینے کا حکم دیا ہے، ان کو ویران رکھتے ہیں اور ان میں جمعہ و جماعت کو قائم نہیں کرتے، اور ان کے نزدیک ان کا کوئی بڑا احترام نہیں ہے اور اگر ان میں کبھی نماز پڑھتے بھی ہیں، تو الگ الگ اور ان مشاہد کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، جو قبور پر بنائے گئے ہیں، ان پر متکلف رہتے ہیں جیسے مشرکین، اور دور سے سفر کر کے ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں، جیسے کہ حجاج خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔

متاخرین شیعہ معتزلہ کے پیرو ہیں

متاخرین شیعہ عقلیات میں عام طور پر معتزلہ کے پیرو ہیں، اور کچھ لوگوں نے فلاسفہ یونان کی پیروی کی ہے،

اور ان پر فلسفہ غالب ہے، ان کے علماء میں سے کوئی تو فلسفہ و اعتزال اور رفض کا جامع ہے، جیسے نہاج الکرام کا مصنف، اس سلسلہ میں مصنف کتاب نے عقائد و علم کلام کی جو بحثیں چھیڑی ہیں، جن میں اعتراض و فلسفہ کا رنگ صاف جھلکتا ہے، ان کا امام ابن تیمیہ نے تفصیلاً جواب دیا ہے، یہ حصہ گہری فلسفیانہ اور تکلمانہ بحثوں سے بھرا ہوا ہے، اور چونکہ وہ معقول و منقول دونوں سمندر روں کے نشا و رہیں، اس لئے انھوں نے اپنی عادت کے مطابق دل کھول کر بحث کی ہے، اور ایک ایک حرف کا رد کیا ہے، اور اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ اس فرقہ کی واقفیت عقلیات سے بہت سطحی اور عامیانہ ہے اور ان کے علماء بھی اس علم میں طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔

گذشتہ تاریخ

امام ابن تیمیہ نے جابجا لکھا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں شیعوں نے کفار و مشرکین کا ساتھ دیا، اور اسلام سے بے وفائی کی اور اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچایا اور اخیر میں ان کا قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے، "فایا مہم فی الاسلام کلمہ اسود"۔

اہل سنت راہ اعتدال پر

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں صرف اہل سنت ہی توسط اور اعتدال کی راہ پر ہیں، اور افراط و تفریط سے محفوظ ہیں، ان کے نزدیک اہل بیت کی محبت اور صحابہ کرام کی تعظیم میں کوئی تضاد نہیں، انھوں نے ان دونوں نعمتوں کو جمع کر رکھا ہے، اور یہی صحیح اسلام ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"اہل سنت تمام مومنین کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، اور علم و عدل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں،"

وہ نہ اہل جہل میں سے ہیں نہ اہل اہواء میں سے وہ روافض اور خوارج دونوں کے طریقہ سے
بیزار وہ تمام سابقین اولین کے معتقد ہیں اور صحابہ کرام کی قدر و منزلت کے شناسا اور
معترف ہیں اور ان کے مناقب کے قائل ہیں اور اس سب کے ساتھ اہل بیت کرام کے
حقوق کی ادائیگی ضروری سمجھتے ہیں جو شریعت سے ثابت ہیں۔



علوم شریعت کی تجدید

امام ابن تیمیہ کا عہد

امام ابن تیمیہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے اس میں شرعی اور دینی علوم بڑی وسعت اختیار کر چکے تھے
خصوصیت کے ساتھ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں سے ہر موضوع پر اتنا وسیع کتب خانہ مرتب
ہو چکا تھا کہ ان میں سے کسی ایک موضوع پر عبور حاصل کرنا اور اس وقت تک کے علمی ذخیرہ سے اجمالی
واقفیت بھی ایک متوسط آدمی کے لئے بہت بڑا علمی کارنامہ تھا، لیکن پھر بھی ان کے عہد میں بکثرت ایسے عالم
اور مدرس موجود تھے جو اس کتب خانہ پر نظر ڈال چکے تھے اور ان میں سے متعدد ایسے بھی تھے جو اپنے قوی حافظہ،
علمی اشتغال، کثرت مطالعہ اور کثرت درس و تدریس کی وجہ سے اس کے ایک معتد بہ حصہ کو اپنے سینہ میں محفوظ
رکھتے تھے اور تدریس و مناظرہ کے وقت اس سے بے تکلف استفادہ اور اس کا اعادہ کر سکتے تھے، علامہ کمال الدین
ابن الزمکانی، تقی الدین علی بن السبکی، شمس الدین الذہبی، ابوالحجاج المزی، اس کا ایک نمونہ ہیں، طبقات الشافعیہ
الکبریٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں علمی استحضار، تبحر، محفوظات کی کثرت اور علمی تفنن کس حد
تک پہنچ چکا تھا، متعدد اصحاب ایسے تھے جن کو علوم شرعیہ کا دائرہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کہنا صحیح ہوگا۔
لیکن علم و معلومات میں جتنی وسعت تھی، فکر میں اتنا عمق نہیں تھا، ایسے لوگوں کی عرصہ سے کمی چلی آ رہی تھی،
جو اس پورے علمی ذخیرہ پر ناقدانہ اور استادانہ نظر رکھتے ہوں، متقدمین کے آراء و خیالات میں موازنہ و تقابل کی
قوت رکھتے ہوں اور مسائل و آراء میں اپنی کوئی ذاتی اور منفرد رائے بھی رکھتے ہوں، متقدمین نے جو قابل قدر

علمی اندوختہ چھوڑا تھا، اکثر متاخرین کا کام صرف اس پر عبور حاصل کر لینا اور اس کی شرح و توضیح، اختصار و تلخیص رہ گیا تھا، عرصہ سے اس میں کوئی معتد بہ اور قابل قدر اضافہ نہیں ہو رہا تھا، کوئی ایسی تصنیف جس کو طبع زاد یا مجتہد نہ کہا جاسکے، کیا اب بھی اس عصر کی جو بہترین اور مایہ ناز تصنیفات سمجھی جاتی تھیں، ان کا جو ہر بھی صرف یہ تھا کہ مصنف نے اپنے سے پہلے کے منتشر معلومات کو یکجا جمع اور سلیقہ سے مرتب کر دیا تھا، یا وہ کسی سابق فقہی متن کی عمدہ شرح تھی۔

ان کی تصنیفی و علمی خصوصیات

امام ابن تیمیہ نے اپنے حافظہ خدا داد سے اس پورے علمی ذخیرہ پر عبور حاصل کیا اور اس کو فکری طور پر منظم کر لیا، اور اس سے اپنی تصنیفات میں پورا فائدہ اٹھایا، لیکن ان کی بے چین اور متوجہ طبیعت ان کا نکتہ سنج و نکتہ آفریں دماغ اور ان کا خیال و روان قلم اس پر قانع نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ صرف نقل و روایت اور شرح و تلخیص یا انتخاب پر اکتفا کریں قرآن مجید کا گہرا علم، مقاصد شریعت سے گہری واقفیت اور اصول فقہ اور اصول تشریع کا ملکہ راستہ ان کی ہر تصنیف میں ان کا رفیق ہے، وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، اس میں اپنے تازہ علم سے جان ڈال دیتے ہیں، ان کی کوئی ایسی تصنیف نہیں ہو گی جس میں کچھ نئے علمی حقائق، علمی نکتے، ناقدانہ بحثیں اور جدید اصولی مباحث نہ ملیں، اور قرآن مجید کے فہم کی ایک نئی راہ اور شریعت کے مقاصد کے سمجھنے کا نیا دروازہ کشادہ نہ ہو، ان کی دو ضخیم تصنیفات "الجواب الصحیح" اور "منہاج السنۃ" پر مفصل تبصرہ اور ان کے مضامین کی تلخیص گزر چکی ہے، ان دونوں کے علاوہ ان کی متعدد تصنیفات ایسی ہیں، جو ان کے مجتہدانہ فکر و نظر و ذہن رسا اور قوت تنقید کی شاہد ہیں، اور ہر عہد کے دماغوں کو جدید و صالح علمی و فکری غذا مہیا کرتی ہیں، اور زمانہ کے اہل علم کو ان میں بنیاد، نئے دلائل اور نئی تحقیقات نظر آتی ہیں، مثال کے طور پر کتاب النبوات "الرد علی المنطقیین"

اقتضاء الصراط المستقیم نہ صرف اعلیٰ علمی تصنیفات اور اپنے موضوع پر کامیاب کتابیں ہیں، بلکہ اس طرح کی خیال آفریں و خیال افروز کتابیں ہیں، جو ذہن کو سوچنے پر آمادہ کرتی ہیں، اور ان کے سامنے نئے علمی میدان اور سوچنے اور غور کرنے کے لئے نئے مسائل اور مضامین لاتی ہیں۔

تفسیر

امام ابن تیمیہ نے تفسیر کو اپنے فکر و تصنیف کا خاص موضوع بنایا، یہ ذوق ان پر اس قدر غالب تھا کہ ان کی کوئی تصنیف مشکل سے ایسی ہو گی جس میں قرآن مجید کی تفسیر کا مواد نہ ملے اور آیات سے استدلال و ان کی شرح و تفسیر نہ ہو، ان کے سامنے جب کوئی آیت آتی ہے تو اس کی تفسیر کئے بغیر ان سے بڑھا نہیں جاتا، ان کے تلامذہ کا بیان ہے کہ انھوں نے جو تفسیری ذخیرہ چھوڑا وہ تیس جلدوں سے زائد ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر وہ ذخیرہ دستیاب ہو جائے تو وہ تفسیر کا ایک بہت قیمتی اور مستند ذخیرہ ہو گا، فکر و نظر کی گہرائی، مستند ذوق، روایات پر کامل عبور اور ان سے استناد، آیات کی زندگی پر تطبیق، اپنے ماحول و معاشرہ سے واقفیت، داعیانہ روح اور جذبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حمیت دین کی جو دولت اللہ نے ان کو عطا فرمائی تھی، اس کی وجہ سے ان کے قلم سے نکلی ہوئی تفسیر شاید سب سے بہتر اور جامع تفسیر ہو، اگرچہ یہ مفصل مسلسل تفسیر اس وقت نایاب ہے، لیکن قرآن مجید کی متعدد سورتوں کی تفسیریں چھپ چکی ہیں، اور ان سے ان کی مفسرانہ خصوصیات کا اندازہ ہو سکتا ہے، ان میں سے تفسیر سورۃ الاخلاص، تفسیر معوذتین اور تفسیر سورۃ نور، عرصہ ہوا ہے، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب المجہم کا موضوع اگرچہ صرف یہ ہے کہ غیر مسلموں کے رسوم و شعائر اختیار نہ کئے جائیں، اور ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت نہ کی جائے، مگر حسب معمول یہ کتاب بڑے نفیس مباحث و علوم پر مشتمل ہے، اور شیخ الاسلام کی بہترین تصنیفات میں شمار ہونے کے قابل ہے، اس کا ایک ایڈیشن بڑے اہتمام سے انصار السنۃ قاہرہ نے شائع کیا ہے، مجلس تحقیقات و نشر اسلام لکھنؤ کی جانب سے اس کے ضروری اور موجودہ حالات میں رہنمائی کرنے والے مباحث کو اردو میں اسلام اور غیر اسلامی تہذیب کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

مصر میں چھپ چکی ہیں، حال میں ان کی مختلف تصنیفات میں سے تفسیری حصوں کو علیحدہ کر کے چھاپے یا گیا ہے تفسیر سے ان کا تعلق اس میں ان کا اشتغال و انہماک ان کی زندگی میں بھی معروف تھا، یہ ان کا ایسا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز کا اعلان بھی اسی عنوان سے ہوا "الصلوة علی ترجمان القرآن" ان کا ایک چھوٹا سا رسالہ اصول تفسیر بھی ہے، جہاں تک ہم کو معلوم ہے امام ابن تیمیہ کا یہ رسالہ اصول تفسیر کا پہلا مستقل رسالہ ہے۔

حدیث

حدیث اور شرح حدیث میں اگرچہ امام ابن تیمیہ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، اور حدیث کا فن ساتویں اور آٹھویں صدی میں جس وسعت و کمال کو پہنچ چکا تھا، اس کے بعد یہ کام کچھ ایسا ضروری بھی نہیں رہ گیا تھا، مگر ان کی تصنیفات میں اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، نقد حدیث اور فقہ حدیث کا جتنا مواد ملتا ہے، اگر وہ سب علیحدہ جمع کر دیا جائے تو وہ ایک بہت بڑی تصنیف اور ایک بڑی قیمتی ذخیرہ ہوگا، خصوصیت کے ساتھ موضوعات پر ان کی جیسی بے لاگ اور محققانہ رائیں ان کی کتابوں میں ملتی ہیں، اس کا کہیں اور ملنا مشکل ہے، اس سلسلہ میں منہاج السنہ میں جو مواد ملتا ہے، اور بیسیوں مشہور، متداول حدیثوں پر انھوں نے جو کلام کیا ہے، وہ بڑا کارآمد اور نادر ذخیرہ ہے۔

اصول فقہ

اصول فقہ ان کا ایک پسندیدہ اور ذوقی موضوع تھا، جس میں ان کو ملکہ حاصل ہو گیا تھا، اور جس میں وہ مجتہدانہ شان رکھتے تھے، ان کی کوئی تصنیف ان اصولی مباحث سے خالی نہیں، اقتضاء الصرا المستقیم اور ان کے فتاویٰ میں اس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اور بعض مستقل رسائل مثلاً رسالہ القیاس، لے تفسیر ابن تیمیہ کے نام سے مطبع قیمیہ میں چھپ چکی ہے۔

منہاج الوصول الی علم الاصول وغیرہ بھی یادگار ہیں۔

علم کلام

امام ابن تیمیہ کی تصنیفات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو شاید علم کلام و عقائد ان کی تحریروں کے پورے نصف حصہ پر مشتمل ہوگا، یاد و ثلث حصوں پر اس موضوع پر ان کے وہ رسائل جو مختلف مقامات اور شہروں کے نام پر مکتوب ہیں، مثلاً شرح اصہبہانیہ، رسالہ حمویہ، تذمیرہ، واسطیہ کیلانیہ، بغدادیہ، ازہریہ وغیرہ وغیرہ اس موضوع پر ان کے اصلی خیالات، قوت استدلال، حمیت دینی، اور ان کے علم و ذہانت کا مظہر ہیں۔

فقہ

ان کے زمانہ میں ہر مذہب کی فقہ اتنی مدون ہو چکی تھی کہ اس میں نیا اضافہ بہت مشکل تھا، پھر بھی انھوں نے بکثرت مسائل و احکام پر مجتہدانہ نظر ڈالی ہے، اور کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اصول فقہ کی روشنی میں استنباط و اجتہاد سے کام لیا ہے، فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش کی، اور فقہی آراء و جزئیات کو صحیح احادیث کے تابع بنانے کی کوشش کی، نئے پیش آنے والے مسائل و حالات اور نئی ضروریات کے لئے استنباط و اجتہاد سے کام لیا، جس طرح ہر مذہب کے فقہاء اور قضات ہر عصر میں نئے مسائل پر اجتہاد و استنباط سے کام لیتے رہے تھے، اسی طرح امام ابن تیمیہ نے بھی (جن کے متعلق بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ ان میں شرائط اجتہاد جمع تھے) ان نئے مسائل پر اجتہاد سے کام لیا، اور اپنے فتاویٰ اور اختیارات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا، یہ ذخیرہ فتاویٰ ابن تیمیہ کی چار ضخیم جلدوں میں محفوظ ہے، اور نہ صرف فقہی مسائل و احکام کا بلکہ بہت سے علمی مسائل و اصولی لے عام طور پر جس شہر سے کوئی استفاء آتا تھا، اسی شہر پر اس رسالہ کا نام رکھ دیا جاتا تھا۔

امام ابن تیمیہ کا اثر بعد کی صدیوں پر

اس عظیم علمی کارنامہ کے ساتھ جس میں وسعت بھی تھی اور عمق بھی تھا، اور جس میں نقل و نقل دوش بدوش ہیں، انھوں نے علوم شریعت کی تجدید کی خدمت انجام دی اور فکر اسلامی پر جو جمود و اضمحلال طاری ہونے لگا تھا، اس کو دور کیا نئی علمی راہیں اور نئے فکری دروازے کھولے، اور تصنیفات و مباحث کا ایسا علمی ذخیرہ چھوڑا جس کے مطالعہ سے ذہن میں وسعت، طبیعت میں جولانی اور فکر میں تحریک و نشاط پیدا ہوتا ہے اور جس کے اثر سے ہر دور میں اچھے مصنف، بلند خیال مفکر، پر جوش مصلح اور مخلص داعی پیدا ہوتے رہے اس فکری و اصلاحی تسلسل و حرکت میں جو آٹھویں صدی کے بعد سے نظر آتی ہے، بلاشبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نمایاں حصہ ہے اور وہ علوم و افکار اسلامیہ کے مجددین کبار میں شمار ہونے کے قابل ہیں خصوصیت کے ساتھ بارہویں صدی ہجری سے عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں جو اصلاحی و فکری و علمی تحریکیں پیدا ہوئیں، ان کے ماخذوں میں ایک بڑا ماخذ اور محرک امام ابن تیمیہ کی تصنیفات ہیں۔

لے مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نام سے شیخ فرج الشاذلی کردی کے اہتمام سے ۱۳۲۶ھ میں مصر میں چار حصوں میں شائع ہوا ہے مجموعی صفحات ۱۵۸۶ ہیں پوچھے حصہ کے اخیر میں الاختیارات العلمیہ کے نام سے کتاب ہے جس میں ان کے اعتقادات و ترجیحات کو جمع کر دیا گیا ہے فتاویٰ کا پانچواں حصہ عقائد و علم کلام کے مسائل و مسائل سے متعلق ہے حکومت سعودیہ کی طرف سے فتاویٰ ابن تیمیہ کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اوتیس جلدوں پر مشتمل ہے اس کی حیثیت ایک مستقل کتب خانہ اور دائرۃ المعارف کی ہے۔

فکر اسلامی کا احیاء

عقائد کا ماخذ کتاب و سنت

عقائد و دینی حقائق کا صحیح ماخذ

امام ابن تیمیہ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ (جو شاید ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ اور ان کا امتیازی کام ہے) یہ ہے کہ انھوں نے فکر اسلامی کا احیاء کیا، اسلام کا دوسرے نظام ہائے فکر کے مقابلہ میں امتیازیہ ہے کہ اس کی بنیاد وحی و نبوت محمدی پر ہے اس کے عقائد و حقائق قیاس، تجربے ظن و تخمین اور انسانی ذہانت اور بحث و جدال پر مبنی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ پر مبنی ہیں، پیغمبر نے خدا کی ذات و صفات و افعال، عالم کی ابتداء و انتہاء اور دنیا کے آغاز و انجام، معاد اور اعمال کے خواص و نتائج اور دوسرے مابعد الطبیعیاتی مسائل کے متعلق جن کا دین سے تعلق ہے، جو کچھ اور جتنا کچھ کہہ دیا وہی عقائد ہیں اور وہی حقائق ہیں اور وحی و نبوت کے سوا درحقیقت ان کے معلوم کرنے کا پھر ان پر یقین کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہی نہیں اس لئے کہ تمام معلومات اور حقائق کا ذریعہ علم مبادی اولیہ ہی ہوتے ہیں اور ان حقائق دینیہ و غیبیہ کے مبادی اولیہ ہی کسی کو حاصل نہیں کسی نئی چیز کے علم کا ذریعہ ہی یہ ہے کہ معلومات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ مجہول تک رسائی ہو جائے لیکن جس طرح ہم کو طبیعیات و مادیات کے معلومات اولیہ حاصل ہیں، ان غیبی و دینی حقائق کے ابتدائی معلومات و مقدمات حاصل نہیں، اللہ کی ذات و صفات جو اس عقل دونوں سے ماوراء ہیں اور اس کے بالے ہیں انسان کو کوئی تجربہ و مشاہدہ حاصل نہیں، اور

نہیں قیاس کے لئے کوئی بنیاد ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اس لئے اس بارہ میں سوائے اس کے کہ انسانوں کے اس گروہ پر اعتماد کیا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کا علم یقین خود بخود عطا کیا ہے اور روشنی و ہدایت عطا کی ہے، کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اور ہمیں اس کے مقابلہ میں انکار و بحث کا کوئی حق نہیں اسی حقیقت کو قرآن مجید میں ایک پغمبر کی زبان سے اس طرح بیان کیا گیا ہے: قَالَ اتَّخَذُوا آلِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَيْنَا (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث و جدال کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بارے میں راستہ پر لگا چکا ہے)۔

فلسفہ کی سعی لا حاصل

یہ ایک ایسی واضح اور روشن حقیقت تھی کہ جس کی موجودگی میں فلسفہ کو ذات و صفات الہی کے بارے میں کسی دوسری کی ضرورت نہ تھی لیکن یہ علم انسانی کی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ کئی ہزار برس تک فلسفہ نے اس شغل لا حاصل کو جاری رکھا، اور اپنی بہترین ذہانتیں اور قوتیں ایک ایسے موضوع پر صرف کیں جس کے متعلق خود اس کو اعتراف ہے کہ اس کو اس کے مبادی و مقدمات بھی حاصل نہیں تھے، اور اس کے بارے میں اس کے پاس یقین حاصل کرنے اور قطعی رائے قائم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، پھر اس نے اس بارے میں ایسی تدقیق و تفصیل اور ایسی تکلفی سے کام لیا جو علمائے لغت و اشتقاق کسی لفظ کے بارے میں اور علمائے صرف و نحو تصریف و ترکیب میں برتتے ہیں، بلکہ ماہرین علم الکیمیا و دیو و نباتات کے بارے میں کرتے ہیں اور مباحث و تفصیلات کا اتنا انبار اکٹھا کر دیا اور ایسی بال کی کھال نکالی کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بحث کسی ایسی محسوس و مرئی ہستی کے بارے میں ہو رہی ہے جو بالکل ان کے تصرف اور دسترس میں ہے۔

متکلمین کا فلسفہ

اس سے زیادہ عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ متکلمین اسلام نے جو فلسفہ کے رد کے لئے اور اسلام کی

مداغت کے لئے کھڑے ہوئے تھے فلسفہ کی انہی اصطلاحات و مفروضات کو تسلیم کر لیا اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق ایسے وثوق و حکم اور تفصیل و تدقیق سے بحث شروع کر دی گویا وہ بھی کسی محسوس و مشاہدہ ہستی اور طبیعی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، وہ فلسفہ کی تردید کے لئے نکلے تھے لیکن وہ بھی فلسفہ کے مفروضات اور اصطلاحات کے جنگل میں گم ہو گئے، سوال و جواب و بحث و مباحثہ کے جوش میں ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ وہ فلسفہ کو اس کی بنیادی غلطی پر سرزنش کریں کہ وہ ایک ایسے مسئلہ و موضوع سے بحث کر رہا ہے جس کے مبادی و مقدمات اور اس پر بحث کرنے کی استعداد و استحقاق حاصل نہیں اور وہ فلاسفہ سے یہ ہیں کہ تمہارے بحث و نظر کا میدان صرف ریاضیات و طبیعیات ہے، تم کو اپنی بحث و نظر کو اسی میدان کے اندر محدود رکھنا چاہئے الہیات میں تمہاری مداخلت اپنے حدود سے تجاوز اور دخل در عقولات ہے اور وہ قرآن کے حکیمانہ و مبلغ الفاظ میں فلاسفہ کو مخاطب کر کے کہیں :-

هَآنَظُرْ هَؤُلَاءِ مَا يَحْتَمِلُ فِيمَا كَلَّمُوا عِلْمُ سُنْتَ بَعْدَ تَمَجُّدِ عِلْمِ اَيْسَى بَانُوں مِیں جِس کا تم کو
فَلِمَ تَحَاجُّوْنَ فِيمَا لَيْسَ كَلْمُكُمْ عِلْمُ (تھوڑا بہت) علم تھا، پھر اب کیوں جھگڑا کرتے
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ہوا، ایسی باتوں میں جس کا تم کو کچھ تو علم نہیں اور
(آل عمران - ۶۶) اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

قرون متاخرہ میں اسلامی فکر کا انحطاط

پچھلی صدیوں میں تو اسلامی فکر کے انحطاط کا یہ عالم تھا کہ خدا کی ہستی، عالم کے حدوث، التوحید، معاد تمام بنیادی عقائد کے ثبوت کے لئے ان ہی دلائل اور ترتیب مقدمات کو اصل قرار دے دیا گیا تھا، جو تکلمین نے ترتیب دیئے تھے، اور جن کی بنیاد فلسفہ پر تھی، محدثین و فقہاء کے ایک چھوٹے سے گروہ کو چھوڑ کر عام طور پر متکلمین و نظائر عقل کو معیار قرار دیتے تھے اور کتاب و سنت کو عقائد و احکام کا ماخذ بنانے کے بجائے

متکلمین کی کتابوں کو عقائد کا ماخذ بناتے تھے اور فلسفہ کے اعتراضات سے بچنے کے لئے یا فلسفہ کے بعض ثابت کئے ہوئے اصول کو قائم رکھنے کے لئے اور دین کو ان کے مطابق ثابت کرنے کے لئے وہ آیات و احادیث میں تاویل سے کام لیتے تھے، باوجود فلسفہ کی تردید کے ان پر فلسفہ کا اتنا رعب طاری تھا کہ وہ بجائے فلسفہ کے انکار اور اپنے علم کلام میں تبدیلی کر دینے کے آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح میں تاویل و توجیہ سے کام لیتے، امام ابن تیمیہ اسی ذہنیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

«حالت یہ ہے کہ ہر فرق نے اپنے لئے انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی تعلیم کے بارے میں ایک قانون بنا رکھا ہے جس چیز کو ان کی عقول نے تسلیم کر لیا ہے اس کو وہ اصل قرار دیتے ہیں جس پر ان کو اعتقاد و اعتماد ہے اور جس کو انبیاء علیہم السلام لائے اس کو تابع قرار دیتے ہیں جس جتنا حصہ ان کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور جو اس کے مخالف ہوتا ہے اس کو قبول نہیں کرتے»

ان متکلمانہ عقائد و مباحث کو اصل و معیار قرار دینے کے بعد اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ ان مباحث میں بڑے بلند و عظیم علوم اور بڑے حکم و معارف ہیں ایک کشمکش پیش آتی تھی کہ اگر یہ اصلی علوم و معارف ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کا کلام ان سے کیوں خالی ہے اور ان کے یہاں تفصیلات و تدقیقات کیوں نہیں ہیں؟ جو لوگ فلسفہ اور علم کلام پر پورا ایمان رکھتے تھے اور ان کا دماغ اس سے پورے طور پر مغموم و مسحور تھا، وہ بھی صاف صاف اور سچی زبان سے یہ کہہ دیتے کہ وہ زمانہ ابتدائی زمانہ تھا، اس زمانہ کے لوگ سیدھے سادھے لوگ تھے، ان کو ان حقائق اور ان گہرے علوم کی خبر نہیں تھی، جو لوگ فلسفہ کی عظمت کے بھی قائل تھے، اور صحابہ کرام کی عظمت کے بھی معترف تھے، وہ ایک تحیر اور کشمکش کی حالت میں تھے اور ان سے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں بن پڑتا تھا، امام ابن تیمیہ ان مختلف گروہوں کی ذہنی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

«جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ علم کلام کی بحثیں اصول دین پر مشتمل ہیں اور ان کے اندر علوم کلیہ،

معارف الہیہ، یقینی حکمت اور بنیادی فلسفہ ہے ان میں سے بہت سے لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصول دین سے واقف نہیں تھے جنھوں نے بہت رعایت کی انھوں نے یہ کہا کہ آپ واقف تو تھے لیکن آپ نے ان اصول کو بیان نہیں کیا جن کے دل میں نبی کا احترام ہے وہ کہتے ہیں کہ صحابہ تابعین ان اصول سے واقف نہیں تھے جن کے دلوں میں صحابہ تابعین کی بھی عظمت ہے اور ان متکلمین و فلاسفہ کے اقوال کی بھی وہ ایک تحیر و کشمکش کی حالت میں ہیں اور ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ ان بزرگواروں نے ان امور و مسائل میں کیوں کلام نہیں کیا جو افضل العلوم ہیں اور جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی عظمت بھی ان کے دل میں ہے ان کو یہ بڑا اشکال معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دین کے ان اصولی مسائل کی تشریح و تفصیل کیوں نہیں فرمائی، حالانکہ دوسرے مسائل کے مقابلہ میں لوگوں کو ان کی ضرورت زیادہ ہے»

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ فلسفہ و علم کلام کے ان پرتاؤں نے اللہ اور اس کے رسول کے قول کو محض قرار دیا جس سے کوئی علم و ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی، اور اپنے مشابہ کلام کو محکم، اور اللہ اور اس کے رسول کے محکم کلام کو متشابہ قرار دیا۔

عقل کی تعظیم و تقدیس میں مبالغہ

فلاسفہ اور متکلمین دونوں نے مل کر صدیوں عقل کا ایسا آواز بلند کیا اور ذات و صفات کے مسائل میں اس کو اس طرح حکم و میزان قرار دیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان مسائل میں سی طرح فیصلہ کرنے کی مجاز ہے جیسے عورتیں ہمارے ہواں خمسہ اور علمیات میں تجربہ استقراء اس صورت حال کا نتیجہ یہ تھا کہ عقل شریعت کے ثبوت کے لئے خواہ شریعت ہوں خواہ فقہیت، بنیاد بن گئی، اسلام کی ان چھ صدیوں میں کسی مفکر اور عالم نے عقل کی اس غیر محدود فرمانروائی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہیں کی، حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ کے حصہ الہیات کے

خلاف قلم اٹھایا، اور اس کو اپنے طنز و تحقیر کا نشانہ بنایا، لیکن عقل کی اس مطلق العنان سلطنت اور اس کے دخل و معقولات کے خلاف انہوں نے بھی کوئی مؤثر آواز بلند نہیں کی، امام ابن تیمیہ (ہمارے علم میں) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس صورت حال کے خلاف بلند آہنگی کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور پوری جرأت کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ عقائد و حقائق کا اصل ماخذ وحی و نبوت اور کتاب سنت ہے عقل ان کی مؤید اور مصدق تو ہے لیکن ان کے ثبوت کی بنیاد نہیں وہ ایک جگہ صاف لکھتے ہیں:-

ان العقل ليس اصلاً لثبوت الشرع في عقل في نفسه شرعية ثبوت لئله اصل في حثيثه
نفسه ولا معطيه له صفة لم تكن له ولا
مفيد له صفة كمال له
رکھتی، اور نہ اس کو کوئی ایسی صفت بخشی ہے جو اس کو پہلے سے حاصل نہ تھی، اور نہ اس کو کمال کی صفت عطا کرتی ہے

عقل کا منصب و مقام

ان کا کہنا یہ ہے کہ عقل صرف معرفت و رہنما ہے، اس کا کام یہ ہے کہ رسول کی صداقت و عصمت کے اقرار و اعتراف تک پہنچا دے، پھر سکدوش ہو جائے عقل یہ ثابت کر دیتی ہے کہ رسول جو کچھ اطلاع دے اس کی تصدیق اور جو کچھ حکم دے اس میں اس کی اطاعت واجب ہے، وہ رسول کی صداقت پر عمومی اور مطلق حیثیت سے دلالت کرتی ہے، ان کے نزدیک اس کی حیثیت بالکل ایسی ہے، جیسے کوئی عامی شخص کسی ناواقف کو شہر کے مفتی کے پاس پہنچا دے، اور بتلا دے کہ یہ عالم مفتی ہے، پھر اگر اس عامی رہنما اور اس مفتی کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو مفتی کا بھی فرض ہوگا کہ وہ مفتی کے قول کو ترجیح دے اور اس عامی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ میں نے ہی تو رہنمائی کی ہے، اگر میں رہنمائی نہ کرتا تو تم کو اس مفتی تک رسائی کیسے ہوتی؟ وہ لکھتے ہیں کہ رسالت کے علم کے بعد عقل کا کام ہے کہ وہ رسول پر اعتماد اور اس کی اطاعت کرے جس طرح ہر فن میں صاحب فن کی تقلید کی جاتی ہے،

اور بے چوں و چرا اس کے مشورہ پر عمل کیا جاتا ہے، اور اس کے قول کو قول فیصل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح سے امور غیبیہ احکام و شرائع اور ابعاد الطبیعیات میں رسولِ مکہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کا قول قول فیصل ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”جب کسی شخص کو عقل سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص رسول ہے، اور اس کے نزدیک یہ ثابت ہو جائے کہ وہ یہ مختلف فیہ چیز ایسی ہیستی پر متحول کرے جو اس کے مقابلہ میں اس کا زیادہ علم رکھتی ہے، اور اپنی رائے کو اس کے قول پر مقدم نہ رکھے، اور یہ سمجھے کہ اس کی عقل اس کے مقابلہ میں قاصر اور ضعیف ہے، اور اس ہستی کو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے اسماء و صفات کا اور یومِ آخرت کا علم زیادہ ہے، جو فرق اس عامی شخص اور ایک غیر میں ہے، وہ فرق اس سے کہ میں زیادہ بڑا ہے جو عوام اور علماء طب میں ہے، پس جب وہ اپنی عقل کے بموجب ایک یہودی طبیب کی بھی اطاعت کرتا ہے، اور غذا، شربت، ضیاد (لبپ) اور ہلالت، وغیرہ کی جو مقدار اور ترکیب تجویز کر دیتا ہے تو باوجود تکلیف اور مشقت کہ وہ اس کی تعمیل کرتا ہے محض یہ سمجھ کر کہ یہ طبیب اپنے فن کا مجھ سے زیادہ واقف ہے، اگر میں اس پر اعتماد کروں گا، اور اس کے مشورہ کی تعمیل کروں گا تو صحت کی امید ہے، باوجود اس کے کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اطباء سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں، اور بہت سے لوگوں کو طبیعوں کی تجویز اور معالجہ سے صحت بھی نہیں ہوتی، بلکہ بعض اوقات یہی علاج موت کا سبب بن جاتا ہے، اس کے باوجود وہ اس کا قول قبول کرتا ہے، اور اس کی تقلید کرتا ہے، خواہ اس کا گمان اور اجتہاد طبیب کی تجویز کے مخالف ہو، اسے سمجھنا چاہئے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں مخلوق کی حیثیت کیا ہے، پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے پیغمبر صادق القول ہوتے ہیں، اور ان کو بھی صحیح اطلاع دی جاتی ہے، یہ ممکن نہیں کہ ان کی اطلاع خلاف واقعہ ہو، اور جو لوگ محض اپنی عقل کی بنا پر ان کے اقوال کا مقابلہ کرتے ہیں، ان کی جہالت اور غلالت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔“

رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے

جو لوگ عقلیات اور فلسفہ سے متاثر تھے ان کی ذہنی ساخت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ شریعت کی جو بات عقل اور اصول فلسفہ کے مطابق ہوتی اس کو ان کا ذہن قبول کرتا اور جو ان کے ان اصول و مسلمات کے خلاف ہوتی اس کے قبول کرنے سے ان کا ذہن قاصر رہتا اور اس میں ہزاروں کھنٹیں محسوس کرتے ان میں سے جو لوگ بیباک اور جری ہوتے وہ صاف انکار کر دیتے اور کہتے کہ شریعت کا مطابق عقل ہونا ضروری ہے یہ بات چونکہ عقل کے خلاف ہے اس لئے قابل قبول نہیں جو لوگ اس درجہ جری نہ ہوتے وہ اس کی توجیہ کرتے اور بعید سے بعید تاویل سے ان کو باک نہ ہوتا امام ابن تیمیہ نے جا بجا یہ ثابت کیا ہے کہ رسول پر بلا شرط ایمان ضروری ہے اور رسول کی صحیح حیثیت و منصب یہی ہے کہ اس پر غیر مشروط طریقہ پر ایمان لایا جائے اور درحقیقت اسی کا نام ایمان ہے مشروط تصدیق کا نام شریعت کی اصطلاح میں ایمان ہی نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:-

فمن جعله لا يكون الرجل مؤمنًا حتى
يؤمن بالرسول ايما نًا لازمًا ليس مشروطًا
بعد معارض فممن قال اؤمن بخبره الا
ان يظهر له معارض يدفع خبره لم يكن
مؤمنًا فلهذا اصل عظيم يجب معرفته
فلا صبر به في ان الانسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا
جب تک کہ رسول پر ایسا قطعی ایمان نہ لائے جس کے ساتھ کسی
معارض کے نہ ہونے کی بھی شرط نہ ہو جب وہ شخص یہ کہے گا کہ
میں رسول کی اطلاع پر اس وقت تک کہ لے ایمان لاتا ہوں
جب تک کہ کوئی ایسا معارض ظاہر نہ ہو جو اس کی اطلاع
کی تردید کرے تو وہ شخص مومن نہیں ہو گا یہ ایک بہت
بڑا اصول ہے جس کا جاننا ضروری ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

لہ بیان موافقہ صریح العقول الصحیح المنقول حصہ اول ص ۱۱

”دین اسلام سے یہ بات قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق پر رسول کی ایسی تصدیق و ایمان واجب ہے جو قطعی اور عمومی ہو جس میں کوئی شرط اور قید نہ ہو اور یہ کہ اس کی ہر اطلاع کی تصدیق کی جائے اور اس کے حکم کی اطاعت کی جائے اس کے خلاف جو بات بھی ہوگی وہ باطل ہوگی جو شخص رسول کی اس بات کی تو تصدیق کرتا ہے جس کو اس کی عقل قبول کرتی ہے اور اس کی اس اطلاع کو رد کر دیتا ہے جو اس کی رائے اور عقل کے خلاف ہوتی ہے اور رسول کی اطلاعات پر اپنی عقل کو مقدم رکھتا ہے اور یہ بھی کہے جاتا ہے کہ میں رسول کو سچا جانتا ہوں تو وہ منافق بنائیں کرتا ہے اور فاسد العقل اور مجرہ ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ میں اس وقت تک رسول کی اطلاع کی تصدیق نہ کروں گا جب تک کہ میں اس کو اپنی عقل سے سمجھ نہ لوں تو اس کا کفر کھلا ہوا ہے“

عقل کے ہوائی قلعے

امام ابن تیمیہ اس کے بعد مدعیان عقل کے اس دعویٰ کا بھی جائزہ لیتے ہیں کہ عقل و نقل میں اکثر تضاد و تضاد ہوتا ہے اور پیغمبروں نے جن چیزوں کو عقائد و حقائق کے طور پر پیش کیا ہے وہ بعض اوقات صریح عقل و نقل کے خلاف ہوتے ہیں اور ان حقائق و مسلمات سے متصادم ہوتے ہیں جو ہزاروں برس کے غور و فکر کا نتیجہ اور فلسفہ کی بنیاد ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ جن عقلیات کو پیغمبروں کی اطلاعات اور کتاب سنت کے نصوص کا معارض بتایا جاتا ہے وہ اکثر محض توہمات ہیں اور غور کرنے کے بعد عقل کے ہوائی قلعے ثابت ہوتے ہیں اگر ان کی علمی عقیدہ اور احتساب کیا جائے اور ان کو قریب سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ محض لفاظی اور ہوا بندری تھی ان کی کوئی علمی بنیاد نہیں وہ لکھتے ہیں:-

”بہت سے عقلیات جن کا یہ مدعیان عقل دعویٰ کرتے ہیں اور ان کو نصوص کا مخالف بتلاتے ہیں تنقید اور امتحان کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کوئی حقیقت نہیں تھی یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بچوں کو یا بچوں کی طرح ناواقف آدمی کو خالی سوکھی ہوئی مشکلیں ہلا ہلا کر اور بجا بجا کر ڈرائے جب کبھی محفولات پر پورا غور

لہ بیان موافقہ صریح العقول الصحیح المنقول حصہ اول ص ۱۱

کیا جاتا ہے اور ان پر گہری نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود رسول کی اطلاعات کی صداقت کے لئے دلائل و براہین کا کام دیتی ہیں اور یہ کہ اس کی اطلاعات سے جو کچھ لازم آتا ہے وہ صحیح ہے اور جس شخص نے اس کی نفی کی ہے وہ محض حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر اور ظاہری اور باطنی طور پر عیب ہو کر بالکل جیسے کوئی شخص مجبوراً باطل سے ڈر جائے اور سمجھے کہ وہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں یا کوئی شخص اپنے ضعف ایمان کی وجہ سے دشمن اسلام سے جو خود کمزور ہو، ہر اس زدہ اور اسیر ہو جائے۔
دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

یہ لوگ جو فلسفہ کے ہیب و پرشکوہ الفاظ سے ان کی حقیقت کے جلنے بغیر عیب ہو گئے ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی نامزدن سے محض ان کا لباس اور پوشاک دیکھ کر مرعوب ہو جائے اور اس کی ان کی حقیقت حال دریافت کرنے کی نوبت نہ آئے لیکن جو شخص ان کی حقیقت دریافت کرے گا وہ دیکھے گا کہ وہ خود انتہائی ضعیف و عاجز ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

سَلَّمْنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبَ
بِمَا أَشْرَكُوا يَا اللَّهُ مَا لَمْ يُلَاقِهِمْ سُلْطَانًا
ہم جلد ہی ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں ہمت
کیونکہ انھوں نے شریک جانا اللہ کا جن کی اللہ نے کوئی
(آل عمران - ۱۵۱) سند نہیں آتا۔

اہل دانش کی بے دانشی

وہ کہتے ہیں کہ ان اقوال و تدفقات پر غور کیا جائے جن پر ان کو بڑا ناز ہے اور جن کو انھوں نے الہیات کا نام دیا ہے اور جن کو ان کے پیرو انبیاء علیہم السلام کے کلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں، نظر انصاف سے دیکھا جائے کیا اس میں اور دیوانوں کی بے سروپا باتوں میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے:-

۱۔ بیان موافقہ صریح المعقول المنقول حصہ چہارم ۱۵۳ ۲۔ ایضاً ۱۵۴

”صاحب عقل ان لوگوں کے کلام کو غور سے دیکھے جو بڑی مہارت اور تحقیق کے مدعی ہیں اور اپنی عقل و دانش سے انبیاء علیہم السلام کے کلام کو رد کرتے ہیں فلسفہ کی چوٹی پر پہنچ کر اور عقل و حکمت کے بلند ترین مقام سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو دیوانوں کی باتوں سے بالکل ملتی جلتی ہیں، جو صحیح و حق بات بدستہ ثابت ہے اس کو رد کرتے ہیں اور جو بے بنیاد اور بے اصل بات جس کا اعلان بالکل بدیہی اور ظاہر ہے اس کو اپنے تلبیس آمیز کلام سے مقبول بناتے ہیں۔“

صریح عقل و صریح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہوتا

لیکن امام ابن تیمیہ عقل کا پورا احترام کرتے ہیں، ان کے نزدیک قرآن مجید میں جا بجا عقل سے کام لینے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے، ان کے نزدیک صریح عقل اور صریح نقل میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے وسیع مطالعہ و طویل غور و فکر میں کبھی عقل و نقل میں تعارض و تضاد نہیں دیکھا، لیکن شرط یہ ہے کہ عقل سلیم ہو، اور نقل صحیح و محفوظ ہو، اس موضوع پر انھوں نے ایک مستقل ضخیم کتاب بیان موافقہ صریح المعقول لصریح المنقول تصنیف کی ہے، جس میں انھوں نے مفصل و مدلل طریقہ پر ثابت کیا ہے کہ معقول و منقول میں پوری موافقت ہے اور جو باتیں وحی و نبوت کتاب سنت سے ثابت ہو چکی ہیں صریح و کامل عقل ان سب کی تصدیق کرتی ہے عقل ہمیشہ ان نصوص و مقولات کی تائید و تصدیق کرتی رہی، اور جب بالغ نظر اور دقت نظر سے کام لیا جائے گا عقل کو ان مقولات کی تائید و تصدیق ہی میں دیکھا جائے گا، وہ لکھتے ہیں:-

”صحیح و واضح عقلی دلائل جن میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ یقینی فطری علوم سب سے انبیاء علیہم السلام کی اطلاعات کے موافق ہیں، مخالف نہیں اور صریح عقلی دلائل تمام نقل و روایت (سمیع) کے مطابق ہیں، ذرا بھی اس خلاف نہیں، احمدیہ میں مختلف فرقوں کا کلام اور ان کے مسائل پر غور کیا ہے اور اسی بات کو صریح پایا ہے۔“

۱۔ ایضاً حصہ دوم ۱۵۲ ۲۔ یہ کتاب منہاج السنۃ کے حاشیہ پر چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ۳۔ حصہ اول ۱۵۴

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”منقول صحیح کا کبھی معقول صریح معارض نہیں ہوتا میں نے اختلافی مسائل میں بھی اس اصول کی تحقیق کی اور میں نے یہی دیکھا کہ صحیح و صریح نصوص کے خلاف جو کچھ بھی پیش کیا جاتا ہے، وہ محض فاسد شہادت ہوتے ہیں جن کا بطلان عقل سے ثابت ہوتا ہے بلکہ عقل سے ان شہادت کے بالکل خلاف اور شرع کے بالکل موافق ثابت ہوتا ہے میں نے بڑے بڑے اصولی مسائل تو حیرت انگیز مسائل قدر و ثبوت وغیرہ کو بھی اس نظر سے دیکھا اور یہی پایا کہ جو صراحت عقل سے ثابت ہوتا ہے کبھی سمجھا و منقولہ ان کے مخالف نہیں ہوتے، بلکہ وہ نقل و روایت جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ صریح عقل کے خلاف، تحقیق سے یا تو موضوع حدیث ثابت ہوتی ہے یا اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے اس لئے وہ دلیل بنانے کے قابل نہیں ہوتی ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر ان چیزوں کی اطلاع نہیں دیتے، جو عقائد محالات میں ہیں بلکہ ان چیزوں کی اطلاع دیتے ہیں جن میں عقل حیران و سرگشتہ ہوتی ہے، وہ اس چیز کی اطلاع نہیں دیتے جس کی عقل نفی کرتی ہے، بلکہ اس چیز کی اطلاع دیتے ہیں جس کی حقیقت سمجھنے سے عقل عاجز رہتی ہے“

وہ دعویٰ سے کہتے ہیں (اور ان کا دعویٰ بڑا وزن رکھتا ہے) کہ ایک حدیث یا نقل بھی عقل کے مخالف نہیں اور اگر ایسی کوئی حدیث ہے تو وہ اہل فن کے نزدیک ضعیف یا موضوع ہے۔

قرآن میں بہترین عقلی دلائل ہیں

ان کو منکملین و فلاسفہ کے اس دعویٰ کے تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ قرآن مجید ایک ایسا صحیفہ ہے جس کی بنیاد محض نقلیات و سمعیات پر ہے، انھوں نے جا بجا ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں بہترین عقلی دلائل ہیں اور دلائل ایسے محکم، مدلل اور واضح الثبوت ہیں جن کو فلاسفہ و منکملین کے دلائل جو بحث و تنقید کے بعد تار عنکبوت ثابت ہوتے ہیں، پہنچ نہیں سکتے، وہ فرماتے ہیں:-

”اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں جن کی اس علم میں ضرورت ہے اور یہ فلاسفہ و منکملین ان کا پورا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، یہ جن دلائل و نتائج کو پیش کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان کا خلاصہ بہترین طریقہ پر پیش کر دیا ہے“

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات صالح اور اس کی صفات و افعال کی معرفت کے سلسلہ میں دنیا کے سامنے جو کچھ پیش کیا وہ صریح عقل کے مطابق ہے، اور عقلاء کی بڑی بڑی عقلی بلند پروازیوں کے بلند ہے ان اگلے پچھلے فلاسفہ و منکملین کو جن دلائل پر زبانا ہے وہ قرآن مجید میں ہی ضامن آجاتے ہیں لیکن یہ فلاسفہ حق و باطل کی تلبیس کے عادی ہیں اس لئے اس کو یہ سیدھے طریقہ پر بیان نہیں کرتے“

رسول کی تعلیم میں لتباس نہیں

فلاسفہ و منکملین اور ان کے عنواؤں کے گروہ میں بہت لوگ اس بات کے قائل تھے کہ رسول نے ذات و صفات کے بارے میں پوری تفصیل و تشریح سے کام نہیں لیا، بلکہ ان چیزوں کو محمل و ہم طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، قرآن مجید کا بہت سا حصہ شرح کا محتاج ہے، اور خدا نے پچھلے دور میں منکملین کو یہ توفیق دی کہ وہ اس کی شرح و تفصیل کریں اور عقائد و حقائق دینی کو مفصل و مدلل طریقہ پر امت کے سامنے پیش کریں، وہ کہتے ہیں کہ رسول کو بلاغ میں کمال حاصل تھا، آپ نے ہر اس چیز کی تفصیل و تشریح کی جس کی تفصیل و تشریح دین کے لئے ضروری تھی، عقائد و اصول دین کی بنیادیں اور خدا کی ذات و صفات جس کے بغیر معرفت اور انسان کی سعادت و نجات ممکن نہیں، کیسے محمل و ہم چھوڑے جاسکتے تھے، جس کتاب کے سمجھنے اور سمجھ کر پڑھنے اور اس پر غور و تدبر کی جا بجا دعوت دی گئی ہے، وہ اس اجمال و ابہام کی حالت میں کیسے چھوڑی جاسکتی تھی، وہ لکھتے ہیں:-

”رسول نے تبلیغ کا حق ادا کیا، اور مکمل و واضح طریقہ پر خدا کی بات پہنچائی، اور اس کے مراد و مقصد“

کو واضح کیا، قرآن و حدیث میں اگر کوئی لفظ ایسا ہے جس کے ظاہری معنی نہیں لئے جاسکتے تو یہ ضروری بات ہے کہ رسول نے دوسرے لفظوں سے اس کے معنی و مراد کی تعیین کی، یہ ممکن نہیں کہ آپ ایسے لفظ بولیں جس کا ظاہری مفہوم و مدلول باطل ہو، اور آپ اس کی صحیح مراد بیان نہ کریں اور یہ بات بھی کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ آپ لوگوں سے کلام کے اس مطلب کے سمجھنے کا مطالبہ کریں جس کی آپ نے ان سے تشریح نہ کی ہو، اور جس کی رہنمائی نہ فرمائی ہو، محض اس وجہ سے کہ لوگ اس کو اپنی عقل سے سمجھ سکتے ہیں حقیقت میں اس رسول پر بہت بڑا اعتراض ہے جس نے خدا کی بات بے کم و کاست پہنچائی! ^۱

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

”اللہ تعالیٰ نے رسول کو بلاغ مبین کا حکم دیا، اور آپ بڑھ کر اپنے رب کا کوئی فرمانبردار اور تابع نہ بنیں تھا، تو یہ ضروری بات ہے کہ آپ نے یہ بلاغ مبین پہنچایا، اس بلاغ مبین کے ساتھ آپ کے بیان میں التباس و لبس نہیں ہو سکتا، باقی جن آیات کے متعلق قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ متشابہات ہیں جن کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا تو یہاں تاویل سے مراد تفسیر نہیں بلکہ ان کی حقیقت ان کے وقوع کی شکل اور ان کا آل ہے! ^۲

امام ابن تیمیہ کی دعوت اور ان کا کارنامہ

غرض یہ کہ امام ابن تیمیہ نے اس بات پر پورا زور دیا ہے کہ عقائد کا ماخذ وحی و نبوت اور کتاب و سنت کو بنایا جائے اور انہی کے نصوص کو اس بارے میں معیار کا درجہ دیا جائے، انھوں نے ساری عمر اس کی دعوت دی اور شکل سے ان کی کوئی تصنیف اس سے خالی نظر آئے گی، اس طرح انھوں نے فکر اسلامی کو طاقت و تازگی بخشی، جو فلسفہ و علم کلام اور عجیبی روح سے بہت کچھ مجروح و مضحک ہو گئی تھی۔

۱۔ حصہ سوم منہ ۱۷ حصہ اول ۱۶ امام ابن تیمیہ نے اپنی مختلف تصنیفات میں تفصیل کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ تاویل کے تین معنی ہیں: ایک اصطلاح قرآنی جس سے مراد حقیقت و مال ہے، ایک اصطلاح متقدمین جس سے مراد تفسیر ہے، اور ایک اصطلاح متاخرین متکلمین جس سے مراد کسی لفظ کے وہ معنی مراد لینا جو ظاہری طور پر نہ نکلتے ہوں کسی خاص وجہ سے۔

فہیات کا ماخذ کتاب و سنت

دور تقلید سے پہلے

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کسی ایک امام یا کسی ایک مذہب (فقہی) کی تقلید کا رواج نہیں ہوا تھا، لوگ کسی ایک عالم کی تقلید یا کسی ایک مذہب کی تعیین اور التزام کے بغیر عمل کرتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ شریعت پر عمل کر رہے ہیں اور براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر رہے ہیں، اسی طرح سے ضرورت کے وقت کسی معتبر عالم سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے، اور عمل کرتے تھے، چوتھی صدی میں بھی کسی ایک مذہب کی تقلید خالص اور اس کے اصول و طریق پر فرقہ حائل کرنے اور فتویٰ دینے کا دستور عام نہیں تھا، شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقی لکھتے ہیں:۔

”چوتھی صدی میں بھی امت کے دو طبقوں کا معاملہ الگ الگ تھا، عوام ان مسائل میں جو اجماع ہیں، اور جن میں مسلمانوں کے درمیان یا جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہیں، صاحب شریعت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہی کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو، غسل اور نماز و زکوٰۃ کا طریقہ اپنے والدین یا اپنے شہر کے اساتذہ و مرہبوں سے سیکھ کر اسی کے مطابق چلتے رہتے تھے، اگر کوئی غیر معمولی صورت حال پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے جو ان کو میر آتا، استفتاء کرتے تھے، اس میں کسی مذہب کی شرط نہ تھی۔

خواص میں سے جن کا اشتغال حدیث نبوی سے تھا، ان کو صحیح احادیث اور آثار صحابہ کی موجودگی

میں کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی کوئی مشہور صحیح حدیث جس پر بعض فقہاء نے عمل کیا ہے اور جس پر عمل نہ کرنے کا کسی کے پاس کوئی عذر نہیں یا جو ہر صحابہ و تابعین کے اقوال جو ایک دوسرے کے مؤید ہوتے تھے ان کے لئے کافی تھے اگر مسئلہ میں ان کو کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے قلب مطمئن ہوتا، اس وجہ سے کہ روایات متعارض ہیں یا ترجیح کی وجہ ظاہر نہیں ہے یا اسی طرح کا کوئی اور اشکال پیش آتا تو فقہائے متقدمین میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیتے، اگر اس مسئلہ میں دو قول ملتے تو ان میں جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا، اس کو اختیار کرتے، خواہ وہ اہل مدینہ کا قول ہو یا اہل کوفہ کا۔

جو ان میں سے اہل تخریج ہوتے، وہ ایسے مسئلہ میں جس میں کوئی صراحت نہ پاتے تخریج اور اجتہاد فی المذہب سے کام لیتے اور ان اہل تخریج کی ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی جس میں وہ تخریج سے کام لیتے اور کسی کو شافعی اور کسی کو حنفی کہا جاتا، خود محدثین میں سے جس کا کسی مذہب کی طرف زیادہ میلان ہوتا، اور وہ اکثر مسائل میں اس سے اتفاق کرتا، ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی چنانچہ نسائی اور بیہقی کو شافعی کہا جاتا ہے، اس وقت فضا و افتاء کے منصب پر انہی لوگوں کا تقرر ہوتا جو مجتہد ہوتے اور فقیہ اس کو کہا جاتا جو اجتہاد کی قابلیت رکھتا تھا۔

تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب

چوتھی صدی کے بعد سے کچھ تو علماء کے اختلافات اور بحث و مناظرہ کی وجہ سے کچھ ان کے دینی و اخلاقی معیار کے سبب ہو جانے کی وجہ سے کچھ علمی انحطاط اور پست ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آئی اور اسی میں عافیت و حفاظت سمجھی گئی کہ پیشروائے مجتہدین اور مذاہب مدونہ کی تقلید اختیار کر لی جائے اور معاصرین کے بجائے متقدمین کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں وہ تعین و التزام اور تقلید شخصی کی

لے حجة الشرا بآلہ حصہ اول ص ۱۲۳ باب حکایت حال الناس قبل المائۃ الرابعة و بعدہ۔

وہ پابندی نہیں پیدا ہوئی تھی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے رفتہ رفتہ تعین و التزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا، لیکن اس کی حیثیت بھی تشرعی نہیں، بلکہ انتظامی تھی، انتشار اور اتباع ہوی سے بچانے کے لئے نیز علمی سہولت کی بنا پر ایک مذہب کی تقلید علماء رائج ہو گئی، اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا خصوصاً تاتاری یورش کے بعد عالم اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا، اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا، جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں اور فرقوں اور فرقوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب و سنت کے مطابق ہونا ثابت ہے اور جو بحث و مباحثہ کے منازل طے کر چکے ہیں اور ان کا تدوین مکمل ہو چکی ہے ان پر عمل کیا جائے، یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی تھیں اس لئے عام طور پر انہی کو اختیار کیا گیا۔

تقلید کی حیثیت

لیکن اس تقلید کی حیثیت بھی صرف یہ تھی کہ تقلید کرنے والا اس امام پر مذہب معین کی تقلید سمجھ کر کرتا تھا کہ وہ دراصل کتاب و سنت پر عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر رہا ہے، امام اس کے اور پیغمبر کے درمیان اسی طرح واسطہ ہے جیسے کوئی معاصر استاد اس کی حیثیت محض ترجمان یا شارح کی ہے، مطاع یا شارح کی نہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کے الفاظ ہیں:-

لا یدنین الا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ولا یعتقد خلا لا الا ما لحدہ اللہ ورسولہ
ولا حرما الا ما حرمة اللہ ورسولہ لکن
لما لم یکن لہ علم بما قالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا بطریق الجمع بین المختلفات من
وہ مقلد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پابند
ہے، احوال اسی کو سمجھتا ہے جس کو اللہ ورسول عطا کرے
اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ ورسول حرام فرمائیں لیکن
چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اس کو براہ راست
علم نہیں اور آپ سے جو مختلف حدیثیں روایت کی جاتی ہیں

کلامہ ولا بطریق الاستنباط من کلامہ اتباع
ان میں تطبیق کی اس کو بیاقت نہیں اور نہ آپ کے کلام سے
علمائے اشدّ اعلیٰ اتہ مصیب فی ما یقول
مثلاً ثابت کرنے کا اس کو ملکہ ہے اس نے ایک حشر
دلفتی نماہراً متبع شتہ رسول اللہ صلی اللہ
عالم کی اس بنا پر پیروی کی ہے کہ وہ ظاہری طور پر صحیح فتویٰ
دے رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو
علیہ وسلم فان خالف ما یظنہ اقلع من
ہے اگر اس کے اس گمان کے خلاف نکلے گا تو وہ اسی وقت
ساعتہ من غیر جہدال ولا اصرار
بغیر کسی بحث و اصرار کے اس فتویٰ اور مذہب کی پیروی
سے ہٹ جائے گا (اور حدیث پر عمل کرے گا)

ظاہر ہے کہ اس طرح کی تقلید پر (جو محض سنت کی پیروی کی ایک عملی شکل ہے) کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا
ایسے عامی آدمی کو اجتہاد یا استنباط مسائل کا مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق اور بدہمت کا انکار ہے،
اس طرح کی تقلید یا کسی غیر معین یا معین فقیہ یا مجتہد کی طرف رجوع کا دستور ہر زمانہ میں رہا ہے یہ رجوع
خواہ اچاناً ہو خواہ دائمی قابل اعتراض نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:-

استفتاء اور افتاء کا دستور مسلمانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے چلا آ رہا ہے،
اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی عین شخص سے ہمیشہ استفتاء کرے یا کبھی ایک سے کہے
او کبھی دوسرے سے کہے ایسی حالت میں کہ اس کے خیال میں وہی بات ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے (یعنی
یہ کہ اصل پیروی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے) اور اس میں کیا اشکال کی بات ہے جب کہ
ہم کسی بھی فقیہ پر اس طرح کا ایمان نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف علم فقہ کی وحی کی ہے اور ہم پر
اس کی اطاعت فرض کی ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے ہم اگر ان فقہاء یا ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی
اقتداء کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے اور اس کا قول یا کوئی کتاب و سنت

کے کسی صریح کلام پر مبنی ہوگا یا ان دونوں میں مستنبط ہوگا یا اس نے قرآن سے یہ سمجھا ہوگا کہ فلاں صورت میں
جو حکم شرعی ہے وہ فلاں علت کے ساتھ منقول ہے اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہو گیا ہے اور اس نے غیر منصوب
کو مخصوص پر قیاس کیا تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں
کہیں علت پائی جائے وہاں حکم یہ ہوگا اور یہ سلسلہ جس کو مجتہد نے قیاس کیا ہے وہ اسی عموم کے تحت میں آتا ہے
تو درحقیقت اس سب کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوئی لیکن ہر حال اس کے طریق میں کچھ فنی چیزیں ہیں
اور اگر ایسا نہ ہوتا (اور بات بالکل صراحتاً اور نصاً ثابت ہوتی) تو کوئی صاحبِ ایمان کبھی کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا
اب اگر ہم کو رسول معصوم کی جن کی اطاعت ہم پر اللہ نے فرض کی ہے کوئی حدیث صحیح سند سے ایسی پہنچ جائے جو اس
مذہب کے خلاف دلالت کرتی ہے اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس (فقہ کے قیاس) کی پیروی کریں جو
فنی ہے اور ایک اندازہ پیرنی ہے تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہوگا اور کل روز قیامت ہم خدا کو کیا جواب دیں گے؟

پچھلی صدیوں کا غلو و انحراف

لیکن رفتہ رفتہ عوام میں جہالت نے اثر کیا، اور کہیں کہیں ائمہ کی حیثیت سائل و وسائل کے بجائے مقصود اور
ایک طرح سے شائع اور مطاع کی پیدا ہو گئی لوگوں کو ان مذاہب کے بالذات دھسپی اور ان کی اس درجہ عصبیت پیدا
ہو گئی کہ وہ کسی حال میں ان کے ایک شوشہ یا نقطہ سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے اس سلسلہ میں عوام تو زیادہ
قابل الزام نہیں کہ انھوں نے ان مذاہب کو سنت کی پیروی سمجھ کر اختیار کیا تھا، اور ان کے لئے ترجیح کے اسباب معلوم
کرنا اور ان کے مطابق ترک مذہب یا ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال مشکل بھی تھا، اور خطرناک بھی لیکن
بہت سے علماء کی یہ حالت تھی کہ ان کو اگر اپنے امام یا مذہب کے کسی مسئلہ کا حدیث و سنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جائے اور
اس کا قطعی علم حاصل ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اپنے امام کا مسئلہ مرجوح اور دوسرے امام یا مذہب کا مسئلہ راجح اور حدیث

وسنت کے مطابق ہے اور اپنے مذہب اور عمل کے خلاف کسی ہی صحیح و صریح احادیث میں تب بھی وہ اس مسئلہ کو ترک کرنے اور احادیث پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہونے اور ان کی طبیعت اس کے لئے منشرح نہیں ہوتی ایسے ہی لوگوں کے متعلق ساتویں صدی کے مشہور شافعی عالم شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام لکھتے ہیں :-

ومن العجب العجیب ان الفقہاء المقلدین
حیرت انکیزات یہ ہے کہ بعض فقہائے تقلیدین کو اپنے ام
یقوت احمدہم علی صنع ما خذا امامہم بحیث
کی دلیل کے ایسے صنعت کا علم ہو جاتا ہے جس کا کوئی جواب
لا یجید لضعفہ مدفعاً وھو مع ذلک یقلد
نہیں اور وہ اس کے باوجود اس مسئلہ میں اسی کی تقلید کرتے ہیں
فیہ ویتولک من شہد الکتاب والسنة
اور ان کا مذہب چھوڑ دیتے ہیں جن کی تائید میں کتاب و سنت
والا قیسة الصمیحة لمدھم جوداً علی
اور صحیح قیاس میں محض اس لئے کہ ان کو امام کی تقلید سے
تقلید امامہ بل یجیل لدفع ظاہر الکتاب
انحراف گوارا نہیں بلکہ کتاب و سنت کے ظاہر مطلب کو دفع
والسنة ویتولک بالتاویلات البعیدة
کرنے کے لئے وہ ہزار تدبیریں کرتے ہیں اور اپنے امام کی مدافعت
الباطلة نضالاً عن مقلدہ
میں ہر طرح کے بعید اور بے بنیاد تاویلوں سے انکو احتراز نہیں دیتا۔

اسی طرح سے عوام کی ایک جماعت تھی جو اپنے امام کو معصوم عن الخطاء سمجھتی تھی اور جس کے قلب میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ اس کو امام کی تقلید کسی حال میں نہیں چھوڑنا ہے حضرت شاہ ولی اللہ اسی طرح کے عوام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وفی من یكون عامیاً ویقلد رجلاً من الفقہاء
ابن حزم کا یہ کہنا کہ تقلید حرام ہے اس عامی کی تقلید کے
بعینہ یہ بخانہ یتبع من مثله الخطاوات ما
بائے میں صحیح ہے جو کسی ایک معین فقہ کی تقلید کرتا ہے اور
قالہ هو الصواب البتہ واضرفی قلبہ ان
اس کا اعتقاد ہے کہ خطا اس سے نامکن ہے اور جو کچھ اس نے
لا یتدرک تقلیدہ وان ظہر الدلیل علی خلافہ
کہہ دیا وہ مطلقاً و یقیناً صحیح ہے اور جس نے دل میں عزم اور
وذلك ما رواه الترمذی عن عدی بن سماعة
فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے امام یا عالم کی تقلید نہیں چھوڑے گا

انہ قال سمعہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اگرچہ دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے اسی طرح کی
وسلم بقراءۃ اتخذوا الخیارھم وھبائھم
تقلید کے متعلق وہ حدیث وارد ہوئی ہے جو حضرت عدی بن
ازبا بآقن دون اللہ قال انھم لم یکنوا
حاکم نے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ
یعبودونھم وکنھم کاذبا اذا الحادوا الھم شیئاً
توبہ کی) یہ آیت تلاوت فرمائی اتخذوا الخیارھم وھبائھم
استلوا واذلھم واذلھم شیئاً حرموا
ازبا بآقن دون اللہ (ان یہودیوں اور عیسائیوں نے)

اپنے علماء و مشائخ کو خدا کو چھوڑ کر ازبا بآقن دون اللہ
بنایا اپنے فرمایا کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے ان کا
معاملہ صرف یہ تھا کہ جس چیز کو یہ علماء و مشائخ حلال کر دیں
اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جس کو حرام کر دیں اس کو حرام سمجھ لیتے تھے

امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید و اجتہاد کے بارے میں

اس طرح کی غیر مشروط و غیر مقید تقلید پر جو اتباع و اطاعت رسول کے متوازی و بالمقابل ہے ہر زمانہ کے محققین اور علماء نے اسخین نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ نہ تو ابن حزم اور بعض دوسرے غالی علماء کی طرح تقلید کی حرمت کے قائل ہیں نہ ایسی غیر مشروط و تقلید کی اجازت دیتے ہیں جس میں اور رسول کی اتباع و اطاعت میں کوئی فرق نہ ہو ان علماء میں جن کی رائے اور تحریر اس مسئلہ میں بڑی متوازن اور متحمل ہے متقدمین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ و متاخرین میں شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں حافظ ابن تیمیہ ایک طرف تو اس واقعہ کا اظہار و اقرار کرتے ہیں کہ عوام اور غیر مجتہد علماء کے لئے فقہاء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنے اور ان کی تقلید سے چارہ نہیں اور یہ کہ اکثر کی حیثیت وسائل اور وسائط کی ہے اور مذہب کی پیروی ایک عملی ضرورت اور قدرتی امر ہے چنانچہ ایک جگہ

”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حلال کیا اس کو حلال سمجھنا اور جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اس کو حرام سمجھنا، اور جس کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب قرار دیا اس کے ساتھ واجب کا سامنا کرنا تمام انس و جن پر واجب ہے اور ہر شخص پر ہر حال میں ستر اور علانیہ فرض ہے، لیکن چونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، اس لئے لوگوں نے اس بارے میں ان لوگوں کی طرف رجوع کیا جو ان کو ان کی تعلیم دیں، اس لئے کہ وہ رسول کی تعلیم سے زیادہ واقف ہیں اور اس کی منشاء و مراد سے زیادہ باخبر ہیں پس ائمہ مسلمین کی جن کی مسلمانوں نے پیروی کی ہے حیثیت وہی ہے جو وسائل و راسخوں کی، اور ان رہنماؤں کی ہے جو لوگوں کو رسول کی پیروی میں اس کلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور اپنے اپنے اجتہاد و استطاعت کے مطابق آپ کی مراد سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک عالم کو ایسا علم و فہم عطا فرماتا ہے جو دوسرے عالم کو حاصل نہیں اس دوسرے عالم کے پاس کسی دوسرے مسئلہ میں ایسا علم ہوتا ہے جو پہلے عالم کے پاس نہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَا يَكْفُرُ الْإِنْسَانُ فِي الْحُوتِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَمَرُ الْقَوْمِ وَكَانَ فِي جُحُمِهِمْ﴾ (الانبیاء: ۷۸-۷۹)

دیکھو داؤد و سلیمان دونوں خدا کے حلیل القدر پیغمبر تھے، دونوں نے ایک مقدمہ میں فیصلہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک (حضرت سلیمان) کو اس مقدمہ میں خصوصی فہم عطا فرمایا، لیکن دونوں کی تعریف فرمائی، علماء بھی انبیاء کے کرام کے وارث ہیں علماء کا اجتہاد احکام کے بارے میں ایسا ہی ہے جیسے مختلف لوگ (انجیر سے یا کسی نامعلوم جگہ پر، دلائل) و قرآن سے کعبہ کی سمت متعین کریں اگر چار آدمی ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ کے ساتھ ایک ایک سمت کی طرف نماز پڑھتا ہے اور ہر ایک یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ صحیح سمت یہ ہے جس طرف وہ نماز پڑھ رہا ہے تو چاروں کی نماز صحیح ہے اگرچہ جس نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے وہ ایک ہی ہوگا، اور یہی وہ اجتہاد کرنے والا ہوگا جس کو دہرا اجر ملے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے

”اذا اجتهد العالم فاصاب فله اجران وان اجتهد فخطا فله اجر“ (جب فیصلہ کرنے والا

اجتہاد کرتا ہے، اور صحیح فیصلہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد کرتا ہے اور اجتہاد میں غلطی واقع ہوتی ہے تو وہ ایک اجر سے محروم نہیں رہتا۔)

اگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ کسی خاص مذہب یا فقہ پر کسی شخص کا نشوونما ہونا اور کسی خاص طریقہ کے مطابق عبادات و احکام شریعت کو بجالانا ایک قدرتی امر ہے اور ایسا قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے، لیکن مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کو اصلاً خدا و رسول کا مطیع و فرمانبردار سمجھے، اور اس کے لئے تیار رہے کہ جو کچھ کتاب و سنت سے ثابت ہو جائے گا، وہ بلا تردد اس کی پیروی اختیار کر لے گا۔

”انسان عام طور پر اپنے والدین یا اقارب اہل شہر کے دین و مذہب پر مائل، اور بڑھاپے جیسے کہ بچہ دین کے بارے میں اپنے والدین، سرپرستوں اور ہم وطنوں کی پیروی کرتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ انسان جب بالغ ہو اور ہوش سنبھالے تو اس وقت اللہ اور رسول کی اطاعت کی پابندی اختیار کرے خواہ وہ پابندی کسی چیز میں ہو، اور ان لوگوں میں نہ ہو جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً﴾ (البقرہ: ۲۸۳) ”اگرچہ ان سے کہا گیا کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو انھوں نے صاف جواب دیا کہ ہم نہیں تم تو اسی راستہ پر چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے“ پس جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کے بجائے اپنی اور اپنے والدین کی عادت اور اپنی قوم کے رسم و رواج کی پابندی کرے گا تو وہ ان ہی اہل جاہلیت میں سے ہوگا، جو عیسیٰ خداوندی کے مستحق ہیں اسی طرح جس کے لئے کسی مسئلہ میں وہ صحیح راستہ اور حکم شرعی واضح ہو گیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے، پھر اس نے اس کو قبول نہیں کیا، اور اپنی عادت کی طرف رجوع کیا تو وہ قابلِ مذمت اور توحی عقاب ہے۔“

ایسے عالم کے متعلق جو تحقیق و استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو، اور یہ معلوم کر سکتا ہو کہ اس مسئلہ میں

راج قول کس کا ہے تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اما القادر علی الاستدلال فقیل یجوز
علیه التقلید مطلقا، وقیل یجوز مطلقا
وقیل یجوز عند الحاجة كما اذا اختلف
الوقت عن الاستدلال وهذه القول
اعدل له

جو شخص استدلال پر قدرت رکھتا ہو اس کے بارے میں
ایک قول تو یہ ہے کہ اس کے لئے تقلید مطلقا حرام ہے دوسرا
قول یہ ہے کہ مطلقا جائز ہے تیسرا قول یہ ہے کہ ضرورت کے
وقت جائز ہے مثلاً وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وہ براہ
راست تحقیق کر سکے اور دلیل سے مسئلہ نکال سکے اور یہی

قول زیادہ منصفانہ اور قرین صواب ہے۔

البتہ جس کو اجتہاد قائم پر قدرت محال ہو اس کے لئے ان کا فیصلہ ہے کہ اگر کسی جانب اس کو نصوص نظر آئیں
اور ان نصوص کا مقابلہ کرنے اور ان کو دفع کرنے والی کوئی وجہ نہ ہو تو اس کو نصوص کی پیروی لازم ہے فرماتے ہیں :-

اما اذا قدر علی الاجتهاد التام الذی
يعتقد معه ان القول الآخر ليس معه
ما يدفع به النص فهذا يجب عليه
اتباع النصوص، وان لم يفعل كان
متبعاً للظن ومما تهوى الانفس وكان
من اكبر العصاة لله ولرسوله

البتہ اگر اس کو ایسے اجتہاد قائم پر قدرت محال ہے کہ
اس کو یقین محال ہو جائے کہ ظن اس کی کوئی ایسی
دلیل نہیں جس سے نص کو دفع کیا جاسکے تو اس پر نفس
کی پیروی واجب ہے اگر ایسا نہ کرے گا اور مخالف نص
قیاس یا مسئلہ پر تقلید قائم رہے گا (تو وہ ان یتبعون
الا الظن ومما تهوى الانفس) وہ گمان اور

خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں اکی و عید قرآنی
میں آئے گا، اور الشریعہ رسول کا بڑا فرمان اور ماحکا
کہلائے گا۔

امام ابن تیمیہ کا عمل اور ان کا فقہی مرتبہ

جہاں تک ان کے عمل کا تعلق ہے انھوں نے بیشتر مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مذہب اصول پر فتویٰ
دیے ہیں اکثر مسائل میں ان کی رائے اور فتویٰ ائمہ اربعہ یا ائمہ ہدیٰ میں سے کسی نہ کسی امام کے اجتہاد و فتویٰ کے
مطابق ہے اور بعض مسائل میں انھوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے اور کتاب سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی
میں انھوں نے فتویٰ دیا ہے ان سب صورتوں کا موازنہ کرتے ہوئے ان کے متعلق صحیح یہ ہے کہ وہ مذہب
حنبل کے مجتہد منسوب تھے۔

امام ابن تیمیہ کی دعوت اور اس کا اثر

امام ابن تیمیہ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ انھوں نے جس طرح کتاب سنت کو عقائد کا ماخذ بنانے کی
پرزور دعوت دی اور خود کامیابی کے ساتھ اس پر عمل کیا، اسی طرح کتاب سنت کو فقہیات و احکام کا ماخذ بنانے
اور ان کو حق کا معیار قرار دینے کی طاقتور دعوت دی اور اپنے زمانہ میں اس پر عمل کر کے دکھایا اور قاتل شاعراً
فی شئ قد دعوہ الی اللہ والرسول پر عمل کا نمونہ پیش کیا، ان کی اس دعوت نے ان فقہی دائروں و مراکز کے
علمی حلقوں میں جن میں عرصہ سے نئے غور و فکر اور احکام و مسائل کے کتاب سنت سے مقابلہ کرنے کا کام بند ہو گیا تھا اور
اجتہاد و استنباط کا سلسلہ عرصہ سے مسدود تھا نئی علمی و فکری حرکت اور براہ راست کتاب سنت کی طرف رجوع کی
تحریک پیدا ہوئی، اس طرح سے انھوں نے اس صحیح اسلامی فکر کا احیاء کیا جو قرون اولیٰ میں پائی جاتی تھی اور مسلمانوں
کی زندگی کی بنیاد تھی اور وہ اپنے ان تمام علمی و عملی کارناموں کی بنا پر تاریخ اسلام کی ان حیدر شخصیتوں میں سے ہیں
جن سے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی تجدید و احیاء کا کام لیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

۱۵۲ مجتہد منسوب جو فروع و اصول میں مجتہد ہو لیکن اپنے طریق استدلال و طریق استنباط میں کسی امام کے ساتھ متفق ہو اور عام طور پر
اس کے دائرہ سے نہ نکلے ہو۔ ۱۵۲ امام ابن تیمیہ کی فقہ کی حیثیت اور ان کی مجتہدانہ درجہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے

تلامذہ و متسبین

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے تلمیذ رشید اور جانشین

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ و مستفیدین کی تعداد بہت بڑی ہے ان کی مصروف اور داعیانہ زندگی اور ان کی موثر و بلند شخصیت کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ پر قوت کے ساتھ اثر انداز ہوئے اور ان کے گرد تلامذہ اور متفقدین کا ایک بڑا گروہ جمع ہو جائے لیکن ان کے تلامذہ میں سے ان کے بانیہ ناز شاگرد اور ان کے علوم کے مرتب و ناشر حافظ ابن قیم کو جو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ کسی کے حصہ میں نہیں آئی، وہ زندگی بھر اپنے استاد کے شریک حال اور آخری لمحہ تک ان کے رفیق رہے اور ان کے انتقال کے بعد بھی ان مسلک و مشرب پر قائم اور ان کی محبت و عقیدت میں سرشار رہے ان کی علمی خدمات، ان کی جلالتِ قدر اور ان کے کمالات اس کے مستحق ہیں کہ ان پر مستقل کتاب لکھی جائے اور ان کی تصنیفات اور علمی تحقیقات پر مفصل تبصرہ ہو لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں، ان کے باکمال و نامور شاگرد حافظ ابن رجب حنبلی نے طبقات الحنابلہ کے ذیل میں ان کے جو کچھ حالات لکھ دیئے ہیں زیادہ تر وہی نقل کئے جاتے رہے ہیں درحقیقت انھوں نے اپنی زندگی اور شخصیت کو اپنے استاد اور شیخ کی زندگی میں ایسا گم کر دیا کہ ان کا کوئی مستقل وجود اور شخصیت نظر نہیں آتی، یہاں ان کے وہ حالات زندگی درج کئے جاتے ہیں جو مل سکے۔

نام و نسب

محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت، شمس الدین لقب، زُرعی نسبت، والد کا نام ابو بکر بن ایوب تھا، دمشق میں پیدا ہوئے، وہیں عمر گزری، اور وہیں مدفون ہوئے ان کے والد مدرسہ جو زریہ کے مہتمم تھے اس کی نسبت سے وہ ابن قیم الجوزیہ اور اختصاراً ابن القیم کہلاتے ہیں ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے، الشہاب النابلسی العامرقاضی تقی الدین سلیمان، فاطمہ بنت جوہر، عیسیٰ بن مطعم، ابو بکر بن عبد الدائم، وغیرہ اساتذہ وقت سے حدیث کی سماعت کی، اور زہیب حنبلی کی فقہ میں مہارت پید کی اور فتویٰ کا کام شروع کیا پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دامن ایسا پکڑا کہ مرتے وقت تک ان سے جدا نہ ہوئے، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حافظ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ میں مصر سے واپس آئے تو حافظ ابن قیم نے ان کی ایسی صحبت اور رفاقت اختیار کی کہ انتقال تک ساتھ نہیں چھوڑا۔

علمی مرتبہ

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ تمام علوم اسلامیہ میں دخل تھا، لیکن تفسیر میں ان کی نظیر نہیں تھی اصول دین میں بھی وہ درجہ کمال پر پہنچے ہوئے تھے حدیث، فقہ حدیث اور دقائق استنباط میں ان کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا، فقہ اور اصول فقہ اور عربیت اور علم کلام میں بھی کمال حاصل تھا، علم سلوک اور اہل تصوف کے اشارات و دقائق پر بھی وسیع نظر تھی، میں نے قرآن و سنت کے معانی اور حقائق ایمانی کا ان سے بڑا عالم نہیں پایا، وہ معصوم تو نہیں تھے، لیکن میں نے ان خصوصیات میں ان کا جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن القیم کو متون حدیث و رجال حدیث کی طرف بڑی توجہ تھی وہ فقہ

کے مطالعہ میں ہی مشغول رہتے تھے، اور اس کے مسائل کو بڑے شرح و بسط سے لکھتے تھے، انھوں کی تدریس اور اصول حدیث میں بھی اچھی مہارت تھی۔

زہد و عبادت

حافظ ابن رجب کا بیان ہے کہ وہ کثیر العبادت اور بڑے شب بیدار تھے، ان کی نماز بڑی طویل اور پرسکون ہوتی تھی، وہ ہر وقت ذکر شاغل رہتے تھے، اور ان میں محبت الہی کا ایک جوش اور انابت کی ایک خاص کیفیت تھی، ان کے چہرے پر بارگاہ خداوندی کی طرف فقر و احتیاج اور عجز و انکسار کا نور نظر آتا تھا، اس کیفیت میں میں نے ان کو بالکل منفرد پایا، انھوں نے کئی حج کئے، اور عرصہ تک مکہ معظمہ میں قیام کیا، اہل مکہ ان کی کثرت عبادت اور کثرت طواف کے ایسے حالات سناتے ہیں جو موجب حیرت ہیں۔

علامہ ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن قیم بڑی محبت کے آدمی تھے، نہ کسی سے حسد رکھتے، نہ کسی کو ایذا پہنچاتے، اور نہ کسی میں عیب نکالتے، میں ان کا بڑا رفیق اور محبوب تھا، مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے زمانہ میں دنیا میں ان سے زیادہ کوئی عابد اور کثیر النوافل تھا، وہ نماز بڑی طویل پڑھتے تھے، اور رکوع و سجود بڑا لمبا کرتے تھے، بعض اوقات ان کے احباب ان کو ملامت بھی کرتے، لیکن وہ اس کو ترک نہیں کرتے تھے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے اپنے امور و احوال میں ان کی نظیر کم ہوگی!

ابتلاء و آزمائش

اپنے استاد شیخ کی طرح وہ بھی ابتلاء و آزمائش اور مجاہدات کی منازل سے گزرے، آخری بار حیلان کے شیخ ابن تیمیہ قلعہ میں قید کئے گئے تو وہ بھی محبوس ہوئے اور ان سے علیحدہ رکھے گئے، شیخ کے انتقال کے بعد ان کی رہائی

ہوئی، اس پوری مدت اسارت میں وہ ملاوت قرآن اور اس کے معانی و تدبر و تفکر میں مشغول رہے، ابن رجب لکھتے ہیں:-

ففتح عليه من ذلك خير كثير وحصل له جانب عظيم من الاذواق والمواجيد الصميمة
اس سے ان کو بڑا نفع حاصل ہوا، ان کو اذواق و عظیمہ من الاذواق والمواجيد الصميمة
مواجید صمیمہ کا ایسا حصہ ملا جس سے اہل معارف
و تسلط یسب ذلك على الكلام في علوم
کے علوم اور ان کے غوامض و دقائق کا سمجھنا اور
اہل المعارف والدخول في غوامضهم
سمجھنا ان کے لئے آسان ہو گیا، ان کی تصنیفات
و تصانیفہ ممتلئۃ بذا اللہ۔
ان مضامین سے لبریز ہیں۔

ان کے تلامذہ اور معاصرین کا اعتراف

علماء کی ایک بڑی جماعت نے امام ابن تیمیہ کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد ان سے علم حاصل کیا اور استفادہ کیا، فضلاء عصر ان کی بڑی عزت کرتے تھے، اور ان کے تلمذ کو شرف سمجھتے تھے، ان کے تلامذہ میں ابن عبد اللہ دی اور ابن رجب جیسے اکابر ہیں، قاضی برہان الدین زرعی کا ان کے متعلق مقولہ ہے کہ اس وقت آسمان کے نیچے ان سے زیادہ وسیع العلم آدمی نظر نہیں آتا!

تدریس و تصنیف

حافظ ابن قیم نے عرصہ تک مدرسہ صدریہ میں درس دیا، جو زیر کی امامت مدت تک ان کے سپرد رہی، انھوں نے اپنے قلم سے بکثرت کتابیں لکھیں، ابن رجب کہتے ہیں کہ ان کو کتابت و مطالعہ و تصنیف اور کتابوں کی خریداری کا بڑا شغف تھا، اس شوق کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے ایک بڑا کتب خانہ جمع کر لیا جس میں بہت سی کتابیں ان کے ہاتھ کی نقل کی ہوئی تھیں۔

ان کی تصنیفات کی خصوصیت

ان کی تصنیفات حسن ترتیب اور تالیفی سلیقہ میں اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہ کی تصنیفات سے بھی ممتاز ہیں!

اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں تصوف کی حلاوت عبارت کی سلاست اور دل آویزی زیادہ پائی جاتی ہے۔
یہ غالباً ان کے مزاج کا نتیجہ ہے جس میں جلال سے زیادہ جمال ہے۔

اہم تصنیفات

ان کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے ان میں سے اہم کتابیں حسب ذیل ہیں "تہذیب سنن الی داؤد"
"مدارج السالکین بین منازل لایاک نعبد و لایاک نستعین" (یہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہروی کی منازل السائرین)
کی شرح ہے اور تصوف و سلوک کی بہترین کتابوں میں ہے) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد (اہم اس پر مفصل تبصرہ
کریں گے) "جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام" اعلام الموقعین عن رب العالمین (یہ فقہاء و
اہل فتویٰ و حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے معلومات کا گر انقدر خزانہ اور ان کی بہترین تصنیفات
میں سے ہیں) الکافیۃ الشافیۃ فی الاقتصار للفرقة الناجیۃ، الصواعق المرسلة علی الجہمیۃ والمعتلة، حادی
الارواح الی بلاد الافراح (جنت کے وصف اور حالات میں اعلام الموقعین کے حاشیہ پر) کتاب السلام
والدواء، مفتاح دار السعادة، اجتماع المیوسن الاسلامیہ علی غزو المعتلة والجہمیۃ، عدة الصابرين و ذخیرۃ
الشاکرین، بدائع الفوائد، الکلم الطیب والعمل الصالح، تحفة الودود بحکام الملوود، کتاب الروح، شفاء
العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمة والتعلیل، نفع الادواح و تحفة الافراح، الفوائد، الطرق الحکمیۃ
فی السياسة الشرعیۃ، الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی، روضة المحبین و نزہۃ المشتاقین، اغاثۃ
اللہفان فی مکائد الشیطان، طریق الہجرتین و باب السعادتین۔

وفات

۲۳ رجب ۷۹۱ھ میں چہار شنبہ کے دن رات کو انتقال کیا، اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد جامع مسجد میں

نماز جنازہ پڑھی گئی، اور الباب الصغیر کے مقبرہ میں دفن ہوئے رحمہ اللہ و رفع درجاتہ۔

زاد المعاد

حافظ ابن قیم کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں، کثرت تصنیف اور حسن تصنیف دونوں ان کی خصوصیات
میں سے ہیں، ان کی تصنیفات میں سے متعدد کتابیں اس کی مستحق ہیں کہ ان کا مفصل تعارف کرایا جائے، اور
ان کے مضامین اور فوائد کی تلخیص کی جائے، لیکن اس کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اور اس کا صحیح محل
حافظ ابن قیم کی مستقل سیرت و سوانح ہے، ان کی تصنیفات میں سے علمی حیثیت سے اعلام الموقعین اور
ذوقی و اصلاحی لحاظ سے مدارج السالکین یا اغاثۃ اللہفان اس کی مستحق ہے کہ اس پر اس طرح سے تبصرہ اور
اس کا مفصل تعارف کرایا جائے، جس طرح ہم نے اس کتاب میں امام ابن تیمیہ کی الجواب الصحیح اور الرد علی المنطوقین
کا کیا ہے، لیکن ہم یہاں تعارف و تبصرہ کے لئے ان کی جلیل القدر اور شہرہ آفاق تصنیف زاد المعاد فی ہدی
خیر العباد کو منتخب کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کی اکثر تصنیفات کی خصوصیات کی جامع اور بیک وقت
سیرت، حدیث، فقہ، علم کلام اور تصوف و احسان کی کتاب ہے، عمل و اصلاح کے لئے اعیاء العلوم کے بعد
شاید کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی، تحقیق و استناد اور کتابت سنت کے مطابقت کے لحاظ سے اس کی اعیاء العلوم
..... پر بھی ترجیح حاصل ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ایک ایسی کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا ہے جو بڑی
حد تک دینیات کے کتب خانہ کی قائم مقامی کر سکے، اور ایک مرتبی، مرشد اور فقیہ و محدث کا کام دے سکے، جن
لوگوں پر حدیث کا ذوق غالب رہا ہے، اور جن کو سنن و آداب نبوی کے اتباع کی حرص، اور اہتمام رہا ہے، ان کو
اس کتاب سے بڑا شغف رہا ہے، اور انھوں نے اس کو اپنا چراغ راہ، رفیق طریق اور زاد سفر سمجھا ہے، یہ کتاب
ہندوستان میں سب سے پہلے ۱۲۹۸ھ اور مصر سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوئی، ہندوستانی ادیشن بڑے سائز کے
لے مشہور قبیع سنت اور متون عالم مولانا سید عبدالغفور کی سیرت میں ہے کہ زاد المعاد کی طلب میں دل کے جوش سے زاری کرتے

تھے، اور فرماتے تھے، یا ارحم الراحمین زاد المعاد کو میری آخرت کا گوشہ بنا (ص ۲۷)

۹۳۷ صفحے اور مصری اڈیشن باریک ٹائپ کے ۹۲۶ صفحات میں ختم ہوا ہے کتاب کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے:-

”یہ چند مضامین ہیں جن کی واقفیت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق و عادات سے واقف ہونے کا ذرا بھی اہتمام ہو، یہ ایسی حالت میں لکھے گئے ہیں کہ دل تھکا ہوا ہے اور علم کی پونجی قلیل ہے اس کی تحریر کی نوبت قیام کے بجائے سفر کی حالت میں پیش آئی ایسی حالت میں کہ قلب متشر و پرآگندہ، کجی مفقود، کتابیں جن سے رجوع کیا جاسکے ناپید اور ایسے اہل علم جن سے علمی استفادہ و مذاکرہ کیا جاسکے، نایاب ہیں“

مصنف کا یہ بیان اگر کتاب کی ابتداء اور بعض ابواب و فصول کے متعلق ہے تو چنداں موجب حیرت نہیں لیکن اگر پوری کتاب کے متعلق ہے تو یہ نہایت حیرت انگیز بات ہے اس لئے کہ کتاب میں حدیث کے متون و اسانید اور رجال کی جو مفصل بحثیں سیرت و تاریخ کی جو جزئیات اور مسائل و احکام میں جو میثاقہ و فقہانہ کلام ہے اس سے ایک عام ناظر ہی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتاب ایک نہایت وسیع و عظیم الشان کتب خانہ میں بیٹھ کر تصنیف کی گئی ہے اگر یہ صحیح ہے کہ ساری کتاب حالت سفر میں لکھی گئی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے مصنف کو علوم اسلامیہ بالخصوص حدیث و فقہ پر حیرت انگیز عبور حاصل تھا، اور علوم دینیہ کا کتب خانہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، اور وہ اپنی قوت حفظ و استحضار میں محدثین متقدمین کی یادگار اور اپنے باکمال و نادرہ روزگار استاد کے صحیح جانشین و نمونہ تھے، حافظ ابن قیمؒ نے اس کتاب کے شروع میں بعثت نبوی اور مراتب وحی کی تفصیل بیان کی ہے مراتب وحی اور انواع وحی کے سلسلہ میں انھوں نے جو استیعاب کیا ہے وہ سیرت کی عام کتابوں میں نہیں ملتا، پھر وہ مدارج بیان کئے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام گذری، اسمائے مبارک اور ان کے معانی اور نکات پر انھوں نے حسب معمول وسیع و لطیف بحث کی ہے اس پورے سلسلہ میں اپنی اور اپنے شیخ کی عادت کے مطابق بکثرت

فقہی و نبوی مسائل و نکات اور بعض وجدانی اور ذوقی مسائل لکھ دیئے ہیں اسی سلسلہ میں انھوں نے سیرت کے عام معلومات اور ذات نبوی سے تعلق رکھنے والی تفصیلات و جزئیات جمع کر دی ہیں، اور اخلاق و شمائل، عادات و معمولات کا اچھا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اس کے بعد انھوں نے آپ کی عبادات ہیئت صلوٰۃ اور اس کے سنن اور عادات کی دقیق تفصیلات پیش کی ہیں جو ان کے وسیع و دقیق مطالعہ حدیث کا خلاصہ اور ان کے علم کا پتھر ہے، اس سلسلہ میں ان کا محدثانہ رنگ اور محققانہ طرز صاف جھلکتا ہے، اس ضمن میں اصول فقہ اور اصول حدیث کی بعض نازک بحثیں اور فن رجال کی بعض قیمتی معلومات بھی آگئی ہیں، کتاب کے یہ ابواب جو عبادات اور ارکان اربعہ سے متعلق ہیں، محض کتاب لا حکام یا فقہ و خلاف کی کتاب بن کر نہیں رہ گئے ہیں، ان میں جا بجا مصنف نے بڑے وجد انگیز اور ایمان آفرین ذوقی و وجدانی مضامین اور لطیف علمی نکات شامل کر دیئے ہیں، زکوٰۃ و صدقہ کے باب میں انھوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ مفسر النفس اور سرور القلب تھے، اس لئے کہ صدقہ اور حسن سلوک کو مفسر صدر کے باب میں بڑا دخل ہے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور ان کے خصائص و نوابح کے لئے آپ کا سینہ مبارک پہلے ہی کھول دیا تھا، اور سی طور پر آپ کا شرح صدر فرمایا تھا، اور سینہ مبارک سے شیطان کے حصہ کو بالکل خارج کر دیا تھا، ان اخلاق (سخاوت و بذل و ایثار) سے اس شرح صدر میں اور اضافہ ہوا، اس کے بعد وہ تفصیل سے سیرت نبوی پر اس لحاظ سے نظر ڈالتے ہیں، اور شرح صدر کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”شرح صدر کے بہت سے اسباب ہیں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجہ کمال و تمام حاصل تھے، شرح صدر کا سب سے قوی و اہم سبب توحید ہے، وہ جس قدر کامل اور قوی ہوگی، اتنی ہی شرح صدر زیادہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَفَعَتِ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ

لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّن رَّبِّهِ" (بھلا جس کا سینہ کھول دیا، اللہ نے اسلام کے لئے تو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے) نیز ارشاد ہے "فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ" وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ" (جو جس کو چاہے اللہ کے لئے راہ دے، کھول دے اس کا سینہ فرمانبرداری کے لئے، اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ تنگ کر دے) تنگ، بند، گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر) پس ہدایت اور توحید شرح صدر کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے اور شرک گمراہی سینہ کی تنگی اور کشمکش اور تکبر کا بہت بڑا سبب ہے اسی طرح شرح صدر کا ایک سبب وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں داخل فرمادیتا ہے اور وہ نور ایمان ہے جو سینہ کو وسیع اور شرح اور قلب کو نشا داں اور فرحاں رکھتا ہے جب یہ نور بندہ کے دل سے غائب ہو جاتا ہے تو دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور بندہ کو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک تنگ تاریک قید خانہ میں گرفتار اور ایک تکلیف دہ شکنجہ میں کسا ہوا ہے ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِذَا دَخَلَ النُّورُ الْقَلْبَ انْفُسُهُمْ وَانْشَرَحَ قُلُوبُهُمْ وَمَا عِلَاقَةُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالتَّجَانُّ عَنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نَزُولِهِ (جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کھل جاتا ہے اور شرح ہو جاتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی علامت کیا ہے فرمایا دار بقا کی طرف شوق اور شورش اور دار فنا سے بے رغبتی اور وحشت اور بڑھکی آمد سے پہلے موت کی تیاری) انسان کو جس قدر اس نور کا حصہ ملتا ہے اسی کے بقدر وہ شرح صدر کی دولت سے بالمال ہوتا ہے اسی طرح حتیٰ نوری سے بھی شرح صدر اور حتیٰ ظلمت سے ضیق صدر اور دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے اور ان ہی اسباب شرح صدر میں ایک علم بھی ہے وہ سینہ کو شرح اور وسیع کرتا ہے یہاں تک کہ عالم کا سینہ دنیا سے زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اس کے بالمقابل جہل سے دل میں تنگی اور انقباض پیدا ہوتا ہے جس قدر بندہ کا

علم وسیع ہوتا ہے اسی قدر اس کا سینہ فراخ اور قلب منشرح ہوتا ہے لیکن یہ دولت ہر عالم کے نصیب میں نہیں ہے صرف اس علم کی خاصیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق وراثت چلا آ رہا ہے اور وہ علم نافع ہے جن لوگوں کو یہ علم نافع حاصل ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ شرح، وسیع القلب، خوش اخلاق اور خوش عیش ہوتے ہیں ایک سبب انابت الی اللہ ہے یعنی پورے دل سے اس کے ساتھ محبت کرنا، اس کی طرف توجہ اور رجوع اور اس کی عبادت سے لطف حاصل کرنا، واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی چیز انشراح اور سرور پیدا کرنے والی نہیں اگر تم کو کبھی یہ دولت نصیب ہو تو تمہاری زبان سے بے اختیار نکل جائے گا کہ اگر جنت میں بھی یہی حالت نصیب ہوئی تو بڑا عیش ہے محبت کو شرح صدر، اطمینان نفس اور عیش قلبی میں بہت بڑا دخل ہے اس کا اندازہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس نے کبھی اس کا لطف اٹھایا ہو جس قدر محبت قوی اور شدید ہوگی، سینہ فراخ اور شرح ہوگا، دل سی وقت تنگ اور کمزور ہوگا جب بیکاروں اور اس دولت محروم لوگوں پر نظر پڑے گی، ان کی دید آنکھ کی کھٹک اور ان کی صحبت روح کا بخار ہے، اسی کے بالمقابل انقباض و تکبر کا ایک بہت بڑا سبب اللہ تعالیٰ سے اعراض اور اس کی غیر اللہ کے ساتھ گرفتاری اور اسیری اور ذکر اللہ سے غفلت اور ماسوی اللہ سے محبت ہے اس لئے کہ جس کو جس ماسوی سے محبت ہوتی ہے اسی کے ہاتھوں اس کو دکھ دیا جاتا ہے اور اس کا دل اس غیر کی محبت میں برابر فقید اور گرفتار رہتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص اس سے زیادہ بد بخت اس سے زیادہ بدمزہ اور بے لطف اس سے زیادہ محروم و بے نصیب اور اس سے زیادہ خستہ دل اور تفتہ جگر نہیں ہوتا ہے حقیقت میں محبت کی دو قسمیں ہیں ایک محبت وہ ہے جو دنیا کی جنت نفس کا سرور قلب کی لذت روح کا عیش اس کی غذا اور دوا بلکہ اس کی زندگی اور اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور وہ خدائے وحدہ لا شریک کی پورے دل کے ساتھ محبت ہیلان و ارادہ کی تمام

قوتوں کا اس کی طرف انجذاب اور کشش ہے اور ایک محبت وہ ہے جو روح کا عذاب نفس کی کلفت،
 قلب کا جیل خانہ اور سینہ کی تنگی اور درد و حرمان، کلفت و تعب کا سبب ہے اور وہ ماسویٰ کی محبت ہے
 شرح صدر کا ایک سبب ہر حالت اور ہر موقع پر دوام ذکر ہے ذکر کو انشراح صدر میں عجب دخل ہے اور
 اس سے دل کو عجیب اطمینان و سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح غفلت کو دل کی تنگی، انقباض، اوکلفت
 و اذیت میں بڑا دخل ہے ایک سبب مخلوق پر احسان اور مال و جاہ، بدن اور انواع احسان سے
 نفع پہنچانے کی طبیعت ہے کریم اور محسن انسان بڑا انشراح الصدر، مطمئن النفس ہوتا ہے اور اس کو
 بڑا قلبی سرور و سکون حاصل ہوتا ہے وہ بخیل جس میں احسان کا مادہ نہیں ہے بڑا دل تنگ، بد حال،
 اور غمور رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے والے صاحب یتیم کی مثال دی ہے کہ
 ایک شخص پر پلو ہے کی دوزخ میں ہیں وہ جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے زرہ کھل جاتی ہے اور پھیل جاتی ہے
 یہاں تک کہ اس کے کپڑے زمین پر پڑتے ہیں اور اس کے قدموں کے نشان ٹپتے چلے جاتے ہیں اور بخیل کا
 حال یہ ہے کہ زرہ کی ہر کڑی اس کے جسم سے چپٹ جاتی ہے اور اس میں کوئی وسعت و فراخی نہیں
 پیدا ہوتی شرح صدر کا ایک سبب شجاعت ہے مرد شجاع بڑا انشراح الصدر فراخ ہو صلہ اور وسیع
 القلب ہوتا ہے اس کے بالمقابل بزدل بڑے چھوٹے دل کا ہوتا ہے جس کو فرحت و سرور اور لذت
 و عیش میں سے صرف اتنا حصہ ملتا ہے جتنا حیوانات و بہائم کو نصیب ہے باقی روحانی سرور و لذت
 اور فرحت و مسرت سے بزدل بالکل ہی محروم ہوتا ہے جیسے ہر بخیل اللہ سے اعراض کرنے والا، اس کے
 ذکر سے غافل اس کی ذات و اسماء و صفات اور اس کے دین سے بے خبر اور ماسوا اللہ کا گرفتار
 اس دولت سے بے نصیب رہتا ہے یہی عیش و سرور قبر میں جا کر باغ و بہار بن جاتا ہے اور یہی دل تنگی اور
 انقباض وہاں پہنچ کر عذاب جیل خانہ کی شکل میں نظر آتا ہے انسان کا قبر میں وہی حال ہوگا جو
 قلب کا سینہ میں یہاں حال ہے یہاں کا عیش وہاں کا عیش یہاں کا عذاب اور گرفتاری وہاں کا

عذاب اور گرفتاری اور یہاں کی آزادی وہاں کی آزادی ہے باقی عارضی طور پر اہل ایمان و یقین کو
 یہاں (کسی اتفاقی واقعہ یا خارجی سبب، فقر، مخالفت، امراض وغیرہ کی وجہ سے) جو ایک طبعی تکدرو
 انقباض محال ہوتا ہے اور اہل کفر و غفلت کو (دولت و حکومت اور حیوانی لذتوں کی وجہ سے) جو
 وقتی سرور و لطف اور لذت حاصل ہوتی ہے اس کا اعتبار نہیں اعتبار اس کیفیت کا ہے جو ملک بن جائے
 اور قلب میں دائمی طور پر پائی جائے ایک سبب قلب کا ان صفات مذمومہ سے پاک صاف ہونا ہے جو
 دل کی تنگی اور قلبی تکلیف کا سبب ہوتی ہے اور قلب کی شفاء اور عافیت سے مانع ہوتی ہے انسان
 اگر شرح صدر کے اور اسباب پیدا کرے اور ان اوصاف مذمومہ کو قلب سے خارج نہ کرے تو اس کو
 شرح صدر کی دولت کا کوئی بڑا حصہ حاصل نہیں ہو سکتا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کے اندر
 دو ماقے باقی رہیں گے جو وقتاً فوقتاً اس کے دل پر حملہ کرتے رہیں گے ایک سبب یہ ہے کہ انسان غیر ضروری
 چیزوں کا دیکھنا، غیر ضروری کلام، غیر ضروری باتوں کا سننا اور بے فائدہ اور بے مقصد ملنا جلنا،
 کھانا پینا، سونا چھوڑے اس لئے کہ یہ زوائد قلب کے لئے آلام و مصائب بن جاتے ہیں جو اس کو تنگ
 اور مقبض کر دیتے ہیں اور دل ان سے تکلیف پاتا ہے دنیا اور آخرت کے عذاب کا بڑا حصہ انہی چیزوں
 کا نتیجہ ہے سبحان اللہ جو شخص ان تمام وادیوں میں سرپٹ دوڑتا ہے وہ کیسا بد حال، پرگندہ بال
 اور تنگ دل رہتا ہے اس کے بالمقابل اس شخص کی خوشحالی اور خوش دلی کا کیا ٹھکانا ہے جو خصال
 محمودہ میں سے ہر خصلت منصف اور ان صفات محمودہ کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے اسی گروہ کی شان
 میں "إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَجْمٍ" اور پہلے گروہ کی شان میں "إِنَّ الْفَاجِرَ لَفِي جَحِيمٍ" وارد ہوا ہے ان دونوں
 حالتوں کے درمیان بہت سے مراتب اور درجے ہیں اور ان کے درمیان ایسا تفاوت ہے جس کا
 صحیح اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہر اس صفت میں جس سے شرح صدر وسعت قلب، خنکی چشم اور حیات روح حاصل ہوتی ہے، مخلوق

خداوندی میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ بڑے ہوئے تھے، اسی کے ساتھ آپ کو حسی و جسمانی طور پر بھی وہ شرح صدر حاصل تھا جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں، مخلوق میں جو شخص آپ کا جتنا زیادہ پیرو ہوگا، اور اتباع نبوی کی جس میں جتنی زیادہ شان نمایاں ہوگی، اتنی ہی زیادہ اس کو شرح صدر لذت و انبساط کی دولت حاصل ہوگی، آپ شرح صدر رفیع ذکر اور وضع ذکر کے اعلیٰ ترین مقام اور نقطہ عروج و کمال پر فائز تھے، آپ کے پیروؤں اور معین کو آپ کی پیروی اور اتباع کے بقدر اس دولت سے حصہ ملتا رہے گا۔

مصنف نے اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہ عبادات و ارکان و احکام کے مسائل بیان کرنے سے پہلے ان کی حکمت اور ان کے فوائد و اسرار بھی بیان کر دیں، اور اس سلسلہ میں انھوں نے بڑے جامع اور دلنشین طریقہ پر حکمت تشریع اور ان عبادات و ارکان کے حکم و فوائد اور ان کی تشریع کی تاریخ بیان کی ہے، اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے صوم کے متعلق لکھتے ہیں:-

”صیام (روزہ) سے مقصود نفس کا خواہشات نفسانی سے روکنا اور ان چیزوں سے رکنے کی عادت پیدا کرنا ہے جن کا انسان خوگر ہے اور جن سے وہ مانوس ہے، اور اس کی قوت شہوانی میں اتنا اعتدال پیدا کر دینا جس سے اس کے اندر ان چیزوں کے حصول کا جذبہ پیدا ہو جو اس کے لئے باعث سعادت اور پیش جاودانی کا سبب ہیں، اور ان چیزوں کے قبول کرنے کا جن سے اس کی صفائی اور ترقی ہو، اور جن میں اس کی حیات ابدی ہے، نیز بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کرنا ہے، روزہ خالی معدوں کی یاد تازہ کرتا ہے، اور بتلاتا ہے کہ ان مساکین اور فاقہ کشوں پر کیا گزرتی ہے،

لے واضح ہے کہ یہ شرح صدر شوق صدقہ کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس کو تمام محققین اہل سنت اور علمائے سیرت تسلیم کرتے ہیں، اور جس کا تذکرہ حافظ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں کیا ہے۔ **لَعَلَّكَ تَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزَّرْنَا لَكَ الَّذِي انْقَضَى ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** (کیا ہم نے نہیں کھول دیا، تمہارا سینہ، اور اتار دیا تم سے تمہارا بوجھ جس نے توڑی تھی مٹیہ تمہاری، اور اونچا کیا مذکور تمہارا) **ص** صفحہ ۱۵۸ تا ۱۶۰ حصہ اول (نظامی) ۱۵۶-۱۵۵ (مینیہ مصر)

جن کو معدوں کی آگ بجھانے اور اپنے جگر کو ٹھنڈا کرنے کے لئے سامان نصیب نہیں روزہ کھانے پینے پر پابندی عائد کرنے اور اس کے استعمال کو محدود کر دینے کے ذریعہ شیطان کو انسان کی زندگی میں تصرف کرنے اور من مانی کا رروائی کرنے سے روک دیتا ہے، اور انسان اس کی برکت سے اپنی طبیعت کا ایسا تابع فرمان نہیں رہ جاتا کہ ہر دم اس کی پیروی کرتا ہے، اور اپنے معاش و معاد کا کچھ خیال نہ کرے، وہ ہر عضو انسانی میں سکون پیدا کرتا ہے، یہی قوت اور کثرتی سے روکتا ہے انسانی خواہشات کو لگام دیتا ہے، وہ متقین کی لگام نفس و روح کی محرکہ آرائی میں زور، اور سپر اور برابر و مقربین کی ریاضت ہے، انسان کے تمام اعمال میں وہ رب العالمین کا حصہ خاص ہے، ایک روزہ دار کو بتایا ہے، یہی کہ اپنی خواہش اور اپنا کھانا پینا اپنے معبود کی خاطر چھوڑ دیتا ہے، اس لئے روزہ اللہ کی رضا و محبت اور اس کے محبوبا اور نفسانی لذتوں کے ترک اور ایک ایثار و قربانی کا نام ہے، اور وہ بندہ اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا، دوسروں کو اس کا تو پتہ چل سکتا ہے کہ روزہ دار نے روزہ توڑنے والی چیزوں کو ترک کر دیا، لیکن یہ کہ روزہ دار نے کھانا پینا، اور اپنی خواہشات اپنے معبود کی خاطر چھوڑی ہیں، یہ ایک قلبی کیفیت ہے، اور بندہ کا ایک راز ہے جس پر کوئی انسان مطلع نہیں ہو سکتا، اور یہی صوم کی حقیقت ہے، روزہ کو ظاہری جوارح اور باطنی قوی کی حفاظت میں عجیب دخل ہے، روزہ ان کو فاسدہ سے ایک پرہیز ہے، جو جب انسان پر پورا قبضہ اور استیلا حاصل کر لیتے ہیں تو اس میں فساد پیدا کر دیتے ہیں اسی طرح وہ ان کو اور دیر کو خارج کرتا ہے، جو نفس کی صحت میں نخل میں پس روزہ ایک ہی وقت میں قلب و جوارح کی صحت کی حفاظت بھی کرتا ہے، اور اس کی اس کھوئی ہوئی صحت کو بھی واپس لاتا ہے، جو خواہشات کے انہماک میں ضائع کر دی تھی، اس لئے وہ تقویٰ کا بہت بڑا معاون ہے، اور اسی لئے ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ مِمَّا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (اے ایمان والو! تم پر روزہ کا جیسے حکم ہوا تھا تم سے اگلوں پر

نشايد پرہیزگار بن جاؤ) اور اسی لئے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الصَّحْمُ حَنَّةٌ" (روزہ ایکٹ حال ہے) اور اسی لئے آپ نے ایسے شخص کو جس پر غشی خواہش کا غلبہ ہو، اور اس کو نکاح کی قدرت نہ ہو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، روزہ کی مصلحتیں اور فوائد جب ایسے ظاہر و باہر ہیں کہ عقل سلیم اور فطرت مستقیم ان کا آسانی مشاہدہ و احساس کر سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنے بندوں کے لئے رحمت احسان اور ایک پرہیز اور محافظہ و پھرے دار کی حیثیت سے مشروع فرمایا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل اس کے بارے میں بہترین اور مکمل ترین طریق عمل ہے، جو ایک طرف سب سے زیادہ ہل، دوسری طرف حصول مقصد کا سب سے بہتر ذریعہ ہے، چونکہ نفوس انسانی کا اپنے مالوفات و مرغوبات سے رکتا ایک بڑا دشوار کام ہے، اس لئے اس کی فرضیت میں جلدی نہیں کی گئی، بلکہ ہجرت کے بعد وسط اہام میں اس کی فرضیت نازل ہوئی، جب کہ طبیعتیں توجید و نماز کی خوگر اور احکام قرآنی سے بخوبی مانوس ہو گئی تھیں، روزہ کی فرضیت سترہ ہجری میں ہوئی، اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نو ایسے رمضان آئے جن میں آپ نے روزہ رکھا، اور اس کی فرضیت میں بھی تدبیر و تیسرے کا لیا گیا، پہلے وہ اس طرح فرض ہوا کہ مسلمان کو اس کا اختیار تھا کہ چاہے وہ روزہ رکھے، چاہے ایک سیکین کو کھانا کھلائے، پھر یہ اختیاری حالت جاتی رہی، اور روزہ قطعی طور پر فرض ہو گیا، اور فیہ کا حکم صرف ایسے بوڑھے اور عورت کے لئے رہا جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے، یہ دونوں روزہ چھوڑ سکتے ہیں، اور ہر دن کے بدلے میں ایک سیکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں، مریض و مسافر کے لئے اس کی اجازت دی گئی کہ روزہ نہ رکھیں اور قضا کر لیں، اور حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی رخصت ہے، اگر ان کو اپنے یا اپنے بچے کی جان کا اندیشہ ہو۔

کتاب کا معرکہ الاراحۃ اور مصنف کے علمی تجربہ و وسعت نظر اور استحضار کا روشن ثبوت حج کا باب ہے

لے تفصیلات و جزئیات کے لئے ملاحظہ ہوں کتب فقہ ۱۶۱-۱۶۲ نظامی

حج اور اس کے متعلقات اور حج نبوی اور اس کے احکام کے متعلق ایسی تحقیقات مبسوط بحث اور ایسا بڑا علمی ذخیرہ اور کتاب میں اس کو تاہ نظر کی نظر سے نہیں گزرا، یہ حصہ مصری ایڈیشن کے صفحہ ۱۸۰ سے صفحہ ۳۴۹ تک یعنی ۶۹ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس سلسلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کی مفصل کیفیت اور مدینہ کے خروج سے لے کر واپسی تک کی مفصل و سلسل رواد سفر پیش کر دی ہے، اور وہ حدیث کے مختلف ذخیروں کا خلاصہ اور روایات صحیحہ اور جزئیات مختلفہ کا بہترین مجموعہ ہے، اس باب میں انھوں نے حج کے بہت سے اختلافی مباحث اور مختلف فیہ مسائل پر روشنی ڈالی ہے، اور حدیث کی روشنی میں آزادانہ و مجتہدانہ فیصلہ کیا ہے، اس میں وہ کسی ایک مذہب فقہی کے پابند نہیں معلوم ہوتے، مثلاً باوجود جنابلی ہونے کے وہ بڑے مدلل طریقہ پر ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ مفرد تھے، نہ متمتع، بلکہ قارن تھے، پھر آپ کے حج قرآن کی کیفیت میں متقدمین و متاخرین سے جو اختلافات اور اغلاط واقع ہوئے ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہیں، اور ان کا ماحذ اور عذر لکھتے ہیں، نیز اکابر علماء کو حج نبوی کے بارے میں زمانہ قدیم و جدید میں جو اوہام پیش آئے ہیں، اور بڑے بڑے محققین و علماء نے بحیرن کو جو غلط فہمیاں واقع ہوئی ہیں ان کو ظاہر کیا ہے، اور تحقیقی بات لکھی ہے، اس سلسلہ میں تابعین میں سے طاؤس، متقدمین میں سے طبری اور ائمہ متاخرین میں سے قاضی عیاض اور علامہ ابن حزم جیسے اہل علم، اور مشاہیر رجال کی غلط فہمیوں اور اوہام کو ظاہر کیا ہے، اس سے ان کے راسخ فی العلم اور حیرت انگیز علمی تجربہ کا اندازہ ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ محض حج کا باب اس کتاب کی عظمت اور اس کے مصنف کی اہمیت اور جلالت قدر کے ثبوت کے لئے کافی ہے، کتاب میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اور اپنے شیخ کے مذاق اور اپنی تحقیق اور وسعت نظر کے مقام کے مطابق کلامی حشاش اور عقائد پر بھی جا بجا گفتگو کی ہے، اور روح شریعت کی صحیح ترجمانی کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں توکل کی حقیقت اور توسل بالاسباب کے بارہ میں انھوں نے جو تحقیقات بحث کی ہے، وہ دیکھنے کے قابل ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو ۲۲۶ تا ۲۳۶ (نظامی) ۵۲ ۱۸۵ تا ۱۹۰ (نظامی) ۵۳ ۱۹۸ تا ۲۰۴ (نظامی) ۵۴ ملاحظہ ہو فصل فی الاوام

۲۵۱ تا ۲۵۴ (نظامی) ۵۵ ملاحظہ ہو ۲۶۳ تا ۲۶۶ (نظامی)۔

غزوات نبوی کا بیان شروع کرنے سے پہلے انھوں نے حقیقت جہاد اور مرانب جہاد پر حسب عادت محققانہ اور عارفانہ کلام کیا ہے، پھر دعوت اسلام کی ابتداء مکہ معظمہ کے حالات اور ہجرت مدینہ اور جہاد کی فرضیت اور جہاد مال غنیمت، صلح و امان، جزیرہ اور معاملہ اہل کتاب منافعین کے احکام تفصیل سے لکھے ہیں، جہاد کی مشروعیت اور فرضیت کے ذکر کرنے کے موقع پر انھوں نے جنت کی حقیقت اور اس کے مقابلہ میں جان کے بے قیمت ہونے کا تذکرہ بڑے ولولہ انگیز اور دل آویز طریقہ پر کیا ہے اور وہ ان کے زور و تحریر اور قوت ایمانی کا بہت اچھا نمونہ ہے وہ لکھتے ہیں:-

”محبت اور جنت کا مہر یہ ہے کہ نفس و مال کو نفس و مال کے اس مالک کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، جو ان دونوں کو اہل ایمان سے خرید چکا ہے، اسی بزدل، ناقدر و معرض تہی دست و بے بضاعت کا کیا جگر و جھوٹا کہ اس سوئے کا مول تول کرے، قسم بخدا وہ کوئی ایسا گرا پڑا سودا نہیں کہ مفلس و فقیر اس کا مول تول کرنے لگیں اور نہ اس کی ایسی کساد بازاری ہے کہ تنگ دست اس کو قرض لینے کی خواہش کریں، یہ سودا قدر دانوں کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا گیا تو مالک جان سے کم قیمت پر اس کو فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، بیکار اور باتیں بنانے والے سین کر پیچھے ہٹ گئے، اور عشاق یہ دیکھنے کے لئے آگے بڑھے کہ کس کی جان اس کی قیمت ہو سکتی ہے، سودا برابر گردش میں رہا اور آخر کار ان لوگوں کے ہاتھوں میں جا کر ٹھہر گیا، جو مومنین کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت تھے، جب محبت کے مدعیوں کی کثرت ہوئی تو دعویٰ کی صحت پر ان سے دلیل مانگی گئی، اس لئے کہ اگر ہر شخص کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو عاشق و مدعی میں اور غمزہ اور ہر ویسے میں کوئی فرق نہ رہ جائے، مدعیوں نے مختلف قسم کی گواہیاں پیش کیں، کہا گیا کہ یہ دعویٰ ثبوت کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا، ﴿لَا تَنْتَفِعُونَ بِاللّٰهِ فَاَتَعْبُودُوْنَہٗ﴾ (اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو، تو میری پیروی کرو، خدا تمہارا محبت بن جائے گا) یہ سن کر سب پیچھے ہٹ گئے، اور وہی لوگ اپنی جگہ پر قائم رہے، جو تمام اقوال و افعال عادات و اخلاق میں رسول کے سچے پیرو تھے، اب ان سے

ثبوت کے صحیح ہونے کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اس ثبوت کی صحت و عدالت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جاسکتی جب تک کہ وہ لوگ اس کا تزکیہ اور تصدیق نہ کریں جن کی شان میں ہے ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةً لَّائِمَةً﴾ (اللہ کے راستہ میں ہر طرح کی کوششیں کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے) یہ سن کر محبت کے اکثر مدعی پیچھے ہٹ گئے، اور مجاہدین قائم رہے، ان سے کہا گیا کہ عشاق کی جانیں اور ان کے مال ان کی ملک نہیں ہیں، جس چیز کا سودا ہو گیا اس کو حوالہ کرو، ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِآتٍ لَّهُمْ الْجَنَّةُ﴾ (بیشک اللہ تعالیٰ مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید چکا ہے، اس قیمت پر کہ ان کو جنت ملے گی) اور جب بائع و مشتری میں بیع و شراء ہو جائے تو ایک کے لئے مال کی سپردگی، اور دوسرے کے لئے قیمت کی حوالگی ضروری ہے، جب تاجروں نے خریدار کی عظمت و قیمت کی مقدار اور جس کے ہاتھ پر یہ سودا ہوا ہے، اس کی عظمت و شان اور اس کتاب کی حیثیت دیکھی جس میں کہ اس معاملہ کا ذکر ہے تو سمجھ گئے کہ یہ مال بڑی عظمت و شان والا ہے، اس وقت انھوں نے اس میں بڑا نقصان اور گھاٹا سمجھا کہ اس کو وہ اپنے پونے چند ایسے سکوں میں بیچ ڈالیں جن کی لذت فانی اور جن کی حسرت اور وبال باقی ہے، اس لئے ایسا کرنے والا بڑا نادان اور کوتاہ نظر ہے، اس وقت انھوں نے خریدار کے ساتھ اپنی رضا و اختیار سے بغیر ثبوت خیار کے بیعت رضوان کا معاملہ کیا، اور انھوں نے کہا کہ بخدا ہم یہ قیمت واپس لیں گے اور نہ ہم اس سے اس بیع کو فسخ کرنے کی درخواست کریں گے، جب یہ بیع و شراء مکمل ہو گئی، اور انھوں نے جنس حوالہ کر دی تو ان سے کہا گیا کہ تمہاری جانیں اور تمہارے مال ہمارے ہو چکے، اور ہم اب ان کو بہت بڑھا کر اور کئی گنا بنا کر تمہاری طرف واپس کرتے ہیں۔

”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَالَهُمْ اَمْوَالًا لَّيْسَ بِہُمْ رِزْقُہُمْۙ وَذَرُوْاہُمْۙ“ (اور ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں مارے گئے، مردہ تصور نہ کرو، وہ تو اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں، ان کو

رزق دیا جاتا ہے) ہم نے تم سے تمہاری جانیں اور تمہارے مال نفع کی لالچ میں نہیں طلب کئے تھے، بلکہ ہم اے جو دو کرم کا اظہار ہو کہ ہم کس طرح عیب دار چیز کو قبول کر کے اس پر بڑی سے بڑی قیمت دیتے ہیں! ہم نے تمہاری قیمت اور مال دونوں جمع کر دیئے اس موقع پر حضرت جابرؓ کا قصہ یاد کرو کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ خرید پھر ان کو پوری پوری قیمت دی، اور اس قیمت میں اضافہ کیا پھر وہ اونٹ بھی واپس دے دیا، ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ سے ان کی توجہ اس طرف ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا، چنانچہ آنحضرت نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا، اور ان سے بلا حجاب گفتگو کی، او کہا کہ اے میرے بندہ مجھ سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے، خدا کے جود و کرم تک انسان کا علم کیا پہنچ سکتا ہے، اس نے مال بھی دیا، قیمت بھی دی، اور اس بیع و شراء کے معاملہ کے تکمیل کی توفیق بھی عطا فرمائی اور اس مال کو اس کے عیب و نقص کے باوجود قبول بھی فرمایا، اس پر بڑی سے بڑی قیمت عطا فرمائی، اور اپنے بندہ کو اس نے اپنے ہی دیئے ہوئے مال سے خرید لیا، اور پھر اس کی تعریف بھی کی، اور باوجود اس کے کہ خود ہی توفیق دی تھی، اس کی مدح فرمائی۔

خدا کے داعی نے خدا کی طرف اور دارالسلام (جنت) کی طرف غیرت مندوں اور عالی ہمتوں کو بلایا، اور ایمان کے منادی نے کان رکھنے والوں کو سنایا، اور ہر زندہ ضمیر کو گرایا، جنت کے مسافروں اور رضائے الہی کے طالبوں میں ایک صدائے جیل بلند ہوئی، اور ایک ہنگامہ رستخیز برپا ہو گیا، اور لوگوں کو منزل پر پہنچنے بغیر قرار نہ آیا، اور کیوں نہ ہو؟ شاعر نے کہا ہے ۷

جان کی قیمت دیا عشق میں ہے کوئے دوست

اس نوید جانفزا سے سروبال دوش ہے

اس کے بعد انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور بیعت اور مہات ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کئے ہیں، پھر وہ چونکہ حدیث و سیرت پر بیک وقت نظر رکھتے ہیں، اور مولخ سے زیادہ نقاد و محدث ہیں، اس لئے ان کے کتاب کا حصہ سیرت کی دوسری کتابوں پر فوقیت رکھتا ہے، اختلافی چیزوں میں ان کا قول قول فیصل کا حکم رکھتا ہے، ان مغازی اور واقعات کے سلسلہ میں وہ اپنے طرز خاص کے ساتھ آیات کی تفسیر اور ان کے لطائف و اسرار بھی بیان کرتے جاتے ہیں، غزوات کا ذکر کرنے کے بعد ان کا معمول ہے کہ اس غزوہ کے متعلق جتنے فقہی احکام ہوتے ہیں یا اس سے جو مسائل و احکام استنباط کئے جاسکتے ہیں، ان سب کا تذکرہ کر دیتے ہیں، مثلاً غزوہ خیبر کے بعد انھوں نے مستقل فصل لکھی، فیما کان فی غزوۃ خیبر من الاحکام الفقہیۃ، غزوہ فتح کے بعد لکھتے ہیں: فصل فی اشارۃ الی ما فی ہذہ الغزوۃ من الفقہ واللطائف، غزوہ حنین و اوطاس کے بعد لکھا ہے: فصل فی اشارۃ ما تضمنت ہذہ الغزوۃ من المسائل الفقہیۃ والنکت الحکمیۃ، وغیرہ وغیرہ ان میں وہ بہت قیمتی فقہی مواد جمع کر دیتے ہیں۔

ان غزوات و واقعات میں وہ متقدمین اہل سیر و مغازی کے مقلد و ناقل محض نہیں ہیں، انھوں نے بعض مواقع پر بعض مشہور باتوں سے اختلاف کیا ہے، اور اپنے ذاتی مطالعہ و فہم سے اپنی ذاتی تحقیق پیش کی ہے، مثلاً عام طور پر کتب سیرت تاریخ میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے، اور سمجھا جاتا رہا ہے کہ انصاری بچپن اور عورتوں کے خیر مقدمی اشعار

طلع البدیعینا من ثنایات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

ایہا المبعوث فینا جمعت بالامر المطاع

اس موقع پر پڑھے گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے، مگر ان کو اس سے اختلاف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اشعار غزوہ تبوک (جو شام کی جانب سے)

سے واپسی کے موقع پر پڑھے گئے، وہ لکھتے ہیں:-

وبعض الرواۃ یہم فی هذا یقول انما کان
ذلك عند مقدمہ للمدينة من مكة
وهو وهم ظاہر فان ثبات الوداع انما هی
من ناحية الشام لا يراها القادم من مكة الى
المدينة ولا يمر بها الا اذا توجه الى الشام

بعض راویوں کو اس بارہ میں غلط فہمی ہو گئی ہے کہ یہ
اشعار آپ کے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تشریف آوری کے
موقع پر پڑھے گئے یہ ایک گھلا ہوا مغالطہ ہے اس میں کثرت
الوداع شام کی جانب ہے کہ سے آنے والا اس کو نہیں دیکھ
سکتا، اور جب تک کہ شام کی طرف اس کا رخ نہ ہو، وہ

ان کے پاس سے نہیں گزرتا۔

غزوہ تبوک کے بعد بھی انھوں نے اس کے احکام و فوائد تفصیل سے لکھے ہیں، اور ان میں بہت سی کارآمد باتیں
فقہی معلومات الطبیف استنباط اور اجتماعی اور تمدنی احکام آگئے ہیں، مغازی و بعوث سے فارغ ہو کر انھوں نے وفود عرب کی
آمد تفصیل سے بیان کی ہے، اور آپ کے وفود و مکاتیب کا تذکرہ کیا ہے، جو آپ نے شاہان عالم اور امراء عرب کو بھیجے تھے۔
کتاب کی جلد ثانی کا ایک بڑا حصہ طب نبوی سے مخصوص ہے، اس میں انھوں نے طب نبوی کے اسرار و حکم اور ان کی
طبی توجیہات پیش کی ہیں، اس میں احکام طبیہ، احکام فقہیہ اور مباحث حدیثیہ ساتھ ساتھ ہیں، اس سلسلہ میں انھوں
نے ایک بڑی محنت یہ کی ہے کہ حروف تہجی کے اعتبار سے ان تمام ادویہ و اغذیہ اور مفردات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے،
جن کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف یا موضوع حدیث بیان کی جاتی ہے، اور ان پر طبی حیثیت سے کلام کیا ہے اور
ان کے خواص بیان کئے ہیں، امراض و معالجات میں جہاں انھوں نے عشق و محبت کے مرض و علاج محبت کی
حقیقت اور اس کے طبی اسباب اس کے اقسام و درجات، پھر اس کے علاج و تدبیر کا تذکرہ کیا ہے، وہاں ان کی
نفیات سے گہری واقفیت زندگی کے وسیع مطالعہ اور امراض قلبیہ آگاہی کا اندازہ ہوتا ہے، اس طب نبوی

لہ ۳۶۴ (نظامی) ۵۵ ملاحظہ مفصل فی الاشارة الى بعض النظم لهذه الغزوة من الفقه والقوال ۲۶۹ تا ۲۸۲ (نظامی)

۵۵ ایضاً ۲۸۳ تا ۵۱۸ ۵۵ ایضاً ۵۱۸، ۱۳۱-۲ ۵۵ ملاحظہ ہو ص ۱۳۱-۲ ۵۵ ص ۹۲-۹۴

کے بارہ میں اگرچہ نکتہ کی بات وہی معلوم ہوتی ہے، جو شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجة الشرا بالذہن لکھی ہے کہ
اس کی حیثیت تبلیغی و تشریعی نہیں ہے، اور وہ آپ کے اور اہل عرب کے تجارب و عادات پر مبنی ہے، تاہم ان
لوگوں کے لئے جو ہر ارشاد نبوی کو عظمت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور ہر مشورہ پر یقین و محبت کے ساتھ
عمل کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، بیش قیمت مواد یکجا جمع ہو گیا ہے۔

اس حصہ سے فارغ ہو کر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور آپ کے اقصیہ و احکام
کی طرف توجہ کی ہے، اس میں مختلف ابواب فقہیہ و معاملات پر ایک بڑا وسیع اور بیش قیمت ذخیرہ جمع کر دیا ہے،
اور گویا فقہ کی ایسی کتاب مرتب کر دی ہے، جو احادیث اور احکام و اقصیہ نبوی پر مبنی ہے، ان ابواب فصول
کے علاوہ اس کتاب میں بہت سے بیش قیمت تفسیری، نحوی، تاریخی، کلامی لطائف و نکات و تحقیقات ہیں،
جو اس ایک ہزار صفحہ کی کتاب میں منتشر و متفرق ہیں۔

اس کتاب کا قابل تنقید پہلو صرف یہ ہے کہ اس میں سیرت، حدیث، فقہ، تاریخ، کلام، نحو و صرف اور
تقریباً تمام علوم اسلامیہ مخلوط ہیں، اور غالباً اس کتاب کی تالیف کے وقت ان پر ان کے شیخ کی نسبت غالب
تھی، اس لئے وہ ذرا سی مناسبت سے کسی نحوی، کلامی مسئلہ کو چھیڑ دیتے ہیں، اور پھر پورے شرح و بسط کے
ساتھ اس پر کلام کرتے ہیں، اگر اس میں سے سیرت و شمائل کو علیحدہ، مغازی و اہم واقعات کو علیحدہ، فقہ
و احکام کو علیحدہ اور نحوی مباحث کی علیحدہ درج کر دیا جائے تو اس سے استفادہ آسان ہو جائے، لیکن
اس کے باوجود وہ اسلام کی ان اہم تصنیفات میں سے ہے، جو ایک پورے کتب خانہ کی قائم مقام، اور اس کا
وجود ایک تبحر و محقق کثیر الفنون عالم کی موجودگی کے مراد ہے، اور اس سے ہزاروں طالبین راہ خدا
مستفیدین سنت نے دینی رہنمائی اور روحانی غذا اور ایمانی حلاوت پائی۔

لہ حجة الشرا بالذہن بیان اقسام علوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ جلد مصری ۵۵ ص ۱۳۱ تا آخر کتاب ۵۵ راقم سطور نے

۵۵ میں مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران میں اس کی تجرید تلخیص کا کام خیر الزادہ کے نام سے شروع کیا تھا، انہوں نے ذکر وہ تاہم رہ گیا۔

ابن عبد الہادی

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے ان تلامذہ و متبیین میں جن کو حدیث و سنت پر حیرت انگیز عبور تھا اور جن کی عمر کا بیشتر حصہ علوم سنت کی اشاعت اور خدمت اور اصلاح و دعوت میں گزرا حافظ ابن قیم کے علاوہ ابن عبد الہادی، ابن کثیر اور ابن رجب خاص امتیاز اور شہرت رکھتے ہیں۔

ابن عبد الہادی نے چالیس سال سے کم عمر پائی، اہل سیر و سوانح کا اندازہ ہے کہ اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ اکابر اہل عصر میں سے ہوتے اور بڑے بڑوں سے بھی سبقت لے جاتے، صفدی کا قول ہے "لو عاش نكاحاً ایہ" (اگر زندہ رہتے تو عجائب روزگار میں سے ہوتے) علامہ ذہبی نے معجم میں ان کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے:-

هو الفقيه البارع المقرئ المجود المحدث
المحافظ النحوي الحاذق ذو الفنون
كتب عتي واستفدت منه
وهو بڑے ماہر فقیہ بہت اچھے قاری محدث، حافظ
بصیر نحوی صاحب علوم و فنون ہیں انھوں نے مجھ سے
حدیث سنائی اور کتابت کی اور میں نے بھی ان سے استفادہ کیا۔

علامہ وقت البواکحاج المزنی کا ان کے متعلق اعتراف ہے:-

ما التقيت به الا استفدت منه
جب کبھی ان سے ملنا ہوتا کوئی نہ کوئی فائدہ حاصل ہوتا۔

یہی الفاظ علامہ ذہبی سے بھی منقول ہیں صفدی کہتے ہیں:-

كنت اذ القيت سألته عن مسائل
ادبية وفوائد عربية
فينحدر كالسيل
میری جبلان سے ملاقات ہوتی تو میں ان سے
مسائل ادبیہ اور عربیت کے متعلق علمی سوالات
کرتا اور وہ سیلاب کی طرح رواں ہو جاتے۔

حافظ ابن کثیر (صاحب تاریخ و تفسیر) ان الفاظ میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں:-

حصل من العلوم ما لا يبلغه الشيوخ
الكبار وتفنن في الحديث والنحو
والتصريف والفقه والتفسير والاصول
والتاريخ فزات تمام علوم میں ان کو کمال تھا ان کے
بہت سی مفید مکتوبات و تصنیفات ہیں وہ اسمائے
رجال و طرق حدیث کے بہت اچھے حافظ، جرح
و تعدیل کے فن سے خوب واقف، علل حدیث کے
بصیر اور اس کی بہت اچھی سمجھ رکھنے والے تھے
علماء کے ساتھ بہت اچھے طریقہ پر علمی مذاکرہ
کرتے، ذہن نہایت سلیم تھا، طریقہ و سلف پر
اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت عطا فرمائی تھی
اور کتاب سنت کے اتباع کی توفیق دی تھی
اعمال صاحب پر صبر و ثبات سے قائم رہے۔

مختصر حالات

شمس الدین محمد نام، العماد لقب ابو عبد اللہ اور ابو العباس کنیت عام طور پر ابن عبد الہادی کے نام سے مشہور ہیں، سلسلہ نسب اس طرح ہے، محمد بن احمد بن عبد الہادی بن عبد الحمید بن عبد الہادی ابن یوسف بن محمد بن قدامہ خاندان کا اصل وطن بیت المقدس تھا، پھر وہ دمشق منتقل ہوا، اور دمشق میں محلہ صابئیہ میں قیام اختیار کیا، جہاں ابن عبد الہادی کی سند میں پیدائش ہوئی، مختلف روایات سے قرآن مجید کی قرأت حاصل کی، حدیث اور درسی کتابوں کا بڑا حصہ قاضی ابو الفضل سلیمان ابن حمزہ البکر بن عبد الدائم، عیسیٰ بن مطعم حجاز، زینب بنت الکمال اور بہت سے اساتذہ اور علماء سے حاصل کیا، حدیث اور فنون حدیث سے خاص طور پر اشتغال کیا، اور فن رجال اور علل حدیث میں خاص مہارت اور بصیرت پیدا کی، اور مذاہب میں تفقہ حاصل کیا، اصول حدیث اور اصول فقہ اور علوم عربیہ میں بھی دستگاہ کامل تھی، ابن رجب لکھتے ہیں:-

ولزم الشيخ تقي الدين ابن تيمية مدة
وقرأ عليه قطعة من الاربعين في
أصول الدين للرازي. شيخ الاسلام ابن تيمية کی صحبت میں عرصہ تک رہے اور ان سے رازی کی کتاب الاربعين في اصول الدين للرازي.

فقہ میں ان کے خاص استاد شیخ نجم الدین حرانی تھے، مشہور محدث و عالم رجال اور اپنے زمانہ کے عالم حدیث و رجال حافظ ابو الحجاج المزنی کی صحبت میں دس برس رہے، علامہ ذہبی سے بھی تحصیل علم کی، اور علامہ موصوف نے رجال و علل اور علوم میں ان کی مہارت اور تفوق کا اعتراف کیا، حسینی کے بیان کے مطابق عرصہ تک مدرسہ صدریہ و ضیائیہ میں درس دیا، اور صدر مدرس رہے۔

ابن رجب ابن کثیر میں ۷۵۰ھ سنہ ولادت ہے۔ ۸۵۰ھ الدرر الكامنة ج ۳ ص ۳۳۲

ان کے معاصر ابن کثیر ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ تین مہینے کے قریب پھوڑے اور سل کے بخار میں بیمار رہے، یہ تکلیف بہت بڑھ گئی، اور اسہال کی شدت ہوئی آخر بدھ کے روز، ۱۰ جمادی الاول ۷۵۵ھ میں عصر کی اذان سے پہلے انتقال کیا، ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان کے والد نے مجھے بتلایا کہ آخری الفاظ جو ان کی زبان پر جاری ہوئے، وہ یہ تھے "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَّقِينَ" اگلے روز جمعرات کے دن جامع مظفری میں ان کی نماز جنازہ ہوئی جس میں شہر کے قضاة اعیان و مشاہیر علماء و حکام اور تجار و عوام سب شریک ہوئے ابن کثیر لکھتے ہیں:-

وكانت جنازته حافلة مليحة عليها
ضوء نور. ان کے جنازہ میں بڑا ازدحام اور ایک خاص طرح کی نورانیت اور رونق تھی۔

روضہ میں السیف بن المجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تصنیفات

علامہ ابن عبد الہادی نے کم عمر پانے کے باوجود تصانیف کی ایک بڑی تعداد یادگار چھوڑی جو ضخامت اور صفحات کی تعداد کے لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہیں، اور جن تصانیف اور مواد کے لحاظ سے بھی، ان میں سے متعدد کئی کئی جلدوں میں ہیں، حافظ ابن رجب نے ذیل طبقات اسناد میں جن تصانیف کا حوالہ دیا ہے، ان میں سے زیادہ اہم تصنیفات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے "الاحکام الکبریٰ جلد ۱" المحرر فی الاحکام ایک جلد "کتاب العمدۃ فی الحفاظ و جلدیں" "تحلیفۃ للفتاویٰ و جلدیں" "احادیث الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جلد" "الاعلام فی ذکر مشائخ الائمة الاعلام اصحاب الکتاب الستہ" ۱۰۰۰ البدایہ والنہایہ ص ۲۰۰ اس بارے میں ان کو ہندوستان کے مشہور و مقبول عالم و مصنف مولانا عبدالحی کھنوی سے مشابہت ہے جنہوں نے صرف ۳۹ سال عمر پائی اور تصانیف کا ایک بڑا اور مفید ذخیرہ یادگار چھوڑا۔

متعدد اجزاء، ایک ضخیم کتاب، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بارہ میں، تعلیقہ علی سنن البیہقی
جلدیں، ترجیعہ الشیخ تقی الدین ابن تیمیہ ایک جلد، منقحی من تہذیب الکمال للمزی پانچ جلدیں، منتخب
من سند الامام احمد، جلدیں، منتخب من البیہقی، منتخب من سنن ابی داؤد، شرح الفیہ لابن مالک
ایک جلد، امام ذہبی کی تصانیف پر تنقید و تعقیبات متعدد اجزاء، الرد علی ابی حیان النحوی، اس کے علاوہ
مختلف تعلیقات اور مختلف احادیث کے بارہ میں مستقل رسائل جن کی فہرست طویل ہے، علامہ تقی الدین
ابن ابی نے مسئلہ زیارت پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تردید میں جب "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" کتاب
لکھی تو علامہ ابن عبد الہادی نے الصادق المتکی فی الرد علی السبکی کے نام سے اس کا ناقدانہ و محدثانہ
جواب لکھا جو ان کی علمی فضیلت اور حدیث و رجال پر وسعت نظر کا گواہ ہے۔



ابن کثیر

عماد الدین اسماعیل بن عمر نام، ابو الفداء کنیت، ابن کثیر کے نام سے شہرت پائی، قیسی الاصل تھے، شہر
بصری (شام) کے نواح میں مجدل گاؤں جہاں ان کے والد خطیب تھے، کثرت میں پیدا ہوئے، سترہ میں
دمشق اپنے والد کے ساتھ منتقل ہوئے، شیخ برہان الدین الفراری وغیرہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ابن
السویدی، ابوالقاسم ابن عساکر اور دوسرے شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت و روایت کی، علامہ مزنی سے
تلمذ خاص تھا، اور ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا، کثرت ان سے روایتیں ہیں، فتویٰ تدریس، مناظرہ
سے اشتغال رہا، فقہ تفسیر اور نحو میں خاص دستگاہ تھی، رجال و علل حدیث میں نظریہ وسیع اور دقیق تھی، مدرسہ
ام الصالح میں مدرس رہے اور علامہ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکزیہ میں بھی درس دیا، علامہ ذہبی کے
ان کے متعلق الفاظ ہیں:-

هُوَ فقيهٌ متقنٌ ومحدثٌ محققٌ ومفسرٌ
وہ پختہ کار فقیہ، محقق محدث اور نقاد مفسر ہیں اور

نقادٌ وله تصانیف مفیدۃ
مفید تصانیف رکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:-

كان كثير الاستحضار وسارت تصانیفه
بڑے حاضر العلم، کثیر المحفوظات تھے ان کی تصانیف

فی البلاد فی حیاته وانتفع بہ الناس
ان کی زندگی ہی میں ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور لوگوں

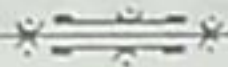
اسے یہ کتاب پہلی بار ۱۳۱۱ ہجری میں مطبع خیر مصر میں شائع ہوئی۔

بعد وفات۔
نے ان کی وفات کے بعد بھی ان سے فائدہ اٹھایا۔

باوجود شافعی ہونے کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بڑے گرویدہ اور ان کی عظمت و امامت کے قائل تھے ان سے تلمذ بھی ہے ابن حجر کہتے ہیں "أَخَذَ عَنْ ابْنِ تَيْمِيَّةَ فَقُتِبَ بِحَبْرٍ وَامْتَحِنَ بِسَبَبِهِ" البدایۃ والنہایۃ میں ان کے حالات و واقعات زندگی بڑی تفصیل اور شغف و اہتمام سے لکھے ہیں اور ان کی طرف سے پوری مدافعت کی ہے ہماری کتاب میں شیخ الاسلام کے حالات و واقعات زندگی کا بڑا حصہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے تصانیف میں سے التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل پانچ جلدوں میں اور الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن، معجم ادلة التنبیہ، مسند الشیخین، علوم الحدیث، طبقات الشافعیہ، وغیرہ ان کی تصانیف ہیں احکام میں ایک مبسوط کتاب لکھنی شروع کی تھی، لیکن مکمل نہیں ہوئی، مسند امام احمد کو حروف پر مرتب کیا اور اس میں طبرانی اور ابویعلیٰ کے زوائد بھی شامل کر دیئے لیکن ان کا اصلی تصنیفی کارنامہ دو کتابیں ہیں جن کو قبول عام حاصل ہوا اور جن سے علمی حلقوں میں اس وقت تک استفادہ کیا جا رہا ہے ایک ان کی تفسیر جو ان تفاسیر میں جن کی بنیاد منقولات و روایات پر ہے سب سے زیادہ مقبول اور قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے علامہ سیوطی اس کے متعلق لکھتے ہیں "لَهُ التفسير الذي لم يوافقه مثله" اس تفسیر سے پہلے اہل منقول نے جو تفاسیر لکھیں ان میں محدثانہ احتیاط اور احادیث کے صحیح انتخاب کی بڑی کمی اور ضعیف احادیث و اسرائیلیات کی بڑی کثرت تھی، حافظ ابن کثیر ایک پختہ کار محدث تھے انھوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی اگرچہ وہ اس میں اس بلند محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی اور انھوں نے کسی قدر توسع سے کام لیا، اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ تفاسیر میں محدثانہ نقطہ نظر سے یہ تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتماد و استفادہ ہے، حال میں مصر کے نامور فاضل و محقق استاد احمد محمد شاكر نے عمدة التفسير عن الحافظ ابن کثیر کے نام سے اس کا خلاصہ شائع کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات و محاسن کو برقرار رکھتے ہوئے ضعیف احادیث

غیر مستند اسرائیلیات، مکرر اقوال اور اسانید اور طویل کلامی مباحث فقہی فروع اور لغوی و لفظی مناقشات کو حذف کر دیا ہے۔

ان کی دوسری اہم اور مقبول تصنیف البدایۃ والنہایۃ ہے جو ۳۵۱ھ میں ۱۴ جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے، یہ عرب مورخین کے دستور کے مطابق ابتدائے آفرینش سے ۶۷۰ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے علامہ ابن اثیر کی مشہور و مقبول کتاب الکامل ۶۳۸ھ تک کے واقعات پر ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس کتاب ۱۳۹ سال کے حالات و تاریخ کا اضافہ ہے، تاریخی حلقہ اور آٹھویں صدی کی اہمیت کی وجہ سے یہ زمانہ بڑا اہم اور پر از واقعات ہے اس وجہ سے بھی اور تاریخی استناد و تفصیل کی وجہ سے بھی یہ کتاب اکثر مورخین کا مرجع و ماخذ ہے، شعبان ۷۷۰ھ میں حافظ ابن کثیر نے وفات پائی اور دمشق کے مشہور مقبرہ الصوفیہ میں دفن ہوئے۔



حافظ ابن رجب

مختصر حالات

عبدالرحمن نام، والد کا نام احمد بن رجب، سلسلہ نسب اس طرح ہے عبدالرحمن بن احمد بن رجب ابن عبدالرحمن بن محمد بن ابی البرکات مسعود، خاندانی وطن بغداد تھا، وہیں ربیع الاول ۷۴۱ھ میں پیدا ہوئے، ۷۶۱ھ میں اپنے والد کے ساتھ صغریٰ میں دمشق آئے، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن البخاری اور ابراہیم بن العطار وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، ہصر بن ابوالفتح المیدومی ابوالحرم القلانسی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ انھوں نے کثرت سے حدیث کی سماع کی اور حدیث کے ساتھ اشتغال کیا، یہاں تک کہ فن حدیث میں مہارت حاصل کر لی، حافظ ابوالفضل تقی الدین ابن فہرہ کی (م ۷۸۱ھ) نے تذکرۃ الحفاظ کے ذیل (لحظ الاحتاط) میں ان کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے، "الامام الحافظ المجتہد والفقیر العبد الامام الزہاد والائمة العباد مفید المحدثین واعط المسلمین" وہ ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ متنوع وزاہد پیشوا تھے، اللہ تعالیٰ نے قلوب میں ان کی لے حافظ ابن رجب اگرچہ براہ راست شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد نہیں ہیں، اور وہ ان کی وفات کے ۸ سال بعد پیدا ہوئے مگر وہ حافظ ابن قیم کے شاگرد اور عام طور پر ابن تیمیہ و ابن قیم سے متاثر ہیں، اور چند مسائل کے علاوہ عمومی طور پر وہ ان کے ہم مسلک اور ان کے رجال میں سمجھے جاتے ہیں۔ ۷۸۱ھ

محبوبیت پیدا کر دی تھی، اور تمام جماعتوں کا ان کی صلح و فضیلت پر اتفاق تھا، ان کی مجالس وعظ عمومی اور بڑی مفید اور نہایت درجہ موثر تھیں، الشہاب بن حجر بن حجر کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"فن حدیث میں بڑے مبصر اور محقق تھے، اپنے معاصرین میں علل حدیث اور طرق حدیث کے سب سے زیادہ واقف تھے، اکثر ہمارے ہم عصر علماء خالہ ان کے شاگرد ہیں۔"

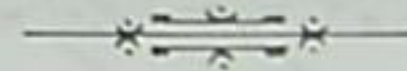
ماہ رجب ۷۹۵ھ میں انتقال ہوا، اور الباب الصغیر دمشق میں دفن ہوئے، انتقال سے چند دن پیشتر ایک گورن کے پاس آئے اور ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہاں میرے لئے قبر کھود دو، گورن کا بیٹا ہے کہ میں نے قبر کھودی، وہ اس میں اترے اور لیٹے اور کہا کہ ابھی ہے چند روز کے بعد ان کا انتقال ہوا، اور اسی میں دفن ہوئے۔

تصنیفات

تصنیفات میں ترمذی کی شرح اور بخاری کے ایک حصہ کی شرح کی ہے، بخاری کی شرح کا نام انھوں نے فتح الباری رکھا تھا، یہ شرح مکمل نہیں ہو سکی، ابن ابی علی کی طبقات اسحاق کا ذیل لکھا، ایک کتاب اللطائف فی وظائف الایام وعظ کے طریقہ پر ہے، اور فوائد اور قواعد فقہیہ پر مشتمل ہے، امام نووی کی الریجین کی شرح کی جس میں بیالیس حدیثیں تھیں، اور آٹھ حدیثوں کا اضافہ کیا، یہ جامع العلوم والحکم شرح خمین حدیث میں جوامع الکلم کے نام سے ۷۴۶ھ میں مصطفیٰ ابابلی السجلی کے مطبع سے شائع ہوئی ہے، حدیث "ما ذنبان جائعان أرسلانی غمرا" کی مستقل شرح کی ہے، ایک رسالہ "فضل علم السلف علی الخلف" ہے، یہ تینوں مؤخر الذکر کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ان کی تصنیفات میں حافظ ابن قیم کی اصلاحی لے ۷۸۱ھ ۷۸۱ھ حاشیہ لحظ الاحتاط ص ۱۸۱ ۷۸۱ھ الدرر الکامنه ص ۳۲۲ ۷۸۱ھ ندوة العلماء کے کتب خانہ میں قلمی موجود ہے، چند سال ہوئے دمشق سے شائع بھی ہو گیا ہے۔

دعوتی روح و جذبہ اور ان کی تحریر کی حلاوت و سلاست نظر آتی ہے۔

ان تلامذہ و تلامذۃ تلامذہ کے علاوہ آٹھویں اور نویں صدی کے بعض ایسے جلیل القدر علماء، مصنفین اور مصلحین ہیں جن کے متعلق یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کو شیخ الاسلام یا ان کے کسی تلمیذ سے تلمذ حاصل ہے، مگر ان کی تصنیفات میں واضح طریقہ پر شیخ الاسلام کا فکر ان کی روح، ان کا علم اور ان کی دعوت نظر آتی ہے۔ ان حضرات نے شیخ الاسلام کے تلامذہ یا تصنیفات سے استفادہ کیا ہو یا اس کی نوبت نہ آئی ہو، وہ اتحاد فکر و ذوق کے لحاظ سے اسی دبستان فکر کے علماء و مصلحین میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں، ان شخصیتوں میں "الموافقات" کے فاضل مصنف علامہ ابو اسحاق شاطبی (متوفی ۷۹۷ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی کتاب "الاعتصام" اسی اصلاحی سلسلہ کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جس کی ابتداء اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام نے کی، اور جو سنت و بدعت کے موضوع پر سب سے پرمغز، مکمل، اصولی اور فاضلانہ تصنیف ہے۔



INDEX

اشکالیکہ

(تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم)

مرتبہ

محمد عیاض الدین ندوی

شخصیات

(الف)

۱۱۸، ۱۱۱-۱۵۱، ۱۰۲-۷۱، ۱۰۰، ۹۶-۹۸، ۹۲

۱۴۲، ۱۳۶، ۱۳۵-۳۱، ۱۲۵، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰-۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷

۱۴۷، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲-۷۱، ۱۰۰، ۹۶-۹۸، ۹۲

۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰-۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶

۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱-۲۰، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰-۲۰۹

۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹-۲۱، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰

۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳-۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵

۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲-۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱

۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹-۸۴، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴

۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱-۱۱، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵-۱۱، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲

۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴-۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱

۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶-۴۷، ۳۴۳، ۳۴۲-۴۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶

۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲-۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱

۱۰۲

۱۵۹، ۱۵۵، ۱۵۲، ۱۵۱-۱۵۹، ۱۵۵، ۱۵۲، ۱۵۱

۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲

۲۰ (سیدنا حضرت آدم علیہ السلام)

۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱-۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰ (سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام)

۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳

۳۰۰ (ابان بن سعید بن العاص)

۳۷۴ (ابراہیم بن الحجاز)

۶۳ (ابراہیم بن القطان)

۳۷۴ (ابراہیم بن العطار)

۲۲۰ (ابن ابی اصیبعہ)

۳۷۵، ۳۷۴ (ابن ابی یعلیٰ)

۳۷۳، ۱۲۵ (ابن الاثیر)

۲۸۱ (ابن الانباری)

۱۵۴ (ابن بطوطہ)

۱۴، ۱۱ (شیخ الاسلام حافظ احمد تقی الدین) ابن تیمیہ

۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷-۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴ (شیخ الاسلام حافظ احمد تقی الدین) ابن تیمیہ

۹۱، ۸۹، ۸۸، ۸۷-۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵

(علامہ) ابن حجر مکی

۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹

ابن عبد الدائم المقدسی

۳۸

۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷

ابن عبد الباقی

۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲

۳۰۸

ابن عساکر

۱۲۵

۳۲

ابن عقیل

۲۳۸

۲۵۵، ۲۵۴

ابن عطاء اللہ اسکندری

۹۶

۱۲۰

ابن الفارض (شاعر)

۹۶

۱۰۲

(حافظ) ابن فضل الشعمری

۱۷۲

ابن دقین العمید دیکھئے تقی الدین

ابن القاسم

۲۸۱، ۲۸۰

(حافظ) ابن رجب - ۲۷۱، ۲۷۰-۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶

ابن اقلانی دیکھئے جمال الدین

۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶

۲۷۴، ۲۷۳

(حافظ) ابن القیم - ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹-۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶

۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳

ابن رشد ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶-۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳

ابن اقلانی دیکھئے کمال الدین

۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲

ابن سبعین ۷۷، ۷۶، ۷۵

(حافظ) ابن کثیر - ۵۲، ۵۱، ۵۰-۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶

۵۲، ۵۱، ۵۰

(سلطان) ابن السعود ۱۲۶

۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹-۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶

۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹

ابن السویدی ۳۷۱

۲۶۱، ۲۶۰-۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹

۲۶۱، ۲۶۰

ابن سید الناس ۱۳۲

(شیخ) ابن مالک

۳۳

ابن سینا ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶-۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳

ابن مالک (صاحب الفیہ)

۱۲۰

ابن الصلاح دیکھئے تقی الدین

(قاضی) ابن مخلوف مالکی - ۸۷، ۸۶، ۸۵-۸۷، ۸۶، ۸۵

۸۷، ۸۶، ۸۵

(حضرت) ابن عباس ۲۰، ۱۱۱

۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰

۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰

۱۸۴	(شیخ) ابوالحسن نوری	۱۱۱	(حضرت) ابن مسعود
سراج الدین	ابو حفص دیکھے	۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۴	ابن مسلم دیکھے
۲۸۱، ۱۱۴۹، ۱۱۱۱	(امام) ابو حلیفہ	۵۷	ابن المطہر احملی
۱۵۵، ۱۵۲، ۱۵۱	ابو حیان مفسر	۲۷۵	ابن النحاس
۱۳۶، ۲۹	(علامہ) ابو حیان النحوی	۲۳۱	(علامہ) ابواسحاق شاطبی
۶۱	ابو الریبع سلیمان (خلیفہ عباسی)	۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۱۱۸۳	ابو البرکات بغدادی
۱۵۵	(حافظ) ابو زرعة	۲۰۵-۲۰۸، ۲۹۹-۳۰۱	(حضرت) ابوبکر صدیق - ۱۱۸۳
۳۰۰	ابوسفیان بن الحارث	۲۲۱، ۱۵۳، ۱۴۴	ابو بکر باقلانی
۱۸۴	ابوسلیمان دارانی	۳۳۵	ابوبکر بن ایوب
۵۱، ۵۰	(قاضی) ابوالعباس	۳۶۸، ۳۳۵	ابوبکر ابن عبداللہ الم
۱۶۳	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری	۱۸۳	(شیخ) ابوبکر شبلی
۱۹۷	ابوعبداللہ محمد بن نعمان المفید	۱۱۱	ابو ثور
۲۲۱	ابو علی جبائی	۱۱۱	(حضرت) ابوجعفر محمد (الباقر)
۱۹۵	ابو عمر	۱۸۴	ابوجہیر نابینا
۸۳	(علامہ) ابو عمر ابن عبدالبر	۲۷۴	ابو الحجاج المزنی دیکھے
۳۷۴	ابوالفتح المیدوی	۲۷۴	ابو الحرم القلانسی
(شیخ) ابوالفتح دیکھے	نصر المنجی	۱۵۳، ۸۴، ۱۴۴	(امام) ابوالحسن اشعری
۳۷۱	ابوالقاسم ابن عساکر	۱۳	(مولانا) ابوالحسن علی (ندوی)
(المستنصر باللہ) ابوالقاسم احمد بن امیر المؤمنین الظاہر			

۲۷۶	اشعیا بنی	۸۳	(شیخ) ابومحمد عبدالقادر گیلانی
عبداللہ	الاخنائی دیکھے	۲۱۱	(حضرت) ابوموسیٰ اشعری
جمال الدین	الافرم دیکھے	۲۳۶، ۲۳۳، ۲۳۲	ابونصر فارابی
۲۳۲، ۲۳۲، ۲۳۲، ۲۳۲	افلاطون	۳۰۳	ابونعیم
۱۴۴	افشہری	۲۸۱	اثرم
۲۲۰	اقلیدس	۲۴۳، ۲۴۳، ۱۱۱، ۵۰، ۳۸	(امام) احمد بن حنبل
(شیخ) اکبر و ابن عربی دیکھے	محمی الدین	۳۷۴	احمد بن رجب
۱۵۳، ۱۴۴	امام اکبرین	۳۶۸	احمد بن عبدالہادی
۴۷	(قاضی) امام الدین	۵۰	(شیخ) احمد الحارون العسل
۳۱۰	امام غائب	۱۶۶	(شیخ) احمد سرہندی دیکھے
۲۰	(حضرت) انس بن مالک	۳۷۲	(حضرت سید) احمد شہید
۱۱۱	(امام) اوزاعی	۲۸۱	احمد محمد شاہر
(ب) (پ)		۵۳، ۵۲	اخفش (نحوی)
۴۲	اباسطی	۲۳۳، ۲۳۱، ۲۲۸، ۲۲۶، ۲۲۲-۲۲۰، ۳۲-۲۲۰	ارجواش
۱۸۴، ۱۸۱	(شیخ) بابزید بطنی	۲۵۵، ۲۴۷، ۲۴۵، ۲۳۳-۳۶	ارسطو
۱۱۱	(امام) بخاری	۲۶۴	اریوسی
۸۸	(قاضی) بدر الدین بن جماعہ	۱۶۶	(مولانا) اسماعیل شہید
۲۲۱	برقلس	۱۱۱	(امام) اسحاق ابن راہویہ
۳۴۷	(قاضی) برہان الدین زری	۲۷۱	اسرائیل

(مولانا) روم دیکھئے	جلال الدین	(علامہ) سعد الدین تفتازانی	۱۵۵
(سن)		سقراط	۲۲۲
(قاضی) زراره بن ابی اوفی (قاضی بصرہ)	۱۸۴	(قاضی) ابوالفضل سلیمان ابن حمزہ	۳۶۸
(حضرت) زبیر بن عوام	۱۱۱	(مولانا سید) سلیمان ندوی	۲۵۵، ۲۴۶
زفر	۲۸۱	(سیدہ) سکینہ	۲۱۴
(سیدہ) زینب	۲۱۴	سہروردی مقتول	۲۲۲
زینب بنت الکمال	۳۶۸	(علامہ) سید شریف	۲۲۳
زین الدین بن عدنان	۶۴	سیبویہ	۲۸۱، ۱۵۱، ۱۲۶، ۳۸، ۳۷
(علامہ) زین الدین بن منجی الکلبلی	۴۳، ۴۱	السيف ابن المجد	۳۶۹
زین الدین عبدالرحمن ابن تیمیہ - ۱۲۳، ۱۱۹، ۱۱۷، ۷۹، ۱۲۵		(امیر) سيف الدين جالغان	۱۰۱، ۴۷
(شیخ) زین الدین الفارقی	۴۳	سيف الدين قمیج	۵۴، ۵۲
(سی)		سيف الدين قطز	۲۷، ۲۳
(سیدنا حضرت) سلیمان علیہ السلام - ۲۸۲، ۲۷۷، ۱۲۳، ۳۳۰		(الملك المنصور) سيف الدين قلاوون	۲۵۱، ۲۴
ساعد قرطبی	۲۴۴	(علامہ) سیوطی	۳۷۳، ۳۷۲
(علامہ) سخاوی	۱۵۵	(ش)	
(حافظ) سراج الدین	۱۳۳	(سیدنا حضرت) شعیب علیہ السلام	۲۷۷
(شیخ) سراج الدین ابو حفص البزار - ۱۷۷، ۱۴۵، ۱۴۰		(امام) شافعی	۲۸۱، ۲۱۵، ۱۱۱، ۳۱
(شیخ الاسلام) سراج الدین البلقینی	۱۵۵	(علامہ) شبلی نعمانی	۲۲۲
(حضرت) سعد بن معاذ	۱۳۱	شرف الدین ابن تیمیہ - ۱۲۵، ۱۰۰، ۹۹، ۷۹، ۵۷	

(مخدوم شیخ) شرف الدین یحییٰ منیری	۱۸۱	(شیخ) صفی الدین الہندی	۱۴۶، ۱۴۵، ۶۸
(امام) شعبی	۲۸۹	(سلطان) صلاح الدین ایوبی - ۲۶۰، ۳۹۱، ۲۳۱، ۲۲۰	
(امام) شعرانی	۱۵۸	(ط)	
شکری الفتولی (سابق صدر جمہوریہ شام)	۱۲۵	(امام) طاؤس	۳۵۹
شمس الدین دیکھئے	ذہبی	طبرسی دیکھئے	علامہ الدین
(قاضی) شمس الدین ابن سلم	۱۱۴، ۱۱۳	(امام) طبری	۳۷۲، ۳۵۹
(قاضی) شمس الدین التونسی	۹۷	(ع) (غ)	
(حافظ) شمس الدین الشافعی	۱۵۸	(حضرت سیدنا) عیسیٰ علیہ السلام دیکھئے	حضرت مسیح
الشہاب بن حجاج	۳۷۵	(سیدنا حضرت) عزیز علیہ السلام	۱۹۰
شہاب الدین عبدالکلیم ابن تیمیہ	۴۱، ۳۶، ۳۴	عاذر	۲۶۶
شیطان	۲۰، ۱۸۶	عاقوس	۲۸۲
(ص)		(حضرت) عائشہ	۲۹۲، ۲۱۱، ۱۱۶
(سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام	۲۷۷	(حضرت) عباس	۳۰۰، ۲۰۵
صاعد اندلسی	۲۲۰	عبدالکلیم دیکھئے	شہاب الدین
(شیخ) صالح (رفاعی صوفی)	۶۶	عبدالحمید بن عبدالہادی	۳۶۸
(شیخ) صالح تاج الدین	۱۳۲	(مولانا) عبدالحی برہانوی	۱۶۶
صدر الدین قونوی	۱۵۶، ۷۴، ۷۲، ۷۰	(مولانا) عبدالحی لکھنوی	۳۶۹
(حضرت) صدیق اکبر دیکھئے	البوکری	عبدالرحمن بن الحسن	۳۷۴
صفدی	۳۶۷، ۳۶۶	(حضرت) عبدالرحمن بن عوف	۱۱۱

۱۵۶	عبدالرزاق کاشی	۳۰۰	(حضرت) عقیل
۱۵۶	(شیخ) عبدالقادر دیکھے	۲۹	(علامہ) علماء الدین الباجی
۹۶	(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی	۸۴، ۸۰	علماء الدین الطبرسی
۲۲۱	(علامہ) عبدالکریم شہرستانی	۱۲۶، ۱۰۲، ۸۸، ۲۹	(حافظ) علم الدین البرزالی
۱۵۶	(شیخ) عبدالکبیر مینی	۱۴۱، ۱۲۸	
۳۴۸	(شیخ الامام) عبدالشہید انصاری	۲۹۲، ۲۸۵، ۲۵۹، ۱۳۱، ۱۱۱، ۵۹	(حضرت) علی بن
۱۳۹، ۱۲۰	(قاضی) عبدالشہر بن الہخانی	۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۰ - ۲۰۵	
۱۲۳	عبدالشہر بن محب	۱۱۱	(حضرت) علی بن حسین
۱۲۳	عبدالشہر الزری	۱۹۹	(شیخ) علی بن یغثوب البکری
۳۴۹	(مولانا سید) عبدالشہر غزنوی	۱۸۸، ۱۶۱، ۱۵۵	(امام) علی قاری
۳۶۸	عبدالہادی بن عبدالحمید	۲۱۴	(حضرت سید) علی ہجویری (داتا گنج شکر)
۳۶۸	عبدالہادی بن یوسف		(حافظ) عماد الدین ابن کثیر دیکھے ابن کثیر
۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱	(حضرت) عثمان بن عفان	۱۴۴	(علامہ) عماد الدین الواسطی
۳۳۹	(حضرت) عدی بن حاتم	۳۰۰، ۲۹۳، ۲۹۱، ۲۱۱، ۲۰۵، ۱۸۳	(حضرت) عمر بن
۹۶	(شیخ) عدی بن مسافر اموی	۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۱	
۴۳	عزالدین ایکب الحموی	۱۱	(حضرت) عمر بن عبدالعزیز
۲۲	(الملك المعز) عزالدین ایکب الترکمانی	۳۵۹	(قاضی) عیاض
۱۵۵، ۱۲۹، ۳۳۸	(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام	۳۶۸، ۳۴۵	عیسیٰ بن مطعم حجار
۴۳	عساف	۱۸۰، ۱۵۹	(علامہ) عینی

۲۲۳	قطب الدین شیرازی	۲۳۸، ۲۳۴، ۲۳۱، ۱۵۸	(حجة الاسلام) امام غزالی
۲۲۰	قفطی	۲۲۳، ۲۲۴	
۱۴۱	قیصر		(ف) فارابی دیکھے ابونصر
۱۵۶	(شیخ) کبیر مینی	۳۰۵، ۳۰۴، ۲۹۱	(حضرت) فاطمہ بنت
۱۴۱	کسری	۳۴۵	فاطمہ بنت جوہر
۵۰، ۴۹	(شیخ) کمال الدین الانبجی	۳۳	فخر الدین ابن تیمیہ
۶۸، ۴۰، ۱۲۹	(علامہ) کمال الدین بن الزمکانی	۲۸۱	فرأ (نحوی)
۳۱۳، ۱۳۰، ۱۲۸، ۱۰۳		۳۱۸، ۲۶۱، ۱۵۹، ۵۰	فرح الشہزکی الکردی
۲۸۲	کوشیار (عالم ہیئت)		فرشتہ - ملائکہ دیکھے طبقات
	(ل) لطفی جمعہ	۲۴۱، ۴۰، ۱۶۹	فرعون
۲۴۵، ۲۲۳	لقمان حکیم	۱۸۴	فضل بن عیاض
۲۳۲	لوقا	۲۳۲	فیثاغورث
۲۶۵	(حضرت) لیث بن سعد	۴۴ - ۵۳	قازان (محمود)
۲۱۵	(سیدنا و نبینا حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۳	قبحی
۹۲، ۸۴، ۸۶، ۸۱، ۶۸، ۶۱، ۴۵، ۴۳، ۲۴، ۱۸		۲۶۴	قسطنطین
۱۵۶، ۱۳۹، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۱۵، ۱۰۹ - ۱۱۱، ۹۵ - ۹۴		۳۹	قطب الدین ابوالمعالی اشعری
		۲۲۳	قطب الدین رازی

۲۸۶	محب الدین الخطیب	۲۱۰۲۰۹۱۳۰۵-۷۱۱۹۹-۲۰۲۱۹۷۱۱۹۱۱۵۰
۱۶۳	(خواجہ) محمد امین کشمیری	۲۷۲۱۲۶۸۱۲۶۶۱۲۶۵۱۲۶۲۱۲۶۱۲۴۴۱۲۱۲
۳۰	(اکمال) محمد الیوبی	۲۹۳-۹۶۱۲۸۸۱۲۸۴۱۲۸۰-۸۲۱۲۷۶-۷۸
۲۹۲	محمد بن ابی بکر	۲۳۱۱۳۲۳۱۳۲۲۱۳۱۹۱۳۰۴-۹۱۲۹۹-۳۰۱
۳۶۸	محمد بن احمد	۲۵۸۱۳۵۰-۵۵۱۳۲۹۱۳۳۵-۲۷۱۳۳۳
۳۷۴	محمد بن اسماعیل	۲۷۰۱۳۶۵۱۳۶۲۱۳۵۹
۳۳	محمد ابن النضر	۱۸۲۱۸۶۱۶۹
	(شیخ) محمد الوزیر	۱۱۳۱۹۰۱۶۵۱۵۳۱۳۷۱۱۳-۱۱۳۱۹۰۱۶۵۱۵۳۱۳۷۱۱۳
		۲۵۳۱۲۶۲۱۲۱۱۱۱۷
۱۲۴	(شیخ) محمد تمام	۱۹۴۱۱۹۰۱۸۶
	(شیخ) محمد بن عبد الرحیم الارموی دیکھئے صفی الدین	۲۷۵-۷۷۱۲۷۰-۲۷۲۱۲۶۰-۶۶۱۲۰۰۱۹۵
	(علامہ) محمد بن علی الشوکانی	۳۴۱۳۳
۳۶۸	محمد بن قدامہ	۲۰۷
	(الملک ناصر) محمد بن قلاؤون	۲۹۴۱۲۸۱۲۰۲۱۱۶۱۱۱۱۸۴
		۱۷۲۱۱۴۱۱۲۳۱۱۱۸۱۱۰۳۱۱۰۰۱۹۸۱۷۷۱۶۴
	(شیخ) محمد حجۃ البیطار دیکھئے ہجۃ البیطار	۲۸۱
۶۳	محمد انجراز البلاسی	۲۶۵
۷۹	(شیخ) محمد عبدالرزاق حمزہ	۱۸۱۱۵۶۱۱۵۵
۲۸۶۱۷۹	(شیخ) محمد نصیف	۳۵۱۳۳

۲۸۱	ملکی (طیب)	۱۳۶	(ڈاکٹر) محمد یوسف موسیٰ
۲۸۲	ملینا	قازان	محمد دیکھئے
۱۲	(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی	۱۶۰	(علامہ) محمود آلوسی
۲۱۹	(خلیفہ) منصور	نوی	(امام) محی الدین دیکھئے
۸۳	(شیخ) موفق الدین ابن قدامہ	۷۱۷۰۱۶۹۱۶۸۱۱۲	(شیخ اکبر) محی الدین ابن عربی
	ہنا دیکھئے	۱۵۸۱۱۵۵-۵۶۱۱۵۲۱۷۷۱۷۳۱۷۳۱۷۲	
۸۶	(حضرت) میکائیل	۵۰	(شیخ) مرعی ابن یوسف الکرمی
	(ن) (و)	۲۶۵	مرقس
۷۰	(سیدنا حضرت) نوح علیہ السلام	۲۸۱	مزن
۲۷	ناصر الدین قلاؤون	۲۵۱۲۴	(خلیفہ) مستعصم باللہ
	(السلطان) اناصر دیکھئے	۲۸۱	مسیحی (طیب)
۲۳۱۲۲	(الملک صالح) نجم الدین ایوب	۲۷۵۱۲۸۶	(شیخ) مصطفیٰ البابی حلبی
۳۶۸	(شیخ) نجم الدین حرانی	۲۶۱	(شیخ) مصطفیٰ قبانی دمشق
۱۱۱	(امام) نخعی	۵۹	(حضرت) معاویہ
۲۳۴	(امام) نسائی	۱۸۴	معروف کرخی
۸۵۱۷۱۷۷۱۷۳۱۷۳۱۷۲-۹۸۱۸۷	(شیخ ابو الفتح) نصر المنجبی	۱۶۳	(مخدوم) معین الدین ٹھٹھوی
۲۹۱۲۹۰۲۲۳	(خواجہ) نصیر الدین طوسی	۱۰۱۳۹۱۲۸	(مؤرخ) مقریزی
	(شیخ محمد) نصیف دیکھئے	طبقات	لامکہ - فرشتہ دیکھئے
۲۲۱	نظام (فلسفی)	۲۵۵	مل (MILL) انگریز منطقی

۶۹	(سیدنا حضرت) ہارون علیہ السلام	۱۶۰۱۵۲	(علامہ خیر الدین) نعمان آلوسی
۲۷۷	(سیدنا حضرت) ہود علیہ السلام	۱۹۵۱۸۷۱۸۶	(سیدہ) نفیسہ
۱۶۵	(شیخ الاسلام عبداللہ) ہروی انصاری	۹۷	نور الدین الزواوی
۲۲۳۱۶۵	ہلاکو خان	۲۳	(سلطان) نور الدین علی
۲۵۶	ہیوم (HUME - فلسفی)	۹۷	نور الدین مالکی
	(۷)	۳۷۵۱۱۱۱۱۳۰۱۲۹۱۲۶۱۲۴	(امام) نووی
۲۷۶۱۲۶۵	یوحنا	۱۶۳۱۱۶۱۱۱۲۹	(حکیم الاسلام شاہ) ولی اللہ دہلوی
۳۶۸	یوسف بن محمد	۳۶۹۱۳۳۹۱۳۳۸۱۳۳۶۱۳۳۵۱۳۳۳۱۱۶۴	
۱۹۳	پولس قیسی		(۸)

طبقات و قبائل - اقوام و خاندان

۷۶۱۷۵۱۷۳۱۲۱	اتحادی (قائلین وحدۃ الوجود)	۶۸۱۲۶۱۳۲۱۱۵	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
۲۰۲۱۱۹۰	اجار و رہبان	۱۹۵۱۱۹۲۱۱۸۶۱۱۸۳۱۱۸۱۱۱۳۹۱۷۶۱۷۱	
۲۶۲	اریوسی	۲۳۲۱۲۲۷-۲۹۱۲۱۸۱۲۰۷-۹۱۲۰۳۱۲۰۲	
۲۱۴	ازواج مطہرات	۲۶۲۱۲۶۲۱۲۵۲۱۲۴۲۱۲۳۲۱۲۳۷۱۲۳۶	
۲۱۵۱۱۹۷۱۱۸۹۱۶۲۱۱۷	اسماعیلی	۲۸۱۱۲۷۹۱۲۷۷۱۲۷۳۱۲۶۹-۷۰۱۲۶۶	
۱۰۷۱۸۲۱۲۶۱۳۹۱۳۱	اشاعرہ، علماء اشعری	۳۱۰۱۳۰۷۱۳۰۱۲۹۵۱۲۹۲۱۲۸۱۲۸۷	
۲۲۱۱۱۵۳		۳۵۰۱۳۲۹۱۳۲۸۱۳۲۲	

۶۱۱۶۰۱۵۹۱۵۷	اہل شام شامی	۱۸۶	آل فرعون
۶۲	اہل قبرص	۸۲	امت محمدی
۲۸۳۱۲۷۷۱۲۷۰۱۲۶۸۱۶۶	اہل کتاب	۳۶۲	امراء عرب
۳۶۰۱۲۸۲		۳۶۳۱۲۹۲۱۲۹۰۱۱۸۳	(حضرات) انصاری
۳۳۲	اہل کوفہ	۹۹	اہل اسکندر
۳۳۲	اہل مدینہ	۲۲۱۱۲	اہل بدعت
۳۴۶	اہل مکہ	۳۷۱۳۰۱-۳۱۲۵۵۱۱۹۷۱۸۶	اہل بیت کرام
۳۴	اہل مذاہب (الرجہ)	۳۱۰-۱۲۱۳۰۹	
۱۳۲	اہل مغازی و سیر	۱۸۱	اہل تشبیہ
۲۸۵	ائمۃ اثنا عشر	۱۱۱۱۷۲۱۶۵۱۶۴	اہل تشیع، شیعہ و روافض
۳۴۳۱۱۵۲۱۱۱۱۱۱۱۰۱۰۸	ائمۃ اربعہ	۱۳۰۲۱۲۸۵-۹۲۱۲۱۲۱۱۹۷۱۱۹۶۱۱۹۳	
۳۰۲	ائمۃ اہل بیت	۲۰۸-۱۲۱۳۰۳	
۴۵	ایرانی	۱۹۹۱۹۶۱۹۱۱۸۲۱۱۸	اہل تصوف، صوفیہ
۳۹۱۳۰	ایوبی، بنی ایوب	۳۴۵۱۱۸۹۱۱۶۶	
۲۳۶۱۲۱۲۱۱۸۹۱۶۲۱۲۰۱۱۷	باطنی، باطنیہ	۳۴۱	اہل جہلمیت
۳۰۲۱۲۹۳		۱۰۰۱۹۹۱۶۰۱۵۷۱۵۱۱۴۹۱۴۸	اہل دمشق
۳۱۶۱۲۸۳۱۲۰۱	بت پرست	۱۰۳۱۱۰۲	اہل ذمہ
۲۷۱۲۶۶	بنی اسرائیل	۱۵۳۱۸۳۱۶۸۱۶۷۱۴۶۱۴۴	اہل سنت و الجماعہ
۳۰۰	بنی یسویہ	۳۱۱۱۲۸۲-۸۷۱۱۸۸۱۱۶۲۱۱۶۱۱۵۹۱۱۵۷۱۱۵۵	

بنی عبد مناف	۳۰۰	حنابلہ - ۱۰۴۱۹۱۸۲۰۲۰۳۹۳۳۳۳۳۱
بنی النضر	۶۵	۳۴۵۱۶۲۱۵۲
بنی ہاشم	۳۰۰	۲۴۹۱۲۴۸ حواری
پادری عیسائی علماء	۲۶۸۱۲۶۵۱۲۶۲۱۲۶۱	خاندان ابن تیمیہ ۱۰۴۱۳۳
	۲۴۵۱۲۴۴	خاندان عباسی ۲۴
تابعین	۱۸۲۱۵۳۱۱۶۱۱۱۱۱۰۸۱۴۵۱۴۴	خلفائے ثلاثہ ۳۰۹
	۳۵۹۱۳۳۴۱۳۳۳۳۱۰۲۱۱۲۰۱	خلفائے راشدین - ۲۸۴۱۲۸۵۱۲۸۴۱۲۸۰ ۲۹۹
آثاری	۶۴-۶۶۱۴۴-۶۱۱۳۵۱۲۱-۲۸۱۱۴	خوارج ۸۳۱۵۹
	۲۶۰۱۲۳۳۱۲۱۴۱۱۹۵۱۱۴۲۱۰۴۱۹۸۱۴۲۱۴۱	دروزی ۱۴
	۳۳۵۱۳۰۶۱۲۹۰	رفاعی ۶۶
تابعین تبع	۲۱۱	رومی ۲۶۳۱۴۵
ترک، ترکی النسل	۶۱۱۵۸۱۵۲۱۲۶-۲۸۱۲۲	سبعینہ (فرقہ) ۱۰۰
تیامنه	۶۵	ستارہ پرست ۲۳۰
تیمی	۳۴۱	سلاجقہ، بنی سلجوق ۳۰۰
جنات	۲۲۹	شافعیہ ۳۱
جہمیہ (فرقہ)	۱۲۱۱۸۳۱۴۶۱۴۵۱۴۲	شاہان روم ۲۲۰
حاکمی	۶۴	شیاطین ۳۵۴۱۳۵۱۲۶۳۱۲۱۴۱۲۱۶
حشاشی	۱۴	صائبین ۳۲
حکماء یونان	۲۲۰۱۴۰۱۱۶	صحابہ کرام - ۱۱۶۱۱۱۱۱۰۸۱۴۵۱۴۴۱۴۱۸

فقہاء	۱۳۲۱۸۲	۱۹۹۱۱۸۲۱۱۸۳۱۱۶۳۱۱۵۳۱۱۳۶۱۱۳۲۱۱۳۱
فقہاء شافعیہ، علماء شافعیہ	۸۴۱۴۱۳۱	۲۸۴۱۲۸۰۱۲۴۸۱۲۴۳۱۲۱۱۱۲۰۵۱۲۰۲۱۲۰۱
فلاسفہ، علماء فلسفہ	۱۲۸۱۴۶۱۴۵۱۴۰۱۱۵۱۱۲	۳۰۵۱۲۹۴-۹۹۱۲۹۲۱۲۸۴-۸۹۱۲۸۵
	۲۸۱۱۲۳۲-۳۸۱۲۳۶-۳۰۱۲۳۴۱۲۳۱۱۲۲۰	۳۵۲۱۳۳۴۱۳۳۳۱۳۳۲۱۳۱۰-۱۲۱۳۰۸
	۳۳۰۱۳۳۳۱۳۳۱۱۲۴۹۱۲۵۸۱۲۵۱۱۲۴۲	صلیبی ۶۵۱۶۴۱۲۴۱۲۳۱۱۴۱۱۶
	۳۳۱	طبائین ۲۵۶
فلاسفہ اسلام، حکماء اسلام	۲۳۴۱۲۳۵۱۲۳۴	عبیدی، فاطمی ۳۱۵۱۱۹۶
	۲۶۵۱۲۴۶	عجمی - عجمی اقوام ۱۸۹۱۲۸
فلاسفہ یونان، علماء یونان	۲۳۱۱۲۳۴-۲۹	عرب اہل عرب - ۱۹۸۱۱۲۵۱۴۳۱۳۸۱۳۲۱۲۸
	۳۱۰۱۲۳۲۱۲۳۴	۳۴۳۱۲۸۳۱۲۸۲۱۲۶۱۲۲۱
قراطہ	۳۰۴۱۱۸۶	علماء بغداد ۱۱۸
قدمائے یونان	۲۳۱	علماء حنابلہ ۳۴۵۱۴۱۱۳۶
قریش	۳۰۰	علماء مالکی ۸۳
قوم موسیٰ	۲۸۸	علماء منطق ۲۵۰۱۲۴۹۱۲۴۴۱۲۴۵
گوسالہ پرست	۶۹	عیسائی - ۲۲۰۱۲۱۵۱۱۰۳۱۶۲-۶۵۱۵۴۱۱۴۱۱۶
	۱۳۴۱۶۳	۲۴۳۱۲۴۲۱۲۴۰۱۲۶۹۱۲۶۴-۶۶۱۲۶۱۲۶۰
متکلمین	۸۴۱۴۶	۳۳۹۱۳۰۰۱۲۹۰۱۲۸۹۱۲۸۴۱۲۸۲۱۲۴۸
بحوسی	۲۸۳۱۱۴	فرقہ مجسمہ ۱۵۴
محدثین	۱۳۲۱۸۲	فرنگی ۲۶۱۲۳
شائخ صوفیہ - شائخ طریقت	۱۸۹۱۱۸۶۱۱۸۵	

۳۶۸	الاربعین (رازی)	قرآن مجید
۱۴۹	ازالۃ الخفا	(الف)
۲۰۰	استجاب زیارة خیر البرتہ	ابن تیمیہ (البزہرہ) - ۱۹۰، ۱۶۵، ۵۲، ۳۷، ۱۳
۳۱۵	اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	۳۴۳، ۲۶۲، ۱۲۱، ۱۱۷، ۱۱۳، ۱۰۶
۳۶۹	اصحاب الکتاب الستہ	ابن رجب
۳۷۶	الاعتصام	ابن کثیر دیکھئے
۳۴۹، ۳۴۸	اعلام الموقعین	البدایہ
۳۶۹	الاعلام فی ذکر مشائخ الائمتہ الاعلام	۳۷۲
۳۴۹، ۳۴۸، ۱۷۶، ۱۱۲	اغاثۃ اللہقان	۳۴۸
۳۱۵، ۱۴۲، ۳۱۶	اقتضاء الصراط المستقیم	اجتماع الجیوش الاسلامیہ
۱۲۰	الفیہ	۱۵۸
۲۸۰، ۲۷۶، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۸۲	انجیل - ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۶، ۲۸۰	الاجوبۃ المرضیۃ
	(ب)	احادیث الصلوٰۃ علی النبیؐ
۲۶۷، ۲۶۱	بائبل	۳۶۹
۱۵۸	البحر المورود فی المواثیق والعهود	۳۰
۱۵۷، ۱۱۶، ۵۸، ۳۷۵، ۲۱۰	بخاری شریف	۳۶۹
		۳۴۹
		۲۲۰
		۲۱۸
		۳۷۵
		اربعین (نوی)

۳۶۰	مناقیقین	۲۳۳	مشائین
۲۹۲، ۲۹۰، ۱۸۲	(حضرات) مہاجرین	۱۹۱، ۱۸۱، ۷۰، ۶۲، ۲۳، ۱۸	مشرکین، المحدثین -
۷۲	نسطوریہ (فرقہ)	۲۱۵، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۴، ۲۰۲، ۱۹۸، ۱۹۴، ۱۹۲	
۲۲۰	نسطوی	۳۰۰، ۲۹۰، ۲۸۳، ۲۷۴، ۲۶۳، ۲۳۰	
۱۹۱، ۱۹۰، ۱۱۶، ۸۶، ۴۰، ۱۸	نصاری - نصرانی -	۱۰۰، ۸۹، ۸۵، ۸۳، ۵۹، ۵۸	مصری - اہل مصر -
۲۲۸، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۴، ۱۹۵، ۱۹۴		۳۱۱، ۳۱۰، ۲۳۰، ۲۲۷	
۲۸۷، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۷۵، ۲۶۲، ۲۶۹، ۲۶۷		۳۱۰، ۲۲۱، ۲۱۹، ۸۳	معتزلہ
۲۸۸ - ۹۰		۱۳۳	مغل
۶۴، ۱۷	نصیری	۱۳۲	مفسرین
۲۲۰، ۷۲	یعقوبیہ (فرقہ)	۲۱۶، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۳، ۲۰۲، ۱۸۹	ملاکہ - فرشتے -
۲۶۳، ۲۵۵، ۲۲۱	یونانی	۲۸۰، ۲۷۱، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۶	
۱۳۲، ۱۳۱، ۱۱۶، ۶۳، ۶۲، ۴۵، ۴۰، ۱۸	یہود -	۷۲	مکانیہ (مسیحی فرقہ)
۲۸۲، ۲۷۷، ۲۶۶، ۲۲۸، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۸، ۱۹۰		۳۰، ۲۶، ۲۲	مایک - خاندان غلامان
۳۳۹، ۳۲۵، ۲۸۷ - ۹۰، ۲۸۳		۳۹، ۲۵، ۲۲	ملوک سلاطین

١٨٨، ١٨١	رسالة العبودية	(ش)
٣١٦	رسالة القياس	شرح اصبهانيه ٣١٤
٣١٤	رسالة كيلانيه	شرح الغيه (ابن مالك) ٣٤٠
٨٤١، ٨٦١، ٤٩	رسالة المحنة	شرح ترمذى ٣٤٥
٢٩١، ٢٠٨، ٢٠٤، ٢١٠	رسالة الواسطيين المخلوق والحق	شرح جزريه ١٦١
٢١٤	رسالة واسطيه	شرح شاطبيه ١٦١
١٦٠	روح المعاني	شرح شفاء ١٦١
٣٢٨	روضة المحبين	شرح شمائل ترمذى ١٦١
(ن)		شرح فقه اكبر ١٦١
٢٣٨، ٥١١، ٤٢٠، ١٣٢، ١٣١، ١١٢، ١١١	زاد المعاد	شرح ماذنبان جائعار ٣٤٥
٢٨٠، ٢٤٩، ٢٤٢	زبور	شرح المهذب ٣٠
١٥٩	الزواج من اقتراف الكبائر	شرح مسلم (نوى) ١١١، ٣٠
٣٤٢	زوايد البوعلى	شرح نخبة ١٦١
٣٤٢	زوايد طبراني	شرح وقايع ١٢٩
(س)		شفاء السقام في زيارة خير الانام ٣٤٠
١٥٢	سفرنامه ابن بطوطه	شفاء العليل ٣٢٨
١٢٢	سفرنامه اقشهرى	(ص)
١١٦	سنن ابى داود	الصامد المسلول على شاتم الرسول ٨٤١، ٢٣
٢٨	السياسا (تاتارى قانون)	الصامد المنكى في الرد على التكي ٣٤٠

٣٤٢	علوم الحديث	٣٠٣، ٣٨	صالح تـ
٢٠	عمدة الاحكام	٣٠٣	صحيحين
٣٤٢	عمدة التفسير عن الحفاظ ابن كثير	١٦٦	صراط مستقيم (ملفوظات سيد احمد شهبازي)
١٨٠	عمدة القارى	١٥٩	الصواعق المحرقة
٨٣	غنية الطالبين	٣٢٨	الصواعق المرسله
(ف)		(ط)	
٣٢٢، ٣٢١، ٣١٨، ٣١٤، ١١١، ١٠٨	فتاوى ابن تيميه	٣٤٣	طبراني
١٥٩	الفتاوى الفقيهيه والحديثيه	٢٢٠	طبقات الاطباء
١٥٩، ١٣٤	فتح البارى (ابن حجر)	٢٢٠	طبقات الامم
٣٤٥	فتح البارى (شرح بخارى ابن رجب ناقص)	٣٤٥، ٣٢٨	طبقات الخنابله
١٥٤، ٤٢، ٦٨	فتوحات كيه	٣٤٢	طبقات الشافعيه
٣٤	فتوى حمويه	٣١٢، ١٢٠، ١٢١	طبقات الشافعيه الكبرى
٤١٤٠	الفرقان بين الحق والباطل	٢٢٨	الطرق الحكميه
١٥٦، ٤٤٤، ٣١٤، ٤١٤، ١٠٦٩، ٦٨	فصوص الحكم	٢٢٨	طريق البجرتين
٣٤٥	فضل علم السلف على اخلف	(ع) (غ)	
١٣٦	فلسفة الاخلاق في الاسلام	٢٢٨	عمدة الصابرين ذخيرة الشاكرين
٢٢٨	الفوائد	١١٩، ٢٩، ٣٤، ٢٦	العقود الدرسيه
٢٢٠	فهرست ابن نديم	٢٢	العقيدة المحمديه الكبرى
		٦٨، ٦٤	عقيدة واسطيه

١٢٩، ١٦٩، ١٤٠، ١٤٢، ١٤٣، ١٤٥، ١٤٩، ١٤٤

٣٠ القواعد الكبرى

١٢٨ القول الجلي

٢٢٨ الكافية الثانية

٢٤٣ الكال

١٥٢، ١٣٦، ٢٨، ١٣٤ الكتاب (سيبويه)

٢٠٠ كتاب الاستغاث

٢٢١ كتاب الآراء والديانات

٢٠ كتاب الامام

٢٢٨ كتاب الداء والدواء

٢٢٨ كتاب الروح

٢٦٩ كتاب العمدة

٢٢ كتاب النبلاء

٣١٢، ٢٢٢، ٢٣٦-٣٩، ٢١٤ كتاب النبوات

٢٢٨ انكلم الطيب

٤٢ كنه المحكم المربوط

١١٩، ٨٨، ٥١، ٥٠، ٢١، ٢٨، ٢٥ الكواكب الدرية

١٢٨، ١٢٩، ٢٣-٣٣، ١١٣١-١٢٥، ١٢٢، ١٢٩

٢٤٥، ٢٤٢ لحاظ الاحاط

٢٤٥ اللطائف في وظائف الايام

٣٩ متن قطب الدين ابو المعالي اشعري

٢٢٦، ٢٢٣ مجموعة الرسائل الكبرى

٢٠٦، ١٨٨ مجموعة رسائل

٨٦، ٤٩ مجموعة علمية

٥٠ مجموعة فرج الشريفي

١٦٣ مجموعة مكاتيب شاه ولي الشيرازي

٣٦٩ المحرر في الاحكام

١٨٠، ١٤٤، ١٤٥، ١٦٥، ١٦١ مارج السالكين

٣٢٩، ٢٢٨، ١٨٨

١٨٨، ١٦١ مرعاة (شرح مشكوة)

٢٤١ مزامير داود

٣٠٣ مسانيد

٢٢٥، ٢٢٣ المستصفى

١٥٤، ١١٦ مسلم شريف

٢٤٢، ٣٠، ٣١، ١١٦، ٢٨ سند امام احمد

٢٤٢ سند الشنن

١٨٨، ١٦١ مشكوة

١٥٨ مشكوة الانوار

١٥٨ المصنوعون به على اهل

١٥٨ المصنوعون به على غير اهل

٤٢ مطالع النجوم

١٥٨ معارج القدس

٢٢٦ معارج الوصول

٢٢١ المعبر

٣٦٦ معجم (ذبي)

٢٢٨ مفتاح دار السعادة

٢٢٥ مقاصد الفلاسفة

٢٥٥ مقدمه ابن خلدون

٢٠ مقدمه ابن الصلاح

١٥٤، ١٥٥ مكتوبات امام رباني

٢٢١ الملل والنحل

٢٢٨، ١٨٨، ١٦٥، ١٦١ منازل السائرين

١٩٤ مناسك حج المشاهد

١٦٣ مناقب ابي عبد الله محمد بن اسماعيل بخاري

٢٤٠ منتخب من البيهقي

٢٤٠ منتخب من سند الامام احمد

٢٤٠ منتخب من سنن ابي داود

٢٨٦ المنتقى

٢٢٢، ٢٢٣ مفتي الاخبار

٢٤٠ مفتي من تهذيب الكمال (المترى)

٢٢٢ منطق الشفاء

٢٩-٩٨، ٢٨٦، ٢٨٢، ٢٥٩، ١٢٣ منهاج السنة

٢٢٩، ٢٢٦، ٢٢٨، ٢٠٩-١٢٠، ٢٠٦، ٢٠٢، ٢٠١

٢٢٨، ٢٢٦، ٢٠٥، ٢٠٢، ٢٠١ منهاج الكرامه

٢١٤ منهاج الوصول إلى علم الأصول

٢٤٦ الموافقات

٢٠ ميزان الاعتدال

٢٢٢ كتاب النبوات

٢٢٢ النبوة (رسالة)

١٢٦ نزهة الخواطر

٢٢٨ نفحة الارواح

(۴)

۲۵۴، ۲۵۳، ۲۴۸

مقامات

(ت) (ث) (ث)

(خ)

(ج) (چ)

(ح)

(ح)

۲۱۱۱۱۹۷۱۱۹۶۱۱۵۴۱۱۴۵۱۱۳۵۱۱۳۴۱۱۳۱	۳۲۱۲۱	دوآبہ دجلہ و فرات
۲۹۰۱۲۸۴۱۲۷۸۱۲۶۱۱۲۶۰۱۲۳۲۱۲۱۶۱۲۱۵	۳۲	دیار بکر
۲۷۱۱۳۶۴۱۳۶۳۱۳۰۰	۳۲	دیار ربیعہ
	۳۲	دیار مصر
		(ص ط)
۳۶۸۱۹۱۱۶۵۱۵۲	۱۳	رائے بریلی (عجلہ صاحبیہ دمشق)
۳۷۳۱۱۲۵۱۳۴	۳۲	الرقہ (البیضاء) الصوفیہ (مقبرہ - دمشق)
۲۴	۱۳۳	رکن (مقام مقدس) طرابلس
۱۹۴	۲۲۰	روم طور
	۳۲	(ع) الرہا (ایڈریسیا یا اونا)
۱۲۰		عادیہ
		(س)
۴۸۱۳۵۱۲۴۱۲۱	۴۳۱۳۱۳۶۱۳۴	الکریہ (دارالحدیث دمشق)
۲۴۴۱۲۳۳۱۲۲۴۱۲۲۳۱۲۱۸-۲۲۱۱۲۱۰۱۱۵۳	۱۶۳	سندھ
۳۳۵۱۳۱۸۱۲۶۰۱۲۵۷۱۲۵۲	۲۵۱۲۳	سوڈان
۱۱۸۱۵۷۱۵۳۱۴۷۱۳۵۱۳۲۱۲۵۱۲۱	۱۲۵	سوق الخیل (دمشق) عراق
۲۹۰۱۲۱۱۱۱۶۰۱۱۳۱		(ش)
۳۶۴۱۳۰۱۲۷۸۱۵۷		شام
۳۰۴۱۳۰۳۱۱۹۸		عرب
۲۱۵		عفات
		علیقہ (شام)

۹۸	کرک	(ع)
۶۴۱۶۳	کسروان	غذیر خیم
۳۳۴	کوفہ	غزہ
۲۱۴	لاہور	(ت)
۳۱۵	لکھنؤ	(دریائے) فرات
		فلسطین
۳۷۰۱۱۷۱۱۶		(ق)
۳۷۱	مجدل (شام)	قازان
۳۶۳-۶۵۱۳۵۹-۶۰۱۳۳۴۱۳۰۴	۱۲۱	قاهرہ
۱۹۶	مشہد	۱۹۵۱۱۰۴۱۱۰۳۱۹۱۱۸۶۱۵۶۱۲۴۱۲۳
۵۳۱۲۸-۴۴۱۳۹۱۳۵۱۳۱۱۳۰۱۲۲-۲۸	۳۱۵۱۲۱۵۱۲۱۴	مصر
۸۳۱۷۷-۷۹۱۶۸۱۶۷۱۶۵۱۶۴۱۵۵	۲۶۱۱۶۵۱۶۴۱۱۶	قبرص (سائپرس)
۱۱۳۱۱۰۰-۱۰۷۱۹۶-۹۸۱۹۲۱۹۱۱۸۹۱۸۵	۲۶۰	قسنطنطیہ
۱۶۱۱۵۹۱۱۴۵۱۱۳۵۱۱۳۴۱۱۲۹۱۱۲۰۱۱۱۴	۱۱۵	قضا صیبن
۲۸۶۱۲۶۱۲۶۰۱۲۱۶۱۲۱۵۱۲۱۱۱۱۹۶۱۱۹۵	۱۲۴۱۱۱۹۱۱۱۷۱۱۱۴۱۱۰۴۱۵۳۱۵۲	قلعہ دمشق
۳۷۲-۷۴۱۳۴۹۱۳۱۸۱۳۱۶	۹۶۱۷۸	قلعہ مصر
۴۲	معان	(نہر) قلوٹ
۱۹۶	مغرب اقصیٰ	(ک ل)
۱۳۲	مقابر الصوفیہ	کر بلا
	مقام ابراہیم	کردستان

ہندوستان - ۲۸۲، ۲۲۳، ۲۱۴، ۴۵، ۲۶، ۱۹، ۱۳، ۱۲، ۳۶۹، ۳۴۹، ۳۰۱

ہرات ۱۶۱

مین ۳۰۰، ۲۱۱، ۱۲۶

یورپ ۲۶۰، ۲۵۸، ۲۸

یونان - ۲۲۴، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۶، ۲۵، ۲۰، ۱۶، ۱۵

۳۱۰، ۲۵۸، ۲۴۶، ۲۴۲ - ۲۴۱، ۲۳۳ - ۲۵، ۲۲۵ - ۳۱

منقیہ ۲۱۵

موصل ۳۲

نیک ۴۹

نجف ۲۱۴، ۱۹۶

نصیبین ۳۲

(دریائے نیل) ۲۲

متفرقات

مدارس و معاہد اور ادائے:

۳۴۱ مدرسہ ام الصالح دمشق

۳۴۱ مدرسہ تنکزیہ دمشق

۳۴۵ مدرسہ جوزیہ، دمشق

۱۱۵، ۴۳ مدرسہ حنبلیہ دمشق

۹۸ مدرسہ صابحہ دمشق

۳۶۸، ۳۴۴ مدرسہ صدریہ

۳۶۸ مدرسہ ضیائیہ

۱۱۵ مدرسہ قضا صیین

انصار السنہ - قاہرہ ۳۱۵

جامع ازہر ۱۶۱، ۱۵۸

جامع سوربہ ۱۲۵

کتب خانہ مدرسہ کالمیہ - دمشق ۳۰

کتب خانہ ندوۃ العلماء - لکھنؤ ۳۴۵

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام - لکھنؤ ۳۱۵

المجمع العلمی العربی - دمشق ۱۳۰

مدرسہ کالمیہ - دمشق ۳۰

الملکۃ الظاہریہ دمشق ۱۲۰، ۴۹

ندوۃ العلماء - لکھنؤ ۳۴۵

مذاہب و تحریکات و نظریات:

اشراقیت - اشراق ۹۶، ۶۸، ۱۹

اشعری عقیدہ ۱۵۳، ۲۹

اعتزال ۳۱۱

افلاطونی تصورات - افلاطونیت ۹۱، ۱۴

باطنیت ۱۹

بودھ مذہب ۲۴۳

(عقیدہ) تجسیم ۱۵۴، ۴۶

تصوف - ۱۶۱، ۱۵۵، ۱۳۴، ۹۹، ۹۶، ۴۰، ۶۸ ۳۴۹، ۳۲۸، ۱۶۵

(عقیدہ) تنزیہ ۴۵

جاہلیت ۱۹۰، ۶۲، ۳۸، ۲۴، ۱۸

جاہلیت و ثنیہ ۲۱۸، ۲۱۴

جوگ ۱۹

(مثلاً) حلقہ بالطلاق ۱۱۲ - ۱۴

دین نصاریٰ ۸۶

روی بت پرستی ۲۶۲

(مثلاً) زیارت قبر نبوی ۱۵۱، ۱۱۵

تارہ پرستی ۲۳۴

شرک ۱۸

شرعیات اسلامیہ، شریعت محمدی - ۲۰۱، ۱۳۲، ۱۲۰

طریقہ رفاغیہ ۶۶

عقائد اہل سنت ۱۵۴، ۱۵۳

عقلی ظاہریت ۱۹، ۱۴

عقیدہ اہل تشیع، شیعیت - ۳۱۱، ۲۸۴، ۲۵۹، ۱۹۳

عقیدہ تثلیث ۲۴۳

عقیدہ حلول ۱۹۵، ۱۳۴، ۴۵، ۴۴، ۴۲، ۱۹

عقیدہ سلف ۹۱

عقیدہ وحدۃ الوجود، عقیدہ اتحاد - ۶۴، ۱۹

۱۸۰، ۱۵۵، ۱۳۴، ۱۲۱، ۱۰۰، ۱۹۶، ۴۰ - ۴۲

فقہ حنبلی ۲۴۳، ۱۹۵، ۱۸۶

گوسالہ پرستی ۶۹

مبحث امامت (شیعہ) ۳۰۹

بحوسی عقائد ۱۴

۳۱۶، ۲۴۶	مطبعة قیمہ - بمبئی	۳۲۰، ۲۸۱، ۱۶۳، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۲۰	(علم) لغت
۱۵۹	مطبعة کردستان - مصر	۲۶۲	مسیحی علم کلام
۳۷۵	مطبع مصطفیٰ البابی اعلیٰ	۱، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۱، ۲۱۹، ۱۸۹، ۴۰	منطق - ۴۰
۳۵۶	مطبعة میمنیہ - مصر	۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۴۴ - ۵۳	
۳۶۲، ۳۵۸ - ۶۰	مطبع نظامی	۲۵۳، ۱۶۲، ۱۵۱، ۱۳۶، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۲۰	(علم) نحو - ۱۲۰
جنگ اہم و تاریخی واقعات و حوادث:		۳۷۱، ۳۶۷، ۳۶۵، ۳۲۰، ۲۸۱	
۳۷۳، ۳۳۵	تآاری یورش	۱۹	ہندوستانی فلسفہ اشراقیت
۳۶۳، ۱۳۱	جنگ خیبر، غزوہ خیبر	۱۵	یونانی اصطلاحات
۳۰۸	جنگ بدر	۳۲	یونانی علوم
۳۵۹	حجۃ الوداع	۱۹	یونانی فلسفہ اشراقیت
۳۰۸	سریہ	۲۵۸، ۲۵۲، ۲۵۰، ۲۳۷، ۱۳۶	یونانی منطق
۲۶۰، ۱۰۳، ۱۲۸	صلیبی جنگ		مطالع:
۳۶۳، ۳۶۰ - ۲۰۸، ۲۰۷	غزوات	۱۶۳	مطبع احمدی
۳۶۲	غزوہ احد	۲۸۶	مطبعة امیرنیہ - مصر
۳۶۳	غزوہ اوطاس		مطبع انصار السنۃ - قاہرہ
۳۶۴، ۳۶۳	غزوہ تبوک	۱۶۱	مطبع بولاق - مصر
۳۶۳	غزوہ خین	۱۸۸	مطبعة حسینیہ مصریہ
۳۶۴	غزوہ فتح (مکہ)		مطبعة خیرنیہ - مصر
۱۹	فتنہ علوم سینہ	۲۰۰	مطبعة سلفیہ - مصر

۱۹۵	قبر ابو عمر	۳۶۵	مغازی
۲۱۴	مدفن سیدہ زینب	۳۰۸	واقعة صلیب
۲۱۴	مدفن سیدہ سکینہ	۱۲۱	واقعة قاذان
۲۱۴	مدفن حضرت علیؑ		ادوار و عہود اور سلطنتیں:
۲۱۴	مزار سید علی ہجویری	۳۸۱، ۲۵	اسلامی حکومتیں
۳۷۵، ۳۴۹	مقبرہ الباب الصغیر، دمشق	۲۳۵، ۳۸	اسلامی عہد
۳۷۳	مقبرہ الصوفیہ، دمشق	۲۶، ۱۷	ایوبی دور سلطنت - سلطنت ایوبیہ
	دیگر متفرقات:	۱۹۶	باطنی سلطنت
۳۷۳، ۳۷۲	اسرائیلیات	۳۱۸	حکومت سعودیہ
۲۹	اسلامی تہذیب	۱۷	زنگی دور سلطنت
۱۷۲	اصیل گھوڑے	۳۲	سلطنت ترکی
۲۶۳، ۲۳۱، ۲۱۶، ۲۰۷	بت، مورتی	۲۲۰	سلطنت عباسیہ
۲۵۴، ۲۵۳، ۱۹۸، ۱۷۲	چاندی	۱۷۱	سلطنت کسری و قیصر
۸۸	چوہر	۱۹۶	عبیدی سلطنت
۲۸	چنگیزی عادات	۲۶۴	عہد قسطنطین
۲۲۳	درس نظامی	۲۶۷	عہد نبوت
۱۳۹	درہم	۲۶۴، ۲۶۰	عیسائی سلطنت
۲۳۰	دیہ دیوتا		مشاہد، مزارات و مقابر:
۱۳۹	دینار	۳۶۹	روضہ دمشق

۲۹	عربی معاشرت	۱۹	رفاعی سلسلہ
۳۰۸	عرش	۲۳۱،۲۳۰	تارہ کو اکب
۳۰۴،۳۰۳	غدی خیم، یوم خم	۲۵۴،۲۵۳،۱۹۸،۱۴۲	سونا
۱۴۶	کنجشک (چڑیا)	۲۵۴،۲۵۳	سیدہ
۵۲	منجینی	۸۸	شطنج
۳۰۴،۳۰۳	یوم عرفہ	۲۶۰،۲۶۴	صلیب
		۲۵۱،۱۶۳،۱۱۵،۲۷	عربی (زبان)

APPROVED

By WWW.ATTABLIG.COM at 11:05 am, Oct 26, 2010